حفظ کن تاریخ را پائندہ شو
از نفسہائے رمیدہ زندہ شو
اقبال

اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ

جلد دوم

خلفائے ثلاثہ

شیعہ نقطۂ نظر سے

سنہ ۱۳۷۶ھ ، سنہ ۱۹۵۷ء

تالیف

پروفیسر خواجہ محمد لطیف انصاری

ناشر

رضاکار بک ڈپو لاہور

بار ... ... اوّل
تعداد ... ... ایک ہزار
مطبع ... ... کواپریٹیو پریس لاہور
طابع ... ... شیخ محمد صدیق بی۔اے
کتابت ... ... ابوایاز اصغر قریشی
ناشر ... ... رضاکار بُک ڈپو
قیمت ... ... تین روپے

ضروری گزارش

مسلمانوں کے کسی فرد یا جماعت کے عمل کی ذمہ داری اسلام پر نہیں عائد ہوتی - اسلامی تعلیم کا نمونہ صرف سرکار رسالت محمدؐ مصطفےٰ ارواحنا لہ الفدا کا عمل ہے۔ یا ایسے رہنمایان اسلام کی سیرت جو مذہبی طور پر معصوم مانے جاتے ہوں اور منصوص من اللہ ہوں۔ سرکار رسالتؐ کے بعد عموماً جو مسلمان سلطنتیں قائم ہوئیں ان کے کار پردازہ بالاتفاق معصوم نہیں تھے۔ اس لیے ان کے عمل سے اسلامی تعلیم کے متعلق کوئی رائے قائم کرنا زیادتی ہے نیز ایسی سلطنتوں کی تاریخ کو ہم اسلام کی تاریخ نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ اس طرز کی تاریخ دراصل مسلمانوں کی تاریخ ہے۔

محمد لطیف انصاری

عرضِ ناشر

رضاکار بک ڈپو کے مطبوعات کی پیشکش اس لیے قابلِ فخر ہے، کہ ملّت کے صاحبانِ فکر و نظر نے قدر افزائی کی۔

ہم نے ہر کتاب کی طباعت سے پہلے اس کے مواد، ندرتِ اسلوب اور قابلِ توجہ موضوع پر کافی غور کیا، پھر کتابت و طباعت و قیمت میں اپنے پڑھنے والوں کا احترام ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے انتہائی موزونیت کو پیشِ نظر رکھا۔

اس سے پہلے ترجمہ "اصل و اصولِ شیعہ" پھر "اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ" جلد اوّل نامی کتابیں شائع کر کے آپ کی ہمت افزائی سے متاثر ہو کر اب پھر اپنے سابقہ اہتمام کے ساتھ جناب پروفیسر خواجہ محمد لطیف صاحب قبلہ انصاری مدظلہ کی دوسری تالیف "اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ" جلد دوم آپ کی نذر کر رہے ہیں۔ یقین ہے کہ خواجہ صاحب قبلہ کی یہ تالیف اور ہماری خدمت اربابِ ملت قدر کی نظر سے دیکھیں گے۔

اگر خدا نے مدد کی تو انشاء اللہ ہم قوم و ملت کی عملی خدمت میں چند بیش بہا علمی تخلیقات پیش کرنے میں کامیابی حاصل کریں گے۔

محمد صدیق

مسلمانوں کی تاریخ

(شیعہ نقطۂ نظر سے)

دورِ خلفائے ثلاثہ

(۱)

حضرت ابوبکر

ربیع الاول ۱۱ھ سے جمادی الثانی ۱۳ھ تک

جون ۶۳۲ء — اگست ۶۳۴ء

تعارف

اس سے پیشتر "اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ" جلد اول زیر نظر سلسلہ کی پہلی کڑی شائع ہو چکی ہے جس میں ملک عرب کے دور جاہلیت کی تاریخ اور عہد رسالت کے تمام و کمال حالات درج کیے گئے ہیں۔

"اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ" جلد دوم اس سلسلہ کی دوسری کڑی ہے جس میں وفات رسولؐ کے بعد کے حالات، خلافت کی ابتدا، خلیفۂ اول حضرت ابوبکر کا انتخاب اور ان کے عہد کے حالات — خلیفۂ ثانی حضرت عمر اور خلیفۂ ثالث حضرت عثمان کی تقرری کے واقعات اور ان کے عہد کی فتوحات اور دیگر تمام حالات کی مکمل سرگذشت بیان کی گئی ہے اور کوئی قابل ذکر واقعہ ترک نہیں کیا گیا۔

رسول اسلامؐ کی وفات کے بعد مسلمان دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ ایک گروہ کا عقیدہ یہ تھا کہ خلیفۂ رسولؐ کی تقرری خدا کی جانب سے — ہوتی ہے دوسرے گروہ کا نظریہ یہ تھا کہ خلیفۂ رسولؐ کی تقرری کا اختیار امت کو دیا گیا ہے۔ فاضل مؤلف نے ہر دو نظریوں پر سیر حاصل تبصرہ فرمایا ہے اور اس ذیل میں شیعہ سنی نظریات کا تقابل بھی کیا ہے نیز شیعہ نقطۂ نظر کی وضاحت فرماتے ہوئے ان تمام غلط فہمیوں کا بھی ازالہ فرمایا ہے جو اس ذیل میں شیعوں کے متعلق پھیلائی گئی ہیں۔

اسلامی نظریۂ خلافت کیا ہے؟ اور اسلام کس طرز حکومت کا مؤید ہے۔ اس کی بھی فاضل مؤلف نے پوری وضاحت فرمائی ہے اور اس کی تائید میں

آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی پیش فرمائی ہیں۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام کا نظریۂ حکومت جمہوری نہیں ہے۔ جمہوریت اور اسلام دو متضاد چیزیں ہیں اور آخر میں یہ نتیجہ نکالا ہے کہ:۔

"شیعہ نظریۂ حکومت ہی صحیح اسلامی نظریۂ حکومت ہے"۔ اور پھر اُن تمام خرابیوں کو گنوایا ہے جو اس صحیح اسلامی نظریۂ حکومت کو ترک کرنے کے باعث معرضِ وجود میں آئیں اور جس کے نتیجہ میں ملوکیت کی داغ بیل پڑی اور پھر مسلمانوں میں ملوکیت رائج ہو جانے کی وجہ سے حقیقی تاجدارانِ اسلام کو کن مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑا اور اسلام کی صورت کیونکر مسخ ہوئی۔

غرضیکہ زیرِ نظر دوسری جلد کے مطالعہ سے آپ پر یہ تمام حقائق آشکار ہو جائیں گے۔ یقین ہے کہ یہ پیش کش شیعہ طلباء و طالبات کے لیے سودمند ثابت ہو گی۔ اس طرح تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے عام حلقوں کو بھی فائدہ پہنچائے گی۔

(صدیق)

فہرست مضامین

فرانس
ہسپانیہ
اطالیہ
یونان
بحیرۂ اسود
ایشیائے کوچک
بحیرۂ روم
شام
عراق
ایران
بربر
بربر
مصر
افریقہ
حبشہ
بحیرۂ عرب
اسلامی سلطنت
خلفائے ثلاثہ کے دور میں
علامات
اسلامی سلطنت
عیسائی "
باقی غیر مسلم سلطنتیں

پہلا باب

مُسلمانوں کے دو فکری حلقے

الٰہی حاکمیت اور انسانی حاکمیت

سرکارِ رسالت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارتحال پُرملال کے بعد مسلمان دو فکری حلقوں میں تقسیم ہو گئے۔

آلِ محمدؐ کا نظریہ "الٰہی حاکمیت" تھا اور صحابہ کی ایک جماعت کا نظریہ انسانی حاکمیت۔ پہلے نظریہ کو اختیار کرنے والے شیعہ کہلاتے ہیں اور دوسرے نظریہ کو اپنانے والے اہلسنت والجماعت کے نام سے مشہور ہیں۔

شیعہ۔ شیعہ کے معنی عربی زبان میں تبعین اور پیروؤں کی جماعت کے ہیں۔ جو جماعت نظریاتِ اسلامیہ میں انبیاء و مرسلین علیہم السلام بالخصوص خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ ارواحنا لہ الفدا اور ان کی آل اطہار کی پیروی کرتی ہے شیعہ کہلاتی ہے۔ الٰہی حاکمیت کا نظریہ وہ نظریہ ہے جس کی تمام انبیاء و مرسلین نے دعوت دی اور سرکارِ رسالت

نے اپنے زمانہ میں اسے عملاً پیش کیا۔ یہی نظریہ آلِ محمدؐ کا نظریہ ہے۔ اس لیے وہ جماعت جو اس نظریہ پر برقرار رہے "شیعہ آلِ محمدؐ" یا "شیعۂ علیؑ" کہلاتی ہے۔

اہل السنّت والجماعت

اہل السنّت والجماعت کے معنی ہیں "سنّت اور جماعت والے"۔ چونکہ انھوں نے سنّت کے علاوہ جماعتی فیصلوں کو بھی مذہب میں داخل کر لیا ہے اور انسانی حکومت کا نظریہ مذہب کا نہیں بلکہ جماعت کا فیصلہ ہے۔ مسلمانوں کی جماعت نے بعد سرکارِ رسالت اقتدارِ اعلیٰ کے مختلف طریقے اختیار کر لیے۔ کبھی انتخاب کے ذریعہ تقرر ہوا۔ کبھی سابق حاکم نے اپنا جانشین نامزد کیا۔ کبھی ایک کمیٹی کے مشورہ سے اقتدارِ اعلیٰ کا فیصلہ ہوا اور کبھی اقتدارِ اعلیٰ بزورِ شمشیر حاصل کیا گیا۔ جس سے "انسانی حاکمیت" کے لیے چار اصول بن گئے۔ اجماع، استخلاف، شوریٰ اور قہر و غلبہ۔ ان چاروں طریقوں کی طرف نہ قرآن رہنمائی کر رہا ہے اور نہ سنّتِ رسولؐ۔ بلکہ یہ مسلمانوں کے جماعتی فیصلے ہیں۔ اس لیے ان فیصلوں پر عمل کرنے والے "اہلِ جماعت" کہلاتے ہیں۔ ان میں سے ہر طریقِ کار کو ہم اس کے موقعہ اور محل پر بیان کریں گے۔

لفظ اسلام سے نظریۂ حکومت کی توضیح

لغت کے لحاظ سے "اسلام" کے دو معنی ہیں:۔

ایک "طاعت میں سر رکھنا" یا گردن جھکا دینا، یعنی اللہ کی طاعت میں سر تسلیم خم کرنا اسلام ہے اور دوسرے "سپردن" یعنی "اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دینا"۔ قرآن حکیم نے لفظ اسلام میں ایک لطیف معنی بھی پیدا کیے ہیں۔ اس نے سر و گردن کی بجائے لفظ "وجہ" اختیار کیا ہے۔ یعنی اللہ کی اطاعت میں اپنے چہرہ کو جھکانا، چہرے کو عربی زبان میں "وجہ" اس لیے کہتے ہیں کہ چہرہ توجہ کا ذریعہ ہے۔ توجہ پر جب ہم نفسیاتی طور پر توجہ کرتے ہیں تو "انسانی نفس کا اپنی تمام طاقتوں، قوتوں، صلاحیتوں اور اہلیتوں کو ایک مرکز پر لے آنا توجہ کہلاتا ہے۔" اس توضیح کے لحاظ سے اسلام کے معنی اپنی تمام طاقتوں، صلاحیتوں، قوتوں اور اہلیتوں کو ایک مرکز پر لا کر اللہ کی اطاعت میں جھکا دینا یا اللہ کے سپرد کر دینا اسلام ہے۔ اس اصول کو قرآنی الفاظ "من اسلم وجہہ للہ" (النساء آیت ۱۲۵ پ۵ ع ۱۵) میں بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے لفظ اسلام کی رو سے اللہ کی مرضی کے مقابلہ میں انسان کا حق خود ارادی Self Determi-nation خواہ شخصی ہو یا جمہوری کوئی چیز نہیں ہے۔ اقتدار اعلیٰ کا مالک اور حاکم مطلق صرف اللہ ہے اور جسے وہ اپنا نائب بنائے۔ اس لیے جب اللہ کا نامزد نمایندہ اقتدار اعلیٰ کا مالک ہو تو وہ اسلامی حکومت کہلائے گی اور جب مسلمانوں کا نمائندہ حاکم ہو تو وہ مسلمانوں کی حکومت کہلائے گی اسلام کے نمائندہ کی "تاریخ اسلام کی" تاریخ اور مسلمانوں کے نمائندہ کی تاریخ مسلمانوں کی تاریخ کہلائے گی۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ سے نظریہ حکومت کی توضیح

"لا الٰہ الا اللہ" وہ کلمہ توحید ہے جو اسلام کی بنیاد ہے۔ وہ حکومت الٰہیہ کا اقرار ہے۔ سرکار رسالت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "لا الٰہ الا اللہ" کا نعرہ بلند کر کے نہ صرف بت پرستی، عناصر پرستی، اشجار پرستی اور حیوان پرستی کا خاتمہ کر دیا بلکہ اس سے انسان پرستی کو بھی ختم کر دیا ہے جو انسانی حاکمیت کے روپ میں انسانوں سے پرستش کراتی ہے۔ حضور نے انسانوں کی انسانوں پر حکومت کے غلط اصول کو پاش پاش کر دیا۔ انسان کو انسانی حکومت سے آزادی دی۔ خواہ وہ حکومت ملوکیت ہو یا آمریت (Dictatorship)۔ سردار قبائل کی حکومت ہو یا اشرافیت[1] وعیانیت، جمہوریت ہو یا قہر وغلبہ کی حکومت۔ ان اقسام کی حکومتوں کو مذہبی حکومت سمجھنا۔ کلمہ لا الہ الا اللہ کے منافی ہے اس قسم کی حکومتیں مادی اور دنیاوی حکومتیں ہوتی ہیں۔ رفع شر اور دفع فتنہ وفساد اور قیام امن کے لیے ان سے تعاون کرنا، انہیں نیک مشورے دینا، اور ان میں حصہ لینا رعایا کا فرض ہے۔

نظریہ حکومت کی قرآنی توضیح

ان الحکم الا للہ۔ قرآن صاف الفاظ میں اعلان کر رہا ہے کہ حکومت صرف اللہ کے لیے ہے۔ پھر فرمایا لا یشرک فی حکمہ احدا۔

[1] اشرافیت: اشراف یا اعیان مملکت کی حکومت اشرافیت یا اعیانیت کہلاتی ہے اور بہت سے افراد کی حکومت جمہوریت کہلاتی ہے۔ ایک شخص کی حکومت کو ملوکیت کہتے ہیں۔

اللہ کی حکومت میں کسی کو شریک نہ بناؤ۔ نہ ایک فرد کو اور نہ چند افرادِ انسانیہ کی کمیٹی کو، اور نہ ہی جمہور کو۔ پھر ارشاد ہوا لم یکن له شریک فی الملک ملک اسی اللہ کا ہے اور اس ملک کی حکومت میں کوئی اس کا شریک نہیں حکومت کا نہ ملوک کو حق ہے نہ آمروں کو، نہ اشراف و اعیان کو حق ہے نہ جمہور کو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ جن امور کو اپنی طرف نسبت دیتا ہے ان کا انصرام اس کے نمائندوں کے ذریعہ ہوتا ہے اس لیے حکومت جو امرِ الٰہی ہے اس کا اظہار بھی اس کے نمائندوں کے ذریعہ ہوگا۔ اور اس کا نمائندہ وہ ہے جسے وہ خود مقرر کرے نہ کہ جمہور، اور جسے وہ خود مقرر کرے وہ معصوم ہوتا ہے۔ اور وہ علم لدنی کا مالک ہوتا ہے۔ اس اصول کی مثال قصۂ بنی اسرائیل میں موجود ہے جبکہ بنی اسرائیل نے اپنے نبی کے ذریعہ اپنے بادشاہ کا تقرر چاہا تو اللہ نے طالوت کو مقرر فرمایا۔ ظاہر بین نگاہوں نے اس پر اعتراض کیا کہ اسے تو ہم پر مالی فوقیت نہیں حاصل ہے۔ اس کے جواب میں اللہ نے صاف ارشاد فرمایا "ان الله اصطفیه وزاده بسطة فی العلم والجسم" اللہ نے اسے پاکیزگی میں چنا ہے اور اسے علم اور جسم یعنی علم و شجاعت میں فوقیت دی ہے صاف ظاہر ہے کہ اس مثال میں نمائندہ الٰہیہ کے تقرر کے لیے نص، عصمت علم اور شجاعت ہی شرائط ہیں۔ کیا اس کے بعد بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ اللہ نے نظریۂ حکومت کی وضاحت نہیں فرمائی تھی اور نہ رسول اللہ نے اس کے متعلق کچھ ارشاد فرمایا تھا۔ اس لیے سرکار رسالتؐ کے بعد مسلمانوں کو رسم و رواج زمانۂ جاہلیت کی طرف پلٹنا پڑا۔

شیعوں کا نظریۂ حکومت قرآن و سنت کے مطابق ہے

شیعوں نے قرآنی نظریۂ حکومت کو ہی اختیار کیا ہے۔ جس کی عملی وضاحت رسول اللہ نے میدانِ خم غدیر میں فرما دی تھی۔ جب عام مسلمانوں نے انسانی حاکمیت کے نظریہ کو عملاً اپنا لیا، تو یہ گروہ حزبِ اختلاف (Opposition Party) میں تبدیل ہو گیا اور ہم اس وقت تک اصولاً حزب اختلاف میں رہیں گے۔ جب تک حکومت الٰہی حاکمیت کے محور پر گردش نہیں کرے گی۔ ہاں مگر ہمارے پیشواؤں نے حزب اختلاف میں رہ کر ہمیشہ تعمیری کام کیا ہے اور تخریبی پروگرام کو کبھی اختیار نہیں کیا۔ حزب اقتدار کو نیک مشورے دیئے اور ایک صالح سیاست کے منصب کو تا امکان نبھایا۔ اگر کبھی کسی حکومت سے چپقلش ہوئی۔ تو اُس وقت جب ارباب اقتدار نے ہمارا پیمانۂ صبر لبریز کر دیا، اور ہمیں حفاظت خود اختیاری کے لیے کوئی اقدام کرنا پڑا۔ جس کا ہر ذی حیات کو فطرتاً حق ہے۔

حزب اقتدار کے مورخین کا ایک مغالطہ اور اسکی تردید

مورخینِ عامہ عوام کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے لیے شیعہ کے نظریۂ حکومت الٰہیہ کی غلط ترجمانی اس طرح کرتے ہیں:

"شیعہ ایک خاص خاندان یعنی اہل بیتؑ کو حکومت کا حقدار سمجھتے ہیں۔ انھوں نے یہ تخیل ایران سے لیا تھا۔ ایران میں شاہی خاندان کے افراد کے سوا کوئی دوسرا بادشاہ بننے کا اہل نہیں سمجھا جاتا تھا۔" (تاریخ خلافت اسلامیہ)

حالانکہ شیعوں کا یہ نظریہ ہرگز نہیں ہے شیعوں کے ہاں خلافت الٰہیہ کے لیے خاندان کی شرط ہرگز نہیں ہے ۔ شیعہ مذہب میں الٰہی نمائندہ کے شرائط نفس عصمت اور علم ہیں۔ خاندان اہلبیتؑ کے جن افراد میں یہ شرائط موجود ہیں ان کو ہی ہم الٰہی نمائندہ اور اقتدار اعلیٰ کا مستحق سمجھتے ہیں۔ اگر خلافت کو شیعہ وراثت پر مبنی جانتے تو مذہبی قیادت کا حقدار امام حسن علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد کو سمجھتے۔ شیعوں کا امام حسین علیہ السلام کو اور ان کے بعد ان کے نو معصوم فرزندوں کو امام سمجھنا اس غلط فہمی کی تردید ہے۔ شیعوں کا عمل تو سنت الٰہیہ پر ہے۔ اللہ غیبی صفات کی بنا پر خاندان ابراہیمؑ کو مورد الطافات و عنایات قرار دیتا ہے۔ اگر اس لطف و کرم پر لوگ حسد کریں تو یہ ان کا اپنا فعل ہے۔ چنانچہ خاندان ابراہیمؑ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:۔

ام یحسدون الناس علیٰ ما اتاھم اللہ من فضلہ فقد اتینا ال ابراھیم الکتاب والحکمۃ واتیناھم ملکا عظیما

(سورۃ النساء آیت ۵۴ پ ۵ ع ۴)

کیا لوگ اس چیز پر جو ہم نے آل ابراہیمؑ کو عطا کی حسد کرتے ہیں۔ ہم نے آل ابراہیمؑ کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں عظیم سلطنت عطا کی۔

"وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتاب" اور ہم نے اس کی ذریت میں نبوت اور کتاب کو رکھا۔

المختصر شیعہ نفس عصمت اور علم کو محل اعتقاد سمجھتے ہیں۔

شیعوں کا نظریۂ حکومتِ الٰہیہ قرآن اور سنّت کا نظریہ ہے۔ اور عقل بھی اس کی تائید کر رہی ہے۔

اللہ نے انسان کو آزاد و خود مختار پیدا کیا ہے۔ پھر وہ اللہ کے سوا کسی اور کے سامنے اپنا سر کیوں جھکائے۔ آخر وہ کون سی خصوصیت ہے جس کی وجہ سے وہ دوسرے انسانوں پر اقتدار حاصل کر کے انہیں اپنی اغراض کا تختۂ مشق بنائے۔ اشرافیت پر بھی یہی اعتراض ہوتا۔ جسے جمہوریت کہتے ہیں وہ بھی ایک پارٹی کی حکومت ہوتی ہے۔ آخر اس پارٹی کو حکومت کا حق کیوں ہے۔ اگر جمہوریت میں کل قوم حاکم ہے اور خود ہی محکوم تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مفادِ حکومت ختم۔

الٰہی حاکمیت کے نظریہ کو انگریزی علم سیاست (Politics) میں تھیوری آف ڈیوائن اوریجن (Theory of Divine origin) کہتے ہیں۔

یورپ کے مفکر پروفیسر گلکرائیسٹ (Gillchrist) اس نظریہ کے متعلق اس طرح اظہارِ خیال فرماتے ہیں:۔

The idea of Divine origin was a factor in preserving order and preventing anarchy. It emphasies the moral end of the state. To regard the state as work of God is to give it a moral high status to make it something

wich the citizen may rever and support something which he may regard as the perfection of human life

(Introduction to politics)

نظریہ حکومتِ الٰہیہ نظام کے قائم رکھنے اور طوائف الملوکی کو روکنے کا ذریعہ تھا۔ یہ ریاست کے اخلاقی انجام پر زور دیتا ہے۔ حکومت کو فعل خدا سمجھنا اس کے بلند اخلاقی معیار کا ضامن و کفیل ہے۔ اس حکومت کا قیام اسے قابلِ احترام و تعاون بناتا ہے۔ اس کا قیام انسانی زندگی کا کمال سمجھا جاتا ہے۔

اکثر مفکرینِ مغرب نے اس نظریہ کے تقدس کو اسی طرح بیان کیا ہے۔ مگر انہیں اس پر اعتراض ہے کہ انسانی خواہشات نے کبھی اس کا ماحول پیدا ہونے نہ دیا۔ اور اس کا صحیح نمائندہ آگے نہ بڑھ سکا۔ اسی خیال کو مشرق کے شاعر علامہ اقبالؒ نے اپنے مفکرانہ انداز میں اس طرح پیش کیا ہے ؎

کبھی جہان میں نہ قائم ہوئی حکومتِ عشق
سبب یہ ہے کہ محبت زمانہ ساز نہیں

بھلا محبت الٰہیہ انسانی خواہشاتِ نفسانیہ کی تائید کس طرح کر سکتی ہے یہی تو اس کا امتیاز ہے کہ جمہوریت کی طرح زمانہ سازی کو اختیار نہیں کرتی اور جمہور کی خواہشات کے اشارہ پر سرگرم عمل نہیں ہوتی۔

اللہ نے اپنی حکومت کے دنیا میں جلوے دکھلائے ہیں۔ اور مستقبل

میں قیام حکومتِ الٰہیہ کے اعلانات قرآنِ حکیم میں موجود ہیں۔ آخر میں جب انسانی تجاویزِ امنِ عالم میں ناکام ہو جائیں گی تو وہ اپنے نمائندہ کے ذریعہ سے اس عالم میں امن قائم کرے گا۔ اور دنیا کو عدل و انصاف سے معمور کرے گا۔ جبکہ وہ ظلم و جور سے پُر ہو چکی ہو گی۔ انسانی سیاست لاکھ پلٹے کھائے۔ دنیا میں قیام امن انسانی حاکمیت کے بس کا روگ نہیں۔ عالمی مشکلات کو الٰہی حاکمیت ہی ختم کر سکتی ہے اور کرے گی۔ ایک الٰہی نمائندہ نے اس کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا ہے:

لِکُلِّ اُنَاسٍ دَوْلَةٌ یَرْقُبُوْنَ لَهَا، وَدَوْلَتُنَا فِیْ اٰخِرِ الدَّهْرِ یَظْهَرُ

ہر قوم ایک سلطنت کی امید رکھتی ہے۔ مگر ہماری یعنی الٰہی نمائندہ کی سلطنت زمانہ کے آخر میں ظاہر ہو گی۔ عجل اللہ فرجہ

موجودہ زمانہ میں جس قدر مسلمانوں کی حکومتیں ہیں ان کی تقویٰ اور پرہیزگاری میں اعانت کرنا حکومتِ الٰہیہ کے مکتبِ فکر کے نمائندوں کا فریضہ ہے۔ اور غیر مسلم حکومتوں میں بھی امن کی زندگی بسر کرنا اس وقت تک ان کا فرض ہے جب تک انہیں دینی آزادی حاصل ہو۔

سوالات

ا۔ سرکارِ رسالت مآب کی وفات حسرت آیات کے بعد نظریۂ حکومت کے متعلق مسلمانوں کے دو فکری حلقوں کے اختلاف کو بیان کرو۔

۲۔ لفظ شیعہ کی توضیح کرو اور بتلاؤ کہ شیعہ کسے کہتے ہیں؟ اور وہ نظریۂ حکومت میں کس کی پیروی کرتے ہیں؟

۳۔ لفظ اہلسنت والجماعت کی توضیح کرو اور اس مرکب لفظ میں لفظ جماعت کی وضاحت کرو۔ اور بتلاؤ کہ انسانی حاکمیت کا نظریہ اہل سنت والجماعت نے کس دلیل سے اختیار کیا؟

۴۔ لفظ اسلام سے نظریۂ حکومت کی وضاحت کیجئے اور ثابت کیجئے کہ نظریۂ حکومتِ الٰہیہ اسلامی نظریہ ہے؟

۵۔ کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ سے نظریہ حکومتِ الٰہیہ کی وضاحت کیجئے اور ثابت کیجئے کہ ملوکیت، اشرافیت، جمہوریت تمام رائج الوقت نظام ہائے حکومت منافی کلمۂ لا الٰہ الا اللہ ہیں۔

۶۔ ثابت کرو کہ نظریۂ حکومتِ الٰہیہ قرآنی نظریہ ہے۔ یہ بھی لکھیئے کہ نظامِ حکومتِ الٰہیہ کا قیام کس طرح ہوتا ہے۔ اور اس الٰہی نمائندہ کے لیے کیا شرائط ہیں؟

۷۔ شیعوں کے نظریۂ حکومتِ الٰہیہ کو قرآن اور سنت کی روشنی میں بیان کیجئے۔

۸۔ حزبِ اقتدار کے مورخوں نے شیعہ نظریۂ حکومت کی کس طرح غلط ترجمانی کی ہے۔

۹۔ حزبِ اقتدار کے مورخوں کے مغالطہ کی تردید کیجئے۔ شیعوں کے ہاں الٰہی نمائندہ کے لیے کیا شرائط ہیں؟

۱۰۔ شیعہ نظریۂ حکومت کی عقل کس طرح تائید کر رہی ہے۔
۱۱۔ پروفیسر گلکرائسٹ نے نظریۂ حکومت الٰہیہ کے تقدس کو کن الفاظ میں بیان کیا ہے؟
۱۲۔ مفکرین مغرب نے نظریۂ حکومت الٰہیہ پر کیا اعتراض کیا ہے اور نظریۂ حکومت کے قیام کے متعلق اسلام کی پیشینگوئیوں کو بیان کیجئے۔

دوسرا باب

جمہوریت اور اسلام

نظریۂ جمہوریت اور اسلام دورِ حاضر کے مسلمانوں میں یہ خیال عام ہو گیا ہے کہ اسلام کا نظریۂ حکومت جمہوری ہے۔ حالانکہ جب اسلام کا غائر نظر سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام کو جمہوریت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ انیسویں صدی عیسوی کے آخر تک مسلمانوں میں شہنشاہی یا ملوکیت کا رواج تھا۔ جسے خلافت کے معزز نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ بیسویں صدی میں یورپ کے رنگ کو اختیار کر کے مسلمانوں نے "جمہوریت اسلام ہے" کا نعرہ بلند کیا۔

جمہوریت کے حامیوں کے خیالات جمہوریت کو اسلامی نظریۂ حکومت کہنے والے عموماً کہتے ہیں کہ سرکارِ رسالتؐ کے بعد صحابہ کرام نے جمہوری حکومت قائم کی۔ وہ صحابہ کرام جو سرکارِ رسالتؐ کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہیں۔ اور خلافتِ راشدہ کے تیس سال اسلامی جمہوریت کا بہترین نمونہ تھے۔

حالانکہ دو سال کے بعد ہی اس نظام کو جسے جمہوریت کہا جاتا ہے مسلمانوں نے نہ صرف بدل دیا بلکہ جمہوریت کو بروئے کار لانے والے نے بعیت حضرت ابی بکر کو فلتہ (امر ناگہانی) کہہ کر اس نظام سے برائت کا اعلان کیا اور اسے آئندہ اختیار کرنے پر تنبیہہ بھی فرمائی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد جمہوریت کی جگہ ملوکیت اور شہنشاہیت نے لے لی اور یہی شہنشاہی بقیہ تیرہ صدیوں میں مسلمانوں کی تباہی، نکبت اور زوال کا باعث ہوئی۔ گویا جس نظام حکومت کو اسلامی کہا جاتا ہے وہ تیس برس کی قلیل مدت میں ختم ہو گیا اور مسلمانوں نے اسے اپنے کردار سے ناقابل عمل بنا دیا۔ آخر یہ اسلامی نظریہ حکومت کن ہاتھوں سے ختم ہوا۔ کیا وہی افراد مسلمانوں کی تباہی، نکبت اور زوال کا باعث نہیں ہوئے؟

جمہوریت اور صحابہ

اگر وہ صحابہ کرام کے بلند مرتبہ گروہ سے تھے تو کیا صحابہ ہی اسلام کے موجودہ زوال کے باعث ہوئے؟ اگر جمہوریت کا قیام اسلام کی غرض و غایت ہے تو اسلامی اغراض و مقاصد مٹانے والوں کی اسلام میں کیا پوزیشن ہے؟ کیا اس پر تاریخ کا ایک طالب علم کہہ سکتا ہے کہ جمہوریت کا قیام بھی صحابہ کرام کی جماعت سے ہوا اور اسے ختم بھی صحابہ کرام کی جماعت نے کیا۔ کیا صحابہ کی جس جماعت نے اسلامی اغراض و مقاصد کو اس طرح خاک میں ملتے دیکھا اور وہ صرف خاموش ہی نہیں رہے بلکہ انہوں نے ایسے خلاف اسلام

نظریۂ ملوکیت کی تائید کی۔ ان کے دینی جذبات، مذہبی وجدانات اور اسلافی فہم و فراست اور روحانی افکار کے متعلق آپ یہ نہ کہیں گے کہ ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

آخر اس انقلاب کے بعد علمائے ملت اسلامیہ مشہور حدیث "الصحابۃ کلھم عدول الخ" کے متعلق کیا کہیں گے کہ صحابہ تمام عدول ہیں جس کسی کی بھی پیروی کر لی جائے باعث ہدایت ہے۔ کیا وہ ملوکیت جو مسلمانوں کی تباہی اور زوال کا باعث ہوئی اس حدیث کے مطابق ہدایت تھی؟

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت معاویہؓ ایک صحابی حضرت ابوبکرؓ ہیں جو بقول اکثریتی فرقہ جمہوریت کے قیام کا باعث ہوئے۔ اور دوسرے صحابی حضرت معاویہؓ ہیں جو جمہوریت کو مٹا کر ملوکیت کے بانی ہیں۔ کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جمہوریت بھی اسلام اور ہدایت ہے۔ اور ملوکیت بھی اسلام اور ہدایت ہے۔ چونکہ دونوں کے قیام کا سہرا ہدایت کرانے والے ستاروں کے سر ہے۔

مسلمانوں کا ملوکیت پر اجماع پہلے تیس برس کے بعد تقریباً تیرہ سو برس مسلمانوں کا اجماع ملوکیت پر رہا ہے۔ جس میں تابعین بھی شامل، تبع تابعین بھی، علمائے کرام بھی اور اولیائے کرامؒ بھی اور پھر یہ بھی مسلمات میں شمار کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت باطل پر جمع نہیں

ہوسکتی۔ اس لحاظ سے جمہوریت بھی حق اور ملوکیت بھی حق، وہ ملوکیت جو مسلمانوں کی تباہی اور زوال کا باعث ہوئی۔ تعجب ہے کہ ملوکیت کو غیر اسلامی اور مشرکانہ نظامِ حکومت کہا جاتا ہے اور پھر صحابہ کرام، تابعین عظام، تبع تابعین اسلام علمائے اسلام و اولیائے ذوی الاحترام سب ہی دینی بصیرت اور شعور اسلامی کو پسِ پشت ڈال کر غیر اسلامی نظریۂ حکومت پر مہرِ توثیق ثبت فرماتے رہے۔

اہل بیت اطہار اور ان کے شیعہ

البتہ اہل بیت اطہار اور وابستگانِ اہل بیت نام نہاد جمہوریت اور باعث زوالِ اسلام ملوکیت کے مذہباً خلاف رہے اور ان دونوں نظریوں کے خلاف ان کی پوزیشن حزبِ اختلاف کی تھی اور وہ اس وقت تک ان دونوں نظریوں کی مذہباً مخالفت کریں گے جب تک صحیح اسلامی نظریہ الٰہی حاکمیت ان غیر اسلامی نظریوں کو مٹا کر دنیا کو عدل و انصاف سے نہ بھر دے۔ البتہ وہ اس وقت تک اختلالِ تمدن کا باعث نہیں ہوئے جب تک ملوکیت نے انھیں کسی اقدام پر مجبور نہیں کر دیا۔

نظریاتِ اہلبیتؑ کو ترک کر کے مسلمانوں کی حالت

ان الٰہی نظریات کو جنہیں محمدؐ و آلِ محمدؑ نے پیش کیا تھا ترک کر کے مسلمانوں کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ ہر ایسے نظریہ کی جو اربابِ اقتدار نے پیش کیا تائید کرنے لگے۔ جو حالات پیش آئے اسی کو عین اسلام ثابت کرنے کے لیے مصروفِ جد و جہد نظر آئے۔ تفسیر بالرائے سے قرآن کو بدل کر ہر زمانہ کی ضروریات کے مطابق کر دیا۔ اور اس

زمانہ کے انسانوں کی خواہشات کا ہر طرح لحاظ کیا اور زمانہ باتو نسازد و تو بازمانہ بساز کی پالیسی پر عمل کیا۔ کبھی فلسفہ یونان کو اپنایا تو اسے اسلامیات کا جزو بنا دیا۔ کبھی مزدکیت اور اشتراکیت کو اپنایا اور اسلام کا مترادف بنا دیا ملوکیت کے زمانہ میں امپیریلسٹ (شاہ پسند) ہو گئے۔ آج یورپ میں جمہوریت کا ہنگامہ ہے تو جمہوریت کو نظریہ اسلام کہہ دیا۔ البتہ اہل بیت کے دامن سے وابستہ اپنی جگہ پر قائم رہے ؎

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف　　اقبال

تعلیماتِ قرآنیہ اور نظریۂ جمہوریت

جمہوریت کی بنیاد اکثریت پر ہے اور اکثریت کے فیصلوں کو اپنانے کیلئے اسلام نے ہمیشہ منع فرمایا ہے اور اس کی وجہ بھی بیان کر دی ہے ارشاد ہوتا ہے:۔ وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ ان یتبعون الا الظن (الانعام آیت ۱۱۶) اگر تم ان لوگوں میں سے جو زمین میں ہیں اکثر کا کہنا مانو گے تو وہ تمہیں راہِ خدا سے بھٹکا دیں گے۔ کیونکہ وہ ظن کی پیروی کرتے ہیں۔

لیجئے قرآن حکیم نے ایک ہی آیۂ مبارکہ کے تیشہ سے شجرِ جمہوریت کو خاک میں ملا دیا۔ اور وجہ بھی بیان کر دی ہے کہ اکثریت کا اتباع گمراہی اور ضلال کا موجب ہے۔ یہ انسان کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دیتا ہے۔ اس سے بڑھکر جمہوریت کے خلاف اسلام کی کیا وضاحت ہو گی۔ پھر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "اکثریت ظن

کی پیروی کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ظن معاملات کی صحت کا کفیل نہیں ہے۔

(۱) ارشاد ہوتا ہے۔ قلیلاً ما تشکرون (الاعراف آیت ۱ پ ۸ ع ۱) بہت تھوڑے شکرگزار ہیں، یعنی اکثریت ناشکرگزار ہوا کرتی ہے۔

(۲) ولکن اکثر الناس لا یعلمون (یوسف آیت ۴۰ پ ۱۲ ع ۱۴) لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اکثریت کی جہالت کو بھی بیان کردیا۔ تو ان جاہلوں کے فیصلے کس طرح دنیا میں قیام امن کا باعث ہو سکتے ہیں۔

(۳) ولکن اکثر الناس لا یومنون (الرعد آیت ۱ پ ۱۳ ع ۶) لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ لیجئے اکثریت کے عدم ایمان کی بھی تصدیق ہوگئی۔

(۴) واکثرھم للحق کارھون ولو اتبع الحق اھواءھم لفسدت السموٰت والارض ومن فیھن (المومنون آیت ۱۷ پ ۱۸ ع ۴) ان میں اکثر حق سے نفرت کرنے والے ہیں اگر حق ان کی خواہشات کی پیروی کرلیتا تو آسمانوں میں اور زمین میں فساد برپا ہوجاتا اور جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں وہ فساد میں مبتلا ہوجاتے۔ لیجئے اکثریت کی خواہشات کی پیروی فساد کا سبب ہے۔

(۵) وما کان اکثرھم مومنین (الشعراء آیت ۱۵۹/۱۷۵/۱۹۰ پ ۱۹ ع ۱۲) اور ان میں سے اکثر مومن نہیں تھے۔ لیجئے اکثریت کا عدم ایمان پر اجماع ہے۔

(۶) ولکن اکثرھم لا یشکرون (النمل آیت ۷۳ پ ۲۰ ع ۱) لیکن ان میں سے اکثر شکر نہیں کرتے۔

(۷) ولکن اکثرھم لا یعلمون (القصص آیت ۱۳ پ ۲۰ ع ۴) لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

(۸) ربک یخلق ما یشاء و یختار ما کان لہم الخیرۃ (القصص آیت ۶۸ پ۲۰ ع ۹) تیرا رب جو چیز چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے چنتا ہے۔ لوگوں کو چناؤ کا حق نہیں۔ انسان کے حق خود ارادیت کا وہ انفرادی ہو یا اجتماعی یہ آیت انکار کر رہی ہے۔

(۹) ولکن اکثر الناس لا یعلمون (الروم آیت ۳۱ پ۲۱ ع ۶) لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(۱۰) وقلیل من عبادی الشکور (السبا آیت ۱۳ پ۲۲ ع ۷)۔ اور میرے شکر گزار بندے تھوڑے ہیں۔

(۱۱) ولکن اکثر الناس لا یعلمون (السبا آیۃ ۲۹ پ۲۲ ع ۸) لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(۱۲) پھر نہ جاننے والے یعنی جاہلوں کے متعلق حکم ہے۔ لا تتبع اھواء الذین لا یعلمون (جاثیہ آیت ۱۹ پ۲۵ ع ۱۰) لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو نہیں جانتے۔

(۱۳) ولکن اکثر الناس لا یعلمون (جاثیہ آیۃ ۲۶ پ۲۵ ع ۱۰) لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

جمہوریت کا بنیادی اصول (Basic Principle) بلاامتیاز مساوات ہے یعنی جمہوریت نیک و بد، عالم و جاہل کو نظام حکومت و معاشرت میں مساوی حقوق دیتی ہے۔ نیک ہو یا فاسق و فاجر، بہادر ہو یا بزدل، سخی ہو یا کنجوس، مومن ہو یا منافق، انجینئر ہو یا معلم، ڈاکٹر ہو یا وکیل، زمیندار ہو یا کسان سب کے ووٹ کی ایک ہی قیمت ہے۔ اس کے برخلاف قرآن مجید علم و عمل کی بنیاد پر فرق مراتب کا علمبردار ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

۱۔ ام نجعل الذین امنوا وعملوا الصالحات کالمفسدین فی الارض ام نجعل المتقین کالفجار (ص آیت ۲۸ پ ۲۳ ع ۱۱)
کیا ہم ایمانداروں اور اعمال صالحہ بجالانے والوں کو ان جیسا قرار دیں۔ جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں۔ کیا ہم پرہیزگاروں کو بہت بدکاری کرنے والوں کی طرح سمجھیں (ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا)

۲۔ افنجعل المسلمین کالمجرمین مالکم کیف تحکمون (القلم آیت ۳۶ پ ۱۹ ع ۳) کیا ہم امن پسند انسانوں اور مجرموں کو مساوی حقوق دیں تمہیں کیا ہوگیا ہے۔ تم کیسا فیصلہ کرتے ہو۔

۳۔ افمن کان مومنا کمن کان فاسقا۔ کیا ایک مومن اور بدکار برابر ہے؟

۴۔ ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون۔ کیا علم رکھنے والے اور علم نہ رکھنے والے مساوی ہیں؟

۵۔ افمن کان علی بینۃ من ربہ ویتلوہ شاھد منہ (ہود آیت ۱۷ پ ۱۲ ع ۱) کیا کوئی قرآن جیسی مسکت خصم دلیل لانے والے (محمد مصطفےٰ ارواحنالہ الفدا) اور اس کی پیروی کرنے والے اس کی صداقت کی گواہیاں دینے والے اور اس کے نور کے حصہ (علی مرتضےٰ ارواحنالہ الفدا) کے برابر ہوسکتا ہے؟

قرآن حکیم تو نظریۂ حکومت کو ان الفاظ میں واضح کررہا ہے:۔

۱۔ ان الارض یرثھا عبادی الصالحون۔ ہمارے صالح بندے زمین

کے وارث ہوں گے۔

۲۔ وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض۔ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح بھی کرتے ہیں ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ (ایک نہ ایک دن) ان کو زمین کی خلافت (سلطنت) ضرور عطا کرے گا۔

جمہوریت میں تو ہر شخص کو نظامِ حکومت میں حصہ ملنا چاہیئے۔ مگر اللہ کے ہاں ایمان اور اعمال صالح کی قیود و شرائط موجود ہیں۔ اللہ کے ہاں گنتی کے لحاظ سے انتخاب (election) نہیں۔ بلکہ صفات کے لحاظ سے انتخاب (Selection) ہے، جسے وہ کبھی اصطفا کے لفظ سے یاد کرتا ہے اور چُنا ہوا مصطفٰے ہوتا ہے، کبھی اختیار کے لفظ سے ممتاز فرماتا ہے اور چُنا ہوا مختار ہوتا ہے۔ کبھی ارتضٰی کے لفظ سے اپنی پسندیدگی کا اظہار فرماتا ہے اور چُنا ہوا مرتضٰی ہوتا ہے۔ کبھی اجتبا کے لفظ سے اپنے چناؤ کا اعلان فرماتا ہے اور چُنا ہوا مجتبٰی ہوتا ہے۔

اصول جمہوریت امتیاز نسل و نسب وخاندان کو کتنا ہی ناقابل التفات سمجھے مگر جب کسی خاندان میں وہ بلند صفات جمع ہو جائیں جو مقصود اسلام ہیں تو اللہ کے عدل کا تقاضا ان خاندانوں کو چن کر تختِ قیادت پر جگہ دیتا ہے۔ ان اللہ اصطفٰی ادم و نوحًا وال ابراھیم وال عمران علی العالمین ذریۃً بعضھا من بعض واللہ سمیع علیم (ال عمران آیت پ۳ ع) بیشک اللہ نے آدمؑ، نوحؑ، آلِ ابراہیمؑ اور آلِ عمران کو تمام جہانوں میں برگزیدہ

قرار دیا۔ یہ بعض بعض کی اولاد ہیں۔ اللہ سمیع اور علیم ہے۔

اسوۂ رسولؐ اور جمہوریت

جمہوریت کے حامی کہا کرتے ہیں کہ سرکار رسالت ارواحنا لہ الفداء اکثر امور میں صحابہ کرام سے مشورہ فرما کرتے تھے اس سے ظاہر ہے کہ آپ کی حکومت جمہوری تھی۔ لیکن ذرا اس مشورہ والی آیت پر غور فرمائیں۔ اس دلیل کی حقیقت خود بخود نمایاں ہو جائیگی

فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک فاعف عنھم واستغفر لھم وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ان اللہ یحب المتوکلین (آل عمران آیت ۱۵۹۔ پارہ ۴ ع ۷)

پھر (اے رسول) خدا ہی کی رحمت کے سبب سے تم نے ان سے نرمی برتی اور اگر تم درشت مزاج اور سخت دل ہوتے تو وہ تمہارے پاس سے متفرق ہو جاتے پس اب تم بھی ان سے درگزر کرو اور ان کے لیے دعائے مغفرت کرو اور ان سے معاملات میں مشورہ کر لیا کرو۔ اور جب تم کسی بات کا پختہ ارادہ کر لو تو اس وقت اللہ پر بھروسہ کرو یقیناً اللہ بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

سوچیے کہ اس آیہ مبارکہ سے حکومت کے امور میں مشورہ کا کہاں پہلو نکلتا ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ تمہاری نرمی اور اخلاق کی وجہ سے یہ لوگ تمہارے گرد جمع ہیں اور یہ اللہ کی رحمت سے ہے اگر تم تند مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ جاتے۔ اب انہیں اپنے ساتھ ملائے رکھنے کے لیے ان کی تالیف قلب کیا کرو یا ان کی خطاؤں سے درگزر کیا کرو

ان کی خامیوں کے لیے دعائے مغفرت کیا کرو۔ اور ان کی حوصلہ افزائی کے لیے ان سے مشورہ کرلیا کرو (مگر تم ان کے مشورہ کے پابند نہیں ہو) جب تم بنفسِ نفیس کسی چیز کا ارادہ کرو۔ (تو ان کے مشورہ پر نہیں) بلکہ اللہ پر بھروسہ کیا کرو۔ اللہ بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آپ ان کے رائے اور مشورہ پر حکومت نہیں کر رہے تھے بلکہ اللہ کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے حکمرانی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ آپ نے قانون سازی یا نظام حکومت میں صحابہ سے کبھی مشورہ نہیں کیا۔ جمہوریت کا رئیس مجلسِ قانون ساز کا تابع ہوتا ہے اور عدلیہ کے قوانین کا پابند، حضور منشائے الٰہی و وحی ربانی سے قانون ساز بھی تھے اور نافذ قانون بھی اور قانون کی شرح کرنے والے بھی کسی جمہوریت میں یہ تمام اختیارات ایک فرد کے سپرد نہیں ہوتے۔

نہ عوام نے سرکارِ رسالت کی حکومت کو تشکیل دیا تھا نہ آئینِ حکومت میں انہیں اختیارات عوام سے حاصل ہوئے تھے۔ اور نہ عوام کے نمائندوں کی رائے ماننے پر مجبور تھے۔ اور نہ عوام کو ان کی مرضی کے خلاف اقدام کا حق تھا۔

ان امور سے صاف طور پر واضح ہو گیا، سرکار رسالت کی حکومت میں جمہوریت کا کوئی امکان نہیں۔ صرف اس لیے کہ حضور بعض عمومی مسائل میں صحابہ سے مشورہ کرلیا کرتے تھے۔ ان کی حکومت کو جمہوریت کہنا مضحکہ خیز امر ہے۔

حضور کی حکومت اللہ کی زمین پر اللہ کی حکومت قائم کرنا۔ اللہ کی

شریعت کو نافذ کرنا ہے۔ اس حکومت کی توضیح ان قرآنی الفاظ میں کی گئی ہے۔ انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویوتون الزکوٰۃ وھم راکعون۔

بے شک مسلمانوں کا حاکم اللہ ہے اور اس کا رسول ہے (نمائندہ الٰہیہ کی حیثیت سے) اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، نماز کو قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں (نمائندہ کی حیثیت سے) اس آیت میں نہ عوام کے حق خود ارادیت کا ذکر ہے اور نہ جمہوریت کا اشارہ ہے۔ بلکہ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ ایسے حاکم کا تقرر خدا کی طرف سے ہوتا ہے اور سنتِ الٰہیہ یہی ہے کہ جب کبھی حکومت اللہ کی طرف سے عطا ہوئی تو معصوم نمائندہ کو ہی ہوئی۔ خواہ وہ داؤدؑ ہوں یا سلیمانؑ ہوں یا طالوت۔ اللہ کے نمائندے اپنے لیے زکوٰۃ لے کر نہیں بلکہ زکوٰۃ دے کر حاکم ہوتے ہیں۔

سوالات

۱۔ مسلمانوں نے جمہوریت کا نعرہ کب اور کن اثرات کے تحت بلند کیا؟

۲۔ جمہوریت کے حامیوں کے خیالات بیان کر کے ان کا تجزیہ کیجئے۔

۳۔ مسلمانوں میں نظریۂ جمہوریت کن ہاتھوں سے ختم ہوا۔ اگر جمہوریت اسلام ہے تو جمہوریت کو ختم کرنے والوں کی اسلام میں کیا پوزیشن ہوگی؟

۴۔ اگر حضرت ابوبکر جمہوریت کے بانی تھے اور حضرت معاویہ ملوکیت کے مؤسس تھے اور دونوں صحابی۔ تو پھر صحابہ تمام عدول کی بنا پر کس کی پیروی کی جائے۔ اور کس کی مخالفت، اس عمل سے اس حدیث کی پوزیشن کیا رہے گی؟

۵۔ تیرہ سو برس تک مسلمانوں کا اجماع ملوکیت پر رہا۔ اگر ملوکیت غیر اسلامی اور مشرکانہ نظام ہے تو پھر اجماع میں شریک صحابہ، تابعین، تبع تابعین، علمائے کرام کی پوزیشن کیا ہے؟

۶۔ اہل بیت اطہار اور ان کے شیعوں کا جمہوریت اور ملوکیت کے متعلق کیا رویہ تھا؟

۷۔ نظریۂ اہلبیتؑ کو ترک کرنے سے مسلمانوں پر کیا اثرات پڑے؟

۸۔ نظریہ جمہوریت کے خلاف تعلیماتِ قرآنیہ کو پیش کرکے ثابت کیجئے کہ یہ نظریہ قرآن سے متصادم ہوتا ہے۔

۹۔ ثابت کیجئے کہ جمہوریت میں بلا امتیاز مساوات ہے اور اسلام و قرآن حفظِ مراتب کے علمبردار ہیں۔ اس لیے جمہوریت کا اسلام میں کوئی مقام نہیں۔

۱۰- قرآن نے کن الفاظ میں اسلامی نظام حکومت کو بیان کیا ہے۔

۱۱- کیا سرکارِ رسالتؐ کا صحابہ کرام سے مشورہ فرمانا ان کی سلطنت کے جمہوری ہونے کی دلیل ہے؟

۱۲- الٰہی نظام حکومت کی آئیہ انما ولیکم اللہ سے وضاحت کیجیے۔

تیسرا باب

جمہوریت عقل و تدبر کی روشنی میں

جمہوریت کا قیام انسانیت جب شخصی حکومت اور ملوکیت سے تنگ آ گئی، تو انسانی تدبر نے اس کا حل تلاش کیا۔ کہ ایک شخص بادشاہ نہ ہو بلکہ ایک نظام جمہوری ہو، اور اسی کے زیر اثر حکومت کے فرائض کو انجام دیا جائے۔ کیونکہ حکومت کے نمائندے جمہور کے چُنے ہوئے ہوں گے، اس لیے اُنھیں رعیت کے دکھ درد کا احساس ہو گا اور وہ منتخب کرنے والوں کی ضروریات اور ان کے مصائب کا خیال رکھیں گے۔

مگر کیا یہ نظامِ حکومت کامیاب ہؤا؟ کیا شخصی حکومت کے شدائد سے بنی نوع انسان کو نجات مل گئی۔ کیا جمہوری حکومت کبھی صحیح معنوں میں قائم ہوئی؟ کیا جن ملکوں میں جمہوریت پر فخر کیا جا رہا ہے وہاں انسانی مسائل حل ہو گئے؟

جمہوریت پر مفکرینِ مغرب کی آراء آئیے ذرا اُن لوگوں کی سنیئے جو جمہوریت کے علمبردار ہیں۔ اور

جن کی تقلید میں جمہوریت کو اپنا کر اسلام کی آغوش میں بٹھایا جا رہا ہے۔
جمہوریت پر مسٹر منکن اپنی ایک جدید تصنیف (notes on Democracy) (نوٹس آن ڈیموکریسی) میں لکھتے ہیں:۔
انیسویں صدی میں جمہوریت (Democracy) ایک آ... والی بہترین حکومت خیال کی جاتی تھی۔ مگر اب یہ خیال تبدیل ہو رہا ہے او...

Today Democracy is everywhere attacked, scorned and ridiculed and nowhere more than in the United States of America.

آج کل جمہوریت پر ہر جگہ حملے کیے جا رہے ہیں، جمہوریت سے نفرت کی جا رہی ہے اور اس پر پھبتیاں کسی جا رہی ہیں اور یہ سب سے زیادہ امریکہ متحدہ امریکہ میں ہو رہا ہے۔

یہ اس جگہ کی حالت ہے جو جمہوریت کا گڑھ تصور کیا جاتا ہے جسے جمہوریت کا صحیح نمونہ خیال کیا جاتا ہے۔
پھر مسٹر منکن (Mr. Menken) لکھتے ہیں:۔

The Democratic idea is incomparably idiotic and hence incomparably amusing

جمہوری خیال بلا مقابلہ احمقانہ بھی ہے اور بے مقابلہ حیرت انگیز بھی ہے۔

ویسکونٹ برائس نے جمہوریت کے متعلق اس طرح اظہار خیال

فرمایا ہے۔

"ایک پارٹی کی تنظیم (Party Organisation) حکومت پر قابض ہو جاتی ہے اور وہ پارٹی اپنی مکاریوں سے کسی طرح ہر چیز پر تسلط جما لیتی ہے۔"

یورپ کے ایک اور مفکر نے جمہوریت (Democracy) پر اس انداز سے روشنی ڈالی ہے:-

The Perfection of Democracy depends upon the Complete civil and Political liberty by the citizens but the existence of a state in which all people enjoy civil liberty and all Equally share in exercising such authority as exists is in practice an impossibility.

"جمہوریت کی تکمیل کا انحصار تمام شہریوں کی کامل شہری اور سیاسی آزادی پر ہے مگر ایسی ریاست کا وجود جس میں تمام لوگ شہری آزادی سے لطف اندوز ہوں اور ایسے اختیارات کو عمل میں لانے میں مساویانہ طور پر بہرہ ور ہو سکیں۔ عملی طور پر بالکل غیر ممکن ہے۔"

یہ ایک حقیقت ہے کہ جس سے | جمہوریت کا مفاد خواص کو ہے عوام کو نہیں

کسی شخص کو بھی انکار کی مجال نہیں کہ جمہوریت کے قیام سے کمزور انسانوں پر ظلم وجور اور تشدد کا خاتمہ نہیں ہوا۔ صاحبانِ اقتدار تو اپنی وجاہت اور ... کی وجہ سے ملوکیت کے زمانہ میں بھی تشدد سے محفوظ رہتے اور جمہوریت میں بھی ہیں۔ صاحبان جاہ وثروت پہلے بھی زندگیوں سے لطف اندوز تھے۔ اور اب جمہوریت میں بھی ہیں۔ سوال تو ان عوام کا ہے جو اس جمہوریت کی تخلیق کا سبب ہیں۔ جن کی تعداد اور قوت نے ارباب اقتدار کے ہاتھ میں اقتدار دیا ہے۔ ملوکیت میں بھی نظر انداز ہوتے تھے اور اب بھی ہوتے ہیں۔ بہرحال جمہوریت ایک "دل خوش کن نظریہ" ہے اور ایک "دلچسپ مفہوم" ہے۔ المختصر نظام جمہوریت نے ان اغراض ومقاصد کو پورا نہیں کیا۔ جو اس کے متعلق عالم خیال میں فرض کیے گئے تھے۔

کیا صاحبانِ اقتدار صحیح معنوں میں جمہور کے نمائندے ہوتے ہیں

تمام افراد جمہور اہل رائے نہیں ہوتے ان میں یہ سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی کہ کونسا امیدوار ہمارے لیے مفید ہے اور کونسا مضر، کونسا مخلص ہے اور کونسا خود غرض۔ کونسا امیدوار اپنے وعدوں کو جو اس نے انتخاب کے وقت کیے ہیں پورا کرے گا۔ اور کون ابن الوقت بلکہ ہماری ضروریات کو قابلِ اعتنا بھی نہیں سمجھے گا۔ کس قدر افراد جمہور ایسے ہیں جن میں اپنی قوتِ ارادی کو صرف کرنے کی اہلیت ہے اور اس قدر اخلاقی جرأت ہے کہ صحیح نمائندہ کو ہی رائے دیں۔ عام طور پر افراد جمہور خارجی اثرات کا شکار ہو جاتے ہیں اور بڑی شخصیتوں سے مرعوب ہو کر اپنی رائے کو استعمال کرتے ہیں

بہت سے وقتی خوشامد اور چاپلوسیوں کے دام میں پھنس جاتے ہیں۔ جب یہ حالات ہوں تو اربابِ اقتدار کو ہم جمہور کا صحیح نمائندہ کس طرح کہہ سکتے ہیں اسی لیے علامہ اقبال نے کہا ہے ؎

گریز از طرزِ جمہوری غلامِ پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

"اس طریق جمہوری سے دور بھاگو اور کسی پختہ کار کے غلام بنو۔ کہ دو سو گدھوں کے مغز سے ایک انسانی فکر پیدا نہیں ہو سکتا"

علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

اس راز کو اِک مردِ فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

جمہوریت تعداد پر قائم ہوئی ہے اور اوصاف پر نہیں۔ اس لیے ایسا نظریہ قیامِ امن کا کس طرح کفیل ہو سکتا ہے جس میں عالم و جاہل، نیک و بد کا امتیاز نہ ہو۔

جمہوریت میں کامیابی کے راز

۱۔ کسی امیر کبیر، صاحبِ اقتدار کو اپنا بنا لیجئے۔ پھر اس کے دامن سے وابستہ لوگ آپ کے ہیں۔ کیا ممکن ہے کہ ایک رائے بھی آپ کے خلاف جائے۔

۲۔ جھوٹ پر کمربستہ ہو جیئے، لوگوں کو دل خوش کن وعدوں سے نوازیئے، خوب سبز باغ دکھلایئے، ایسے وعدوں سے بھی دریغ نہ کیجئے جن کا ایفا آپ کے

امکان میں بھی نہ ہو۔ پھر دیکھئے کہ کتنے سادہ لوح انسان آپ کے جال میں پھنس کر آپ کو اپنا نمائندہ بنانے کے لیے آمادہ ہیں۔

۳۔ چند اخلاق سے گرے ہوئے نڈر اور بے باک انسانوں کی حمایت کا شرف حاصل کیجیے۔ ان کی اخلاق سے گری ہوئی باتوں کی حوصلہ افزائی کیجیے۔ پھر اُن کے ووٹ بھی آپ کی جیب میں ہیں اور ان مظلوم انسانوں کے ووٹ بھی جو ان کے مظالم کا تختۂ مشق رہے ہیں۔ کیونکہ ایسے کمزور انسانوں کو ان کی رائے کے خلاف ووٹ استعمال کرنے کا حق نہیں ہے۔

۴۔ چور بازاری میں روپیہ کمائیے، رشوت ستانی سے دولت جمع کیجیے لوگوں کو ہر ناجائز طریق سے لوٹیے اور جب الیکشن کا وقت آئے تو اس طرح کمائی ہوئی دولت کی تجوریوں کے منہ کھول دیجیے۔ پھر دیکھئے کہ آپ کس طرح کامیاب نہیں ہوتے۔

۵۔ جوڑ توڑ کی پالیسی میں حصول اقتدار کا راز مضمر ہے تقسیم کر کے حکومت کرو (Divide and Rule) حصولِ اقتدار کا بہت بڑا گُر ہے۔

جمہوریت میں اختلالِ نظمِ حکومت

انتخاب کے وقت جو لوگ ارباب اقتدار کو زیر اقتدار لاتے ہیں وہ اربابِ اقتدار کے محسن ہوتے ہیں اور وہ ہمیشہ اربابِ اقتدار سے "احسان کا بدلہ احسان" کے متمنی ہوتے ہیں، اور اربابِ اقتدار کے بل بوتے پر ارتکاب جرائم بھی کرتے ہیں۔ اربابِ اقتدار ان کی مدد کو اس لیے بھی اپنا منصبی فریضہ

سمجھتے ہیں کہ وہ آئندہ انتخاب کے موقع پر بھی اپنے احسانات کا اعادہ کریں گے اس لیے ہر جرم پر ان کو قانون کی زد سے بچانے کے لیے کوشاں رہتے ہیں اس لیے جمہوریت کی بدولت ملک کا نظم و نسق تباہ ہو جاتا ہے۔

ان بیانات کا نتیجہ یہ ہے کہ جمہوریت ایک جماعتی استبداد ہے جس میں ایک پارٹی سازش کر کے شریک ہوتی ہے اور تمام افراد جمہور کو اپنے مکر و فریب سے قبضہ میں لاکر اقتدار پر قابض ہو جاتی ہے۔ اس لیے امن و امان جو جمہوریت کا مقصود ہے حاصل نہیں ہوتا۔ ملوکیت کے زمانہ میں بھی فتنہ و فساد موجود تھا اور جمہوریت کے زمانہ میں بھی موجود ہے۔

جمہوریت کی بعض خامیاں

۱۔ جمہوریت میں ایک جماعت محض اس لیے بااقتدار بنا دی جاتی ہے، کہ وہ دوسری سے تعداد میں زیادہ ہے۔ صرف تعداد کی اکثریت حکمرانی کا حق پیدا کر دیتی ہے۔ کیا یہ نظریہ عدل و انصاف کے منافی نہیں؟!

۲۔ حزبِ اقتدار حزبِ اختلاف کو کچلنے کے ہمیشہ درپے رہتا ہے۔ اور اس میں پوری کوشش صرف کرتا ہے اس لیے جمہوریتوں میں ہمیشہ اختلاف و افتراق کی آگ سلگتی رہتی ہے۔ اور آخر خانہ جنگی کے شعلے بلند ہو کر ملک و ملت کو تباہ کر دیتے ہیں۔

۳۔ جمہوریت میں پارٹی بازی اور عصبیت نہایت ضروری ہے۔ اس سے حق پسندی اور حق گوئی کا وصف لوگوں میں معدوم ہو جاتا ہے۔

۴۔ اگرچہ کہا جاتا ہے کہ جمہوری ملک کی تمام جماعتیں قانون بنانے میں

حصہ لیتی ہیں مگر قانون سازی کے اختیارات صرف برسرِ اقتدار پارٹی کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔

۵۔ جمہوریت دنیا کے سیاسی نظریوں میں سب سے زیادہ دل فریب نظریہ ہے۔ اس میں شخصی آزادی کے سبز باغ موجود ہیں۔ ناداری اور سرمایہ داری کا بظاہر سوال موجود نہیں، انسانی قدر وقیمت کا علمبردار ہے مگر حقائق نے واضح کر دیا ہے کہ اصلیت اس کے برعکس ہے۔

اسلام جیسا حقائق پر مبنی مذہب اس قسم کے دلفریب، ضرر رساں نظریہ کو اپنانے کے موقف میں نہیں۔

سوالات

۱۔ دنیا میں جمہوریت کا قیام کن حالات میں ہوا، وجوہ قیام جمہوریت پر کون سے سوالات قابلِ غور ہیں؟

۲۔ مسٹر منکن (menkin) نے اضلاع متحدہ امریکہ میں جمہوریت کی کیا حالت بیان کی ہے اور انہوں نے جمہوریت کے متعلق اپنے کیا تاثرات بیان کیے ہیں؟

۳۔ وسیکونٹ برائس نے جمہوریت پر اپنا کیا خیال ظاہر کیا ہے؟

۴۔ یورپ کے ایک مفکر نے جمہوریت کے لیے کیا شرائط قرار دیے ہیں اور کیا جمہوریت کبھی ان شرائط کو بروئے کار

لا سکتی ہے۔

۵۔ ثابت کیجیے کہ جمہوریت کا فائدہ خواص کے لیے ہے عوام اس سے محروم رہتے ہیں۔

۶۔ کیا صاحبانِ اقتدار صحیح معنوں میں جمہور کے نمائندے ہوتے ہیں؟

۷۔ جمہوریت میں کامیابی کے کیا راز ہیں؟ انہیں بیان کرو

۸۔ ثابت کیجیے کہ جمہوریت اختلال نظم حکومت ہے۔

۹۔ جمہوریت کی دوسری خامیوں کو بھی بیان کیجیے۔

چوتھا باب

مفہومِ خلافت

لفظ خلافت "خلف" سے مشتق ہے۔ اس کے معنی ہیں کسی کی کسی کام میں جانشینی اور کسی کی جگہ کسی کو جانشین بنانا (صراح)

یہ فعل متعدی اور لازم دونوں طرح مستعمل ہے جیسے کسی کے پیچھے آنا باب ضرب سے ہے۔

استخلاف۔ کسی کو اپنی جگہ خلیفہ بنانا، یہ بھی محاورہ ہے کہ فلاں خلف فلاں۔ یعنی فلاں اس کی جگہ اس کے پیچھے بیٹھا۔

منتہی میں ہے، خلافت، کسی کام میں وہ اس کی جگہ قائم ہوا، اور اس کے بعد وہ باقی رہا۔

غیاث میں ہے۔ بہ کسر کسی کے بعد بجائے اس کے ہونا یہ معنی صاحبِ غیاث نے صراح منتخب اور کشف سے لیے ہیں۔

غیاث میں یہ بھی ہے کہ خلیفہ کسی کام میں کسی کے پیچھے آنے والا اور کسی کے قائم مقام ہونے والا، اور بادشاہ و ولی عہد۔

بہرطور خلافت عربی لفظ ہے۔ اس کا مادہ "خلف" ہے اس کا مطلب

نیابت اور قائمقامی ہے۔

جو جسے اپنا نائب بنائے اور قائمقام مقرر کرے وہ اس کا خلیفہ کہلائیگا جسے رسول اپنا نائب اور قائم مقام مقرر کرے وہ خلیفۂ رسول کہلائے گا اور نائب رسول ہوگا۔ اور جسے مسلمانوں کی جماعت مقرر کرے وہ خلیفۃ المسلمین یا مسلمانوں کا نمائندہ کہلائے گا۔

یہ ظاہر ہے کہ کسی کا نائب یا خلیفہ وہ ہوگا جو اس کا قائم مقام ہو۔ اس کے امور کو انجام دے جو امور الہیہ کو انجام دے وہ خلیفۃ اللہ ہوگا۔ سرکار رسالت محمد مصطفٰے اللہ کے خلیفہ تھے اس لیے ان کے بعد جو ان کے امور کو انجام دے وہ خلیفۂ رسول بھی ہوگا اور خلیفۃ اللہ بھی۔

اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ سرکار رسالتؐ کن امور الہیہ کے انصرام کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

هو الذی بعث فی الأُمّیین رسولاً منهم یتلوا علیهم من اٰیاتِهٖ وَیُزَکِّیهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الکتابَ وَالحِکمة۔

(سورۂ جمعہ آیت ۲ پ ۲۸)

وہ وہی خدا ہے جس نے امیین میں ایک رسول ان ہی میں سے مبعوث فرمایا۔ جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے۔ ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب (قرآن حکیم) اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ گویا سرکار رسالت کی اغراض بعثت چار ہیں :۔

۱۔ تلاوت آیاتِ الہیہ۔

۲- تزکیہ

۳- تعلیم کتاب (قرآن حکیم)

۴- تعلیم حکمت۔

اب رسول کا خلیفہ وہ ہوگا۔ جو ان امور چہارگانہ کو پورے طور پر انجام دے سکے۔ تلاوت آیات الہیہ کے منصب کو وہی نبھا سکے گا جو صحت سماعت صحت حافظہ رکھتا ہو اور سبقت لسانی سے محفوظ ہو۔

تزکیہ سے یہ مطلب ہے کہ وہ ظاہر و باطن کو پاک کرے۔ انسانی جسم، انسانی نفس اور انسانی روح کو پاک کرے اور انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں خواہ وہ اخلاق ہو یا معاشرت، تمدن ہو یا سیاست طہارت پیدا کرے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ پاک وہی کر سکے گا جو خود پاک ہو۔ یعنی معصوم ہو۔

تعلیم کتاب وہی کر سکے گا جو خود عالم علم کتاب ہو۔ اور پھر قرآن حکیم جیسی کتاب کا عالم جس کی شان "تبیان لکل شئ" ہے۔ یعنی جس میں ہر چیز کا بیان موجود ہے۔ وہ کتاب جس کا دعویٰ ہے کہ "ما فرطنا فی الکتاب من شئ" یعنی اس کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی۔ وہ جامع کتاب جو اعلان کر رہی ہے کہ لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین کوئی خشک و تر چیز ایسی نہیں جو اس کتاب مبین میں نہ ہو اس لیے ایسی کتاب کی تعلیم وہی دے سکے گا۔ جو ہر چیز کا عالم ہو۔ جہالت سے بالا

اور تر و خشک کی ماہیت کو جاننے والا ہو۔ اور وہی خلیفۂ رسول ہوگا۔ ظاہر ہے کہ علم حاصل کر کے کوئی انسان اس درجہ پر فائز نہیں ہو سکتا۔ ایسا شخص وہی ہو سکتا ہے جس کا علم لدنی ہو اور وہ صحابہ میں حضرت علی علیہ السلام کے سوا کوئی اور نہیں ہے جو علی الاعلان دعویٰ کر سکتے ہیں کہ "سلونی قبل ان تفقدونی" مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ۔

اور تعلیم حکمت وہی دے سکے گا جو خود حکیم ہو۔

بہرحال رسول کی خلافت کا مفہوم یہی ہے کہ رسول اللہ کا خلیفہ وہی ہے جو تمام فرائض رسول کو انجام دے سکے اور دے اگر رسول اللہ صرف بادشاہ ہوتے۔ تو تخت سلطنت کو حاصل کرنے والے کو ہم ان کا خلیفہ کہہ سکتے تھے اب تو صرف وہی شخص خلیفہ رسول کہلانے کا مستحق ہوگا جو صفات رسول سے متصف ہو۔ اس خصوصیت کا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے:۔

معلوم است کہ خلافت مشروط است بصفات کمال واحق بالخلافت اکمل مردم است در آں صفات[1]۔

معلوم ہے کہ خلافت صفات کمال سے مشروط ہے اور خلافت کا سب سے زیادہ حقدار ان صفات میں سب سے کامل انسان ہے۔

بھلا اجماع انص غیر معصوم شوریٰ یا قہر و غلبہ کا صفات کمال سے کیا تعلق۔ اسی سبب ان طریقوں سے تخت سلطنت پر آنے والوں نے نہ کبھی عصمت کا

---

[1] قرۃ العینین ص ۲۹ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۸۹۳ء۔

دعویٰ کیا، نہ عالم علم کتاب ہونے کا اور نہ حکیم ہونے کا۔ بلکہ جب آپ ان کے اقوال ان کے خطبات کا مطالعہ کریں گے۔ تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے اپنی خامیوں کا خود اپنی زبان سے اعتراف کیا ہے۔ خلیفہ رسول وہی ہے جو صفات رسول کا مالک ہے۔ صفات کمال کا حامل ہے۔ اور ان صفات میں سب سے کامل انسان ہے خواہ وہ تخت سلطنت پر ہو یا گوشہ نشین، وہ گوشہ نشینی میں بھی ان فرائض کو انجام دے گا جو اغراض بعثت سرکار رسالت ہیں۔

ہاں سرکار رسالت کی بادشاہت بھی نہ مبنی بر اجماع تھی نہ مبنی بر شوریٰ نہ قہر و غلبہ سے حاصل ہوئی تھی نہ نص غیر معصوم سے۔ بلکہ وہ ایک ایسی حکومت تھی جس کو انہوں نے خود اپنے عمل سے پیش کیا تھا اسے ایک سنی نامور مورخ مسٹر خدا بخش اپنی کتاب Politics in islam میں اس طرح بیان کرتا ہے:۔

Muhammed, not only founded a new Religion but established a new Polity but converting his countrymen to the faith of one God, he Destroyed the old constitution of the native town and in place of old Aristocratic Tribal constitution, which meant conduct of Public Affairs, by the

ruling famalies set up an out-and-out Theocratic constiluition at the head of which he stood as the Representative of God in earth.
(Politics in Islam Page 145)

حضرت محمدؐ نے ایک جدید مذہب ہی قائم نہیں کیا تھا۔ بلکہ ایک جدید
ست اور حکومت بھی قائم کی تھی۔ اپنے ہم وطنوں کو خدائے واحد
اعتقاد کی طرف لاکر انھوں نے اپنے شہر کی پرانی حکومت کا خاتمہ کر دیا
ر پرانی قبیلوں کی سرداری کی جگہ جو امیر خاندانوں کی حکومت کے مرادف تھی
نوں نے حکومتِ الہیہ قائم کی جس کے سردار وہ خود تھے۔ کیونکہ وہ زمین پر
یغمبر و نائب خدا یا نقیبِ خدا یا نمائندہ خدا تھے۔

اس لیے اس جدید سیاست یا نئی طرزِ حکومت میں خلافت کا مفہوم اللہ
القابت، اللہ کی نیابت،، اللہ کی نمائندگی ہی ہوگا۔ اس لیے ایسا خلیفہ خلیفہ
ول بھی ہوگا اور خلیفہ خدا بھی۔

مسلمانوں نے اس جدید سیاست کو ترک کر دیا اس نئی حکومت کو بدل کر
بت قہری اختیار کی اور اپنی ایڑیوں پر پلٹ گئے جس کا موجودہ زمانہ کے مورخین
خود اعتراف ہے۔

چنانچہ تاریخ خلافت اسلامیہ المعروف تاریخ اسلام کے تین پروفیسر ایم
قبال ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی۔ گورنمنٹ کالج راولپنڈی، ڈاکٹر پیر محمد حسن

ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی گورنمنٹ کالج راولپنڈی، اور ایم اکرام بٹ ایم۔اے لیکچرار شعبہ تاریخ گورنمنٹ کالج لائل پور لکھتے ہیں:۔

قدیم عربی رسم کے مطابق قوم کا سردار قوم کے لوگ اکثریت رائے سے منتخب کرتے تھے چنانچہ یہی طریق حضرت ابوبکر کے انتخاب کے وقت استعمال کیا گیا۔[۱]

اس کے ساتھ ہی ان فاضل مورخین نے ہمارے مفہوم خلافت کو بھی زیر عنوان "خلافت کے معنی" تسلیم کر لیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔ خلیفہ کے لفظی معنی "زمین پر خدا کا نائب ہیں"۔ یعنی خلیفۃ اللہ۔ (تاریخ خلافت اسلامیہ ص ۶۳) الحجب نائب خدا کا ہو گا اور اسے قدیم عربی رسم کے مطابق لوگ اکثریت رائے سے منتخب کریں گے!

دور حاضر کے دو نامور مورخوں یعنی پروفیسر سید عبدالقادر مرحوم اور پروفیسر محمد شجاع الدین ایم۔اے نے مفہوم خلافت کے زیر عنوان مولانا ابوالکلام آزاد کا قول نقل کیا ہے:۔

فرع انسان کی ہدایت اور بہتری کے لیے ایک خاص ذمہ دار حکومت قائم ہو جو دنیا کو جور و جفا سے نجات دلائے اور امن و سکون کا ماحول پیدا کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کا قانون عدل جسے قرآنی اصطلاح میں صراط مستقیم کہتے ہیں زمین کے گوشے گوشے میں جاری ہو کر کرۂ ارضی کو سعادت ارضی کی ایک بہشت زار بنادے[۲]

---

[۱] تاریخ خلافت اسلامیہ ص ۶۵

[۲] تاریخ اسلام پروفیسر سید عبدالقادر و پروفیسر محمد شجاع الدین ص ۱۶۴

یہ مقصد تو خلافت کے اس نظریہ سے ہی پورا ہو سکتا ہے۔
"اللہ کی حکومت اللہ کے معصوم نمائندوں کے ذریعہ اللہ کی مخلوق پر" اور
قانون تباین کی رو سے اللہ کا نمائندہ وہی ہو سکتا ہے جو عصمت اور علم
کے طبعی رجحانات (Natural Tendecies) لے کر پیدا ہو۔
اس نائب سے خلیفہ پیدا ہوتا ہے۔ لوگوں کی کثرت رائے سے بنایا نہیں جاتا۔ جو
لوگوں کی کثرت رائے سے بنایا جائے وہ نہ خلیفۃ اللہ ہے نہ خلیفہ رسول
بلکہ خلیفۃ المسلمین ہے۔

سوالات

۱۔ خلافت کے مفہوم پر لغت اور اصطلاح کے لحاظ سے روشنی ڈالیے۔
۲۔ بتلاؤ کہ سرکار رسالت کس اعتبار سے اللہ کے خلیفہ تھے اور اس لحاظ سے رسول اللہ کا خلیفہ کون ہوگا؟
۳۔ تزکیہ کے فریضہ کو کیسا شخص انجام دے سکے گا، اور تلاوت کلام کے لیے کن صفات کی ضرورت ہے؟
۴۔ کتاب اللہ قرآن حکیم کی کیا شان ہے اور اس لحاظ سے معلم قرآن کے لیے کن شرائط کا ہونا ضروری ہے۔
۵۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک خلافت کس امر پر مشروط

ہے۔ کیا جو خلیفہ اجماع استخلاف، شوریٰ یا غلبہ سے خل
بنے۔ وہ اس شرط پر پورا اتر سکتا ہے؟

۶۔ شرائط چہارگانۂ خلافت سے خلیفہ ہونے والوں نے اپنے
خلافتِ رسول کا دعویٰ کیا ہے۔ ان کے اقوال کے
سے ان کی پوزیشن کیا ہے؟

۷۔ کیا سرکارِ رسالتؐ کی سلطنت کو ان شرائط چہارگانہ
کوئی نسبت ہے؛ آپ کی سلطنت کیسی تھی؟

۸۔ دورِ حاضر کے مؤرخین کے آرا ان سلطنتوں کے متع
لکھیے۔ جو سرکار رسالت کے بعد قائم ہوئیں۔

۹۔ قانونِ تباین کے لحاظ سے خلیفۃ اللہ و خلیفہ رسو
کے لیے کن رجحاناتِ طبیعہ کی ضرورت ہے؟

پانچواں باب

حضرت ابو بکر خلیفۃ المسلمین
کا
دورِ سلطنت

ربیع الاول ۱۱ھ تا جمادی الثانی ۱۳ھ
جون ۶۳۲ء تا اگست ۶۳۴ء
تقریباً دو سال دو ماہ

جذبۂ حصولِ اقتدار

سرکارِ رسالتؐ کا اپنی زندگی میں مدینہ سے باہر تشریف لے جانے پر اپنی طرف سے حاکم مقرر کرنا ہر شخص کے دل میں یہ خیال پیدا کر رہا تھا کہ رسول اللہؐ کے بعد اس حکومت کا کوئی ضرور وارث ہوگا۔ اس خیال نے ہی نشو و نما پا کر صحابہ کو دو جماعتوں میں تقسیم کر دیا۔ سرکار رسالتؐ کے حضرت علی مرتضیٰ کے متعلق اعلانات، ان کے فضائل

کو کثرت سے بیان کرتا اس امر پر روشنی ڈال رہا تھا کہ حضور اپنے بعد حضرت علی مرتضیٰ کو ہی سلطنت کا حقدار سمجھتے ہیں۔ اور انہیں عنانِ حکومت سپرد کرنا چاہتے ہیں۔ اعلان خم غدیر کی وضاحت نے تو لوگوں کو یقین دلا دیا کہ نبوت اور حکومت خاندان بنی ہاشم میں جمع ہو جائے گی۔ اور اس طرح یہ خاندان مستقل طور پر حکمران ہو جائے گا۔

وہ لوگ جو عارفِ شانِ نبوت تھے وہ جانتے تھے کہ نبی کا مرتبہ خواہشات اور خود غرضیوں سے بالا و برتر ہے۔ جو کچھ وہ فرما رہے ہیں وہی منشائے الٰہی ہے اور یہ اعلانات خاندان کی محبت پر مبنی نہیں ہیں بلکہ ان صفات پر ہیں جو حکومتِ الٰہیہ کے نمائندہ کے لیے ضروری ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو نبیؐ کو اپنے جیسا سمجھتے تھے اور انہیں انسانی کمزوریوں سے بلند و برتر نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے ان ارشادات اور اعلانات کو قبیلہ پروری پر محمول کیا۔ اور ان لوگوں میں حکومت پر قبضہ کرنے کے خیالات نشوونما پانے لگے۔ انہوں نے اس خیال کی خوب نشرو اشاعت کی کہ نبوت اور خلافت ایک ہی خاندان میں جمع نہیں ہونا چاہیئے چنانچہ اس تخیل کا اس مکالمہ سے پتہ چلتا ہے جو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت عمرؓ میں ہوا۔ ہم بقدر ضرورت اسے نقل کرتے ہیں:۔

حضرت عمرؓ "میں جانتا ہوں کہ تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہیں کرتی تھی۔"

حضرت عبداللہ ابن عباس۔ "کیوں؟"

حضرت عمرؓ "وہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آ جائیں[1]"

مہاجرین کی سکیم

چنانچہ بن مہاجرین کے دل میں حصولِ اقتدار کا جذبہ موجزن تھا انھوں نے اس سلسلہ میں ایک سکیم بنالی تھی۔ اور طے کر لیا تھا کہ رسول اللہ کے بعد حکومت کو کس ترتیب سے قائم کرنا ہے۔

حضرت عمرؓ کے بیٹوں عبداللہ و عبیداللہ سے مروی ہے کہ زمانہ رسول اللہ میں ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ جناب رسول اللہ کے بعد سب سے افضل ابوبکرؓ پھر عمرؓ پھر عثمانؓ ہیں[2]۔

حذیفہ بن یمان سے مروی ہے کہ لوگوں نے مدینہ میں حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ عثمان ابن عفان[3]۔

مطرف کہتے ہیں کہ حضرت عمر کے زمانہ میں لوگوں کو مطلقاً اس میں شک نہیں تھا کہ عمرؓ کے بعد عثمان خلیفہ ہوں گے[4]۔

اہم سیاسی اصول اخفا

دنیاوی سیاست کا یہ مانا ہوا اصول ہے کہ اپنا اصلی مدعا اس وقت تک پوشیدہ رکھا جائے جب تک اس کی کامیابی کے امکانات پیدا نہ ہو جائیں۔ کیونکہ حقیقی

---

[1] الفاروق حصہ اول ص۲۰۴ و ص۲۰۵ بحوالہ تاریخ طبری جلد ۵ ص۳۰ ص۳۱ و ص۳۲۔ تاریخ کامل جلد ۳ ص۲۴ و ص۲۵۔ [2] فتح الباری ابن حجر عسقلانی ج ۷ ص۱۴

[3] کنز العمال علی متقی جلد ۳ ص۱۵۵ [4] کنز العمال ج ۳ ص۱۶۰

مدعا کے قبل از وقت اظہار سے لوگوں کو بہت کچھ سوچنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ اور اسے ناکام بنانے کے لیے مختلف تحریکات وجود میں آجاتی ہیں اور مخالفانہ جدوجہد شروع ہو جاتی ہے۔

حضرت عمر کی سیاسی بصیرت جب ہم حضرت عمر کے اس اصول کو عملی جامہ پہنانے پر غور کرتے ہیں تو حضرت عمر کو اس کے موجد تسلیم کرنے کو دل چاہتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر حضرت عمر اپنی جماعت میں اپنے سوچے سمجھے ہوئے خلیفہ کا نام لے دیتے تو بنی تیم اور بنی عدی کا سوال پیدا ہو جاتا۔ اور خلافت کبھی حضرت ابوبکر تک نہ پہنچتی اور ایسے لوگ اس پر قابض ہو جاتے جنہیں خلیفہ بنانا حضرت عمر کے مقاصد کے خلاف تھا۔ حضرت ابوبکر کے نام کو پوشیدہ رکھنے میں یہ سیاسی مصلحت تھی کہ پارٹی کا ہر فرد عہدۂ خلافت کا امیدوار رہے اور اس امید میں وہ پارٹی کے مقاصد میں کو شاں رہے۔ حضرت عمر عربوں کو خوب جانتے تھے۔ اگر حضرت ابوبکر کو حضرت عمر نامزد فرما دیتے تو ان کی مخالفت اسی طرح شروع ہو جاتی جس طرح حضرت علی کی ہو رہی تھی۔ اور حصولِ اقتدار پر قبضہ کرنے کے متمنی صاف کہتے کہ جب ہم رسول اللہ کے نامزد کو نہیں مانتے تو حضرت عمر کے نامزد کو کیوں مانیں۔ اس لیے انہوں نے حضرت ابوبکر کو خلافت کے لیے اس وقت پیش کیا۔ جب پیش نہ کرنا مقصد کو ختم کر دیتا۔ فوری طور پر ان کا نام لینا اور پبلک کو سوچنے کا موقعہ نہ دینا حضرت عمر کی ڈپلومیسی کا بہترین شاہکار ہے۔ حضرت ابوبکر

کی خلافت فلتۃً تھی۔ یعنی ناگہانی اور بلا سوچے سمجھے۔ اور حضرت عمر نے کامیابی کے بعد اس کا خود اعلان کر دیا کہ حضرت ابوبکر کی بیعت فلتۃ تھی یعنی بلا سوچ بچار کے ہو گئی تھی۔

انصار کی فراست اور ان کی نیت

اگرچہ مہاجرین کی یہ تدابیر آہنی پردے میں نشو و نما پا رہی تھیں مگر انصار بھی بہت ذکی الحس تھے۔ نہایت ذہین اور فہیم تھے اگرچہ مہاجرین کی سکیموں اور ان کی تجاویز کی جزئیات کا انہیں علم نہیں تھا۔ مگر تاہم اس قدر ضرور جانتے تھے کہ حصولِ اقتدار کے لیے مہاجرین میں مشورے ہو رہے ہیں۔ تجاویز مرتب کی جا رہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر حضرت علی علیہ السلام کو ہی خلیفۂ رسول کے منصب پر فائز دیکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ان کی اس نیت کی تاریخ نے ان الفاظ میں نقاب کشائی کی ہے۔

فقالت الانصار او بعض الانصار لا نبائع الا علیًا

انصار یا ان میں سے اکثر نے صاف کہہ دیا کہ ہم تو سوائے علیؑ کے اور کسی کی بیعت نہیں کریں گے۔[1]

حضرت ابوبکر

آپ کا نام عبداللہ کنیت ابوبکر لقب عتیق ہے۔ آپ کے والد کا نام ابو قحافہ تھا۔ اور قریش کی شاخ بنی تیم سے تعلق رکھتے تھے کہا جاتا ہے۔ کہ حضرت ابوبکر زمانہ جاہلیت میں تجارت پیشہ تھے۔ ویسے وہ کسی پیشہ کو عیب نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ وہ اونٹنیوں اور

[1] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۴۔

بھیڑوں کا دودھ دوہا کرتے تھے۔ اور یہ آپ کا ذریعہ معاش تھا۔ تاریخوں میں آیا ہے:۔

"آپ قبائل کی بکریوں اور بھیڑوں کا دودھ دوہا کرتے تھے۔ جب آپ خلیفہ ہو گئے تو ایک لڑکی نے آپ سے کہا۔ کیوں اب آپ ہماری بھیڑوں کا دودھ کاہے کو دوہیں گے۔ آپؓ نے فرمایا، یقیناً میں ایسا کروں گا"۔[1]

آپ رسول اللہؐ سے تقریباً دو ڈھائی سال چھوٹے تھے۔ آپ نے نبوت کے ابتدائی زمانہ میں اسلام اختیار کیا۔ اور ہجرت کر کے مدینہ میں آباد ہو گئے۔ آپ کی دختر حضرت عائشہ عقد سرکارِ رسالت میں آئیں۔ اس طرح آپ کو رسول اللہ کے خسر ہونے کا فخر حاصل ہوا۔ جب سرکارِ رسالتؐ نے رحلت فرمائی تو آپ اس وقت مدینہ طیبہ میں موجود نہیں تھے۔ بلکہ موضع سنخ میں تشریف فرما تھے۔ آپ بعد وفات رسول حصول خلافت کے لئے جدوجہد فرما رہے تھے۔ اس لیے آپ کو سرکارِ رسالت کی تجہیز و تکفین میں شرکت کی سعادت نصیب نہ ہوئی۔

قضیہ بیعت حضرت ابی بکر (سقیفہ بنی ساعدہ)

وفات سرکارِ رسالت | وفات سرکار رسالت کے وقت حضرت ابوبکر موضع سنخ میں تھے البتہ حضرت عمر موجود تھے

---

[1] تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۵۳ مطبوعہ مصر، تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۲۳ طبع مصر۔

جب آنحضرتؐ کی وفات ہوئی تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ منافقین کو گمان ہے کہ رسول اللہؐ فوت ہو گئے مگر بخدا حضرت فوت نہیں ہوئے[1]

حضرت عمرؓ نے اس وقت یہ بھی فرمایا کہ جو یہ کہے گا کہ رسول اللہؐ کا انتقال ہو گیا۔ میں اس کو اپنی تلوار سے قتل کروں گا[2]

حضرت عمرؓ کے اس قول کو سن کر لوگ شک میں پڑ گئے کہ آنحضرتؐ کا انتقال ہوا ہے یا نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کو رسول اللہؐ کے انتقال کی خبر دی گئی اور وہ فوراً سوار ہو کر روتے ہوئے اور وامحمداہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے۔ اور مسجد نبوی میں پہنچ کر دیکھا کہ لوگ پریشان حال ہیں[3]

حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کی یہ حالت دیکھ کر آیہ

وما محمدٌ الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل
أفإن مات او قُتِلَ انقلبتم علی اعقابکم۔

پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "نہیں ہیں محمدؐ مگر اللہ کے رسول، اگر مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر الٹے پھر جاؤ گے۔" جس کو سنکر لوگ متنبہ ہوئے اور ان کو رسول اللہؐ کی وفات کا یقین ہو گیا[4]

ارباب سیاست کا طریق کار

پھر وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ سقیفۂ بنی ساعدہ کی طرف روانہ ہوئے۔ عام طور پر رئیس مملکت یا بادشاہ کی موت کو اس وقت تک چھپانا

---

[1] تاریخ ابن جریر ذکر وفات رسول [2] کتاب الملل والنحل شہرستانی [3] روضۃ الاحباب ذکر وفات رسول [4] تاریخ ابو الفدا ذکر وفات رسول۔

ارباب سیاست کا طریق کار ہے۔ جب تک حصولِ اقتدار کی جدوجہد کے لیے پارٹی کے اہم افراد جمع نہ ہو جائیں، سرکارِ رسالت کی وفات سے انکار میں بھی سیاسی مصلحت کار فرما تھی۔ کیا حضرت عمر تلاوت قرآن مجید نہیں فرماتے تھے؟ کیا انہوں نے اس آیتہ کو نہیں پڑھا تھا؟ کیا تاریخ انبیاء ان کے پیش نظر نہیں تھی؟ اس طرح حضرت عمر کی پوزیشن کو کم کرنے کی بجائے یہی بہتر ہے کہ اس حقیقت کو تسلیم کر لیا جائے کہ ان کا انکار سیاسی مصالح کی بنا پر تھا۔ چنانچہ جب پارٹی کے اہم ارکان جمع ہو گئے تو وہ رسول اللہ کو بے گور و کفن چھوڑ کر اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہ حضرت عمر کا ایک نمایاں سیاسی اقدام تھا۔ جس سے کوئی فرد بھی ان کے ڈپلومیٹ ہونے سے انکار نہیں کر سکتا۔ الغرض اس طرح حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کی معیت میں سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف روانہ ہوئے۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کا اجتماع اور اسکے اسباب

قبل قبول اسلام انصار اپنے علاقہ میں حکمران تھے۔ یثرب اپنی حکومت رکھتا تھا۔ (Self Ruling city)

جب یثرب سرکارِ رسالت ؐ کے قدوم کی برکت سے مدینۃ النبی، مدینہ طیبہ، مدینہ منورّہ یا مدینۂ مبارکہ بنا تو حضور کی روحانی قیادت کے آگے انہوں نے اپنی گردنیں جھکا دیں۔ اور انہیں برضا و رغبت حکمران تسلیم کر لیا۔ انصار نے مہاجرین کو اپنے وطن میں آنے کی دعوت دی۔ انہیں

سر آنکھوں پر بٹھلایا۔ اپنے گھروں میں جگہ دی، اپنا اور اپنے کنبہ کا پیٹ
اٹ کر انہیں کھلایا۔ اپنے لقمہ سے توڑ کر لقمہ ان کو دیا۔ پھر اسلامی
کومت قائم ہوئی۔ رسول اللہؐ نے ربانی مصالح کے پیش نظر مہاجرین
و غنیمت کے مال سے انصار سے بڑھ کر حصہ دیا۔ انصار میں وقتی طور
بد دلی پیدا ہوئی مگر رسول اللہؐ کے سمجھانے پر مطمئن ہو گئے۔ چونکہ
ضور کے احکام کی اطاعت کو وہ اللہ کی اطاعت سمجھتے تھے، لیکن
ں جوں رسول اللہ کی سرداری مستقل حکومت کی صورت اختیار کرتی
ئی انصار کے دلوں میں بھی اس خیال نے جگہ لینی شروع کی۔کہ آپ
ے بعد اس حکومت کو کون سنبھالے گا۔ کیا وہ ایسا شخص ہوگا جو
ن کے ساتھ عدل و مساوات سے ویسا ہی سلوک کر سکے جیسا رسول
لٰلہ کر رہے تھے۔ اگر ان کو یہ یقین ہو جاتا کہ رسول اللہ کے بعد ان کی
خواہش کے مطابق جامع جمیع شرائط خلافت حضرت علیؑ مسندِ حکومت
پر متمکن ہو سکیں گے تو وہ مطمئن ہو جاتے۔ مگر جب انہوں نے مہاجرین
کے بدلے ہوئے تیوروں کا مطالعہ کیا، انہیں فراست کی نگاہوں سے
بھانپا ان کے خفیہ مشوروں پر نظر کی، آنے والے واقعات سے
پریشان ہو گئے۔ اگر مہاجرین کو انصار مخالفتِ علیؑ پر کمر بستہ نہ دیکھتے
اور ان کی طرف سے حصولِ اقتدار کی جد و جہد شروع نہ ہو جاتی تو انصار
کبھی اس کی ابتدا نہ کرتے۔ یہ حضرت عمرؓ کی پارٹی کا طرز عمل تھا جس
نے انصار کو بنی سقیفہ میں جمع ہونے پر مجبور کیا۔

انصار کے اس فعل کو ہم نظرِ استحسان سے نہیں دیکھتے

مانا کہ انصار کا اس طرح جمع ہونا کسی بدنیتی پر مبنی نہیں تھا۔ حالات ہی ایسے پیدا ہو چکے تھے جس پر وہ اس اقدام پر مجبور تھے۔ تاہم تقررِ خلیفہ کے لیے جلد بازی مانا کہ وہ پیش بندی اور اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے تھی۔ تاہم یہ جدو جہد کسی طرح مستحسن خیال نہیں کی جاتی۔

باوجودیکہ ہم اس جد وجہد کو نظرِ استحسان سے نہیں دیکھتے مگر جن اسباب پر انصار یہ اجتماع کرنے پر مجبور ہوئے۔ ان سے چشم پوشی مورخانہ گناہ سمجھتے ہیں۔

اسباب اجتماع کی تفصیل

۱۔ انصار نے اسلام کو اپنے ہاں پناہ دی۔ اسلام کی مخالف طاقتوں سے ٹکرائے۔ مجتمع عرب کا مقابلہ کیا۔ اور غزوات میں اپنی جان نثاری اور فداکاری کا ثبوت دیا۔ ہر معرکہ میں اسلام کے علم کو بلند رکھا۔ پھر اگر مہاجرین خاندانِ رسالت کو اس منصب پر پہنچنے نہ دیں تو انصار سمجھتے تھے کہ خدمات کے لحاظ سے خاندانِ رسالت کے بعد ہمارا حق ہے کہ ہم اس منصب پر فائز ہوں۔

۲۔ ان کا یہ پختہ یقین تھا کہ مہاجرین سرکارِ رسالت کی خلافت و نیابت کو مستحق ہاتھوں تک پہنچنے ہی نہیں دیں گے۔ پھر انہیں اندیشہ تھا اور اسی اندیشہ سے وہ سہمے ہوئے تھے کہ حکومت کی

باگ ڈور کہیں ایسے ہاتھوں میں نہ پہنچ جائے جن کے آباد اجداد، اعزا و اقارب کو اسلام کی حمایت میں موت کے گھاٹ اتارا ہے، اگر ایسے لوگ برسرِ حکومت آگئے تو وہ ہم سے پورا پورا بدلہ لیں گے۔ ان کا یہ اندیشہ سولہ آنے صحیح ثابت ہوا، بنی امیہ کے وہ لوگ جو فتح مکہ تک مخالفتِ اسلام میں میدان میں ڈٹے رہے تھے اور آخر اسلام کو شکست خوردہ ذہنیت سے قبول کیا ان کا اسلام، اسلامی غلبہ سے مجبور ہو کر جھکنا تھا۔ رسول اللہؐ جانتے تھے کہ انہیں امور سلطنت میں شامل کرنا اور ان کو حکومت کی ذمہ داریاں سپرد کرنا، اسلام کے لیے تباہی کے سامان مہیا کرنا ہے۔ اس لیے بھی انہیں ذمہ دارانہ مناصب سپرد نہ کیے البتہ تالیفِ قلوب کے لیے انہیں کم و بیش مالی مدد دیتے رہے تاکہ اگر ان پر نہیں تو ان کے ساتھ حسن سلوک کا اثر ان کی آئندہ نسلوں پر پڑے۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں یہ لوگ فتوحات کے دروازہ سے قصر اقتدار میں داخل ہوئے۔ ان کی فوجی خدمات کے معاوضہ میں ان کو شام جیسے صوبہ کی گورنری الاٹ ہوئی۔ اور پھر استبدادی حکومت کے درجہ تک پہنچی۔ وہ مسلمانوں کی ساری سلطنت کے واحد مالک تھے اور انہوں نے خاندان رسالت اور انصار پر وہ مظالم بپا کیے جو سلیم الطبع انسانوں کو خواہ کسی مذہب و ملت سے تعلق رکھتے ہوں، خون کے آنسو رلائیں گے۔ ان اسباب کے پیش نظر ہم وفات رسولؐ کے وقت انصار کی نفسیاتی کیفیتوں کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔ ان کی یہ جدوجہد جارحانہ (offensive) حیثیت سے بڑھکر (Defensive)

حیثیت کی تھی۔ مگر ان کی کمزوریوں نے ان کی باہمی پھوٹ نے، ان کے باہمی حسد نے ان کے مقاصد کو پروان چڑھنے نہ دیا۔ ان کا یہ کہنا کہ ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک ہم میں سے، یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ خلافت کو اس لیے نہیں چاہتے تھے کہ امتِ اسلامیہ کے مالک بن بیٹھیں۔ بلکہ ان کا انتہائی مدعا تھا کہ جن لوگوں سے ضرر پہنچنے کا امکان ہے ان کی ایذا رسانی کا امکان باقی نہ رہے۔ اس لیے وہ خلافت میں شرکت پر اتر آئے۔

۳۔ انصار کو اندیشہ تھا کہ اگر مہاجرین اقتدار کی مسند پر پہنچ گئے تو وہ ہماری زرین خدمات کے باوجود ہمیں ہمیشہ نظر انداز کیے رہیں گے۔ چنانچہ واقعات نے ان کے اس اندیشہ کو صحیح ثابت کیا۔

ا۔ جب حضرت عمر کی وفات کا وقت آپہنچا تو لوگوں نے انہیں اپنا جانشین مقرر کرنے کے لیے التجا کی۔ انھوں نے چند ایسے مرنے والوں کے نام لیے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلافت کے لیے نامزد کرتا۔ ان میں سے انصاری ایک بھی نہیں تھا۔ بلکہ صریحاً کہہ دیا کہ انصار کا خلافت میں حصہ نہیں۔

ب۔ شوریٰ کے وقت آپ نے لوگوں کو یا معاشر المہاجرین کہہ کر مخاطب کیا انصار کو مطلقاً نظر انداز کر دیا اور فرمایا احضروا معکم من شیوخ الانصار لیس لھم من امرکم شیئاً۔ یعنی دوران مشاورت میں تم انصار کے چند بڑے آدمیوں کو تو بلا لینا مگر امر میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے[1] خلافت کو آپ نے تمہارا

---

[1] کتاب الامامۃ والسیاسۃ صد ۲۲

امر یعنی مہاجرین کا معاملہ کہا۔

ج۔ الفاروق حصہ ۲ صـ۳۸ و صـ۳۹ پر حضرت عمر کے زمانہ کے عمال کی فہرست موجود ہے۔ ان میں بنو امیہ اور دشمنان علی کثرت سے موجود ہیں اور سوائے ایک کے کوئی انصاری نظر نہیں آتا۔

سقیفہ بنی ساعدہ

حصول اقتدار کے لیے جد و جہد حضرت عمر کی پارٹی نے شروع کی تھی انصار نے ابتدا نہیں کی۔ جیساکہ حضرت عمر کے اپنے بیان سے جسے صحیح بخاری نے درج کیا ہے۔ ظاہر ہے۔ فرماتے ہیں۔ حین توفی اللہ نبیہ ان الانصار خالفونا واجتمعوا باسرھم فی سقیفہ بنی ساعدہ وخالف عنا علی والزبیر ومن معھما۔ جب خدا نے اپنے پیغمبر کو اٹھا لیا تو سب انصار نے ہماری مخالفت کی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور علی اور زبیر اور دونوں کے ساتھیوں نے بھی مخالفت کی (صحیح بخاری پ۲۸، صـ۳۶۶ کتاب محاربین باب رجم الحبلی) مگر وفات رسول کے وقت حضرت عمر کی پارٹی کچھ کر نہیں رہی تھی تو پھر مخالفت کیسی؟

المختصر سرکار رسالت کے ارتحال پر ملال کے بعد مہاجرین کے ان عزائم حصول اقتدار کے پیش نظر انصار سعد بن عبادہ کے گرد جمع ہوئے اور انہیں وفات سرکار رسالت کی خبر دی اور مہاجرین کے ارادوں سے آگاہ کیا۔ سعد بیمار تھے انہوں نے اپنے بیٹے قیس سے کہا کہ مجھ میں تو مرض کی وجہ سے اس مجمع کو

مخاطب کرنے کی طاقت نہیں۔لیکن تو مجھ سے سنتا جا اور انہیں بآواز بلند پہنچائے جا، سعد اپنے بیٹے سے آہستہ آہستہ کہے جاتے تھے اور ان کا بیٹا تمام لوگوں کو اس قدر بلند آواز سے سنائے جا رہا تھا کہ تمام مجمع سن لے۔

سعد بن عبادہ کی تقریر

حمد و ثنائے الٰہی کے بعد حضرت سعد نے انصار کو اس طرح مخاطب کیا:۔

"اے گروہ انصار! تم کو دین میں سبقت حاصل ہے اور اسلام میں ایسی فضیلت حاصل ہے۔ جو عرب کے کسی اور قبیلہ کو نہیں ہے کیونکہ جناب رسالتمآب صلعم اپنی قوم میں بارہ سال تک تبلیغ فرماتے رہے اور ان کو اللہ تعالےٰ کی عبادت کی طرف دعوت دیتے رہے مگر ان کی قوم میں سے تھوڑے سے لوگ ایمان لائے۔ بخدائے عزوجل ان میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ سرکار رسالت کی حمایت کرتے اور ان کو عزت کے ساتھ رکھتے۔ وہ آنحضرت کے دین سے ناواقف تھے اور دشمنوں کو اپنے سے دور نہیں رکھ سکتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے ارادہ کیا تمہیں فضیلت و کرامت عطا فرمائے اور اپنی نعمت سے تمہیں مخصوص کیا اور تمہیں ایمان سے سعادت اندوز کیا۔ تمہیں آنحضرت کو اور ان کے اصحاب کو عزت کے ساتھ رکھنے کی بزرگی عطا کی اور تمہیں ان کے دین کو قوی کرنے کی توفیق سے سرفراز فرمایا کہ تم ان کے دین کو قوی کرو اور ان کے مخالفوں سے جہاد کرو۔ پس تم رسول اللہ کے مخالفین پر سخت ترین

تھے۔ جو غیر لوگ بھی حضور کے دشمن تھے ان کے خلاف بھی تم نے آنحضرتؐ کی حمایت کی۔ یہاں تک کہ امر خدا کو استقامت ہوئی اللہ تعالےٰ نے تمہاری مدد سے اپنے رسول کے لیے ملک کو مسخر کیا۔ اور عرب کے لوگ تمہاری تلواروں سے مغلوب ہوئے۔ اور پھر اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی کو اپنے پاس بلالیا۔ اور بوقت رحلت وہ تم سے راضی تھے، اس امر خلافت کے لیے اپنے ہاتھوں کو مضبوط کرلو۔ کیونکہ اس امر میں دوسرے لوگوں سے زیادہ تم خلافت کے مستحق ہو۔"

تمام انصار نے اس بات کو قبول کیا اور کہا کہ آپ کی رائے بہت صائب ہے۔ اور اس امر خلافت کے لیے آپ نہایت موزوں ہیں۔ اور اس کے ہر طرح سے اہل ہیں۔

حضرت ابوبکر کا ورود اسی عرصہ میں حضرت ابوبکر حضرت عمر اور ابوعبیدہ بن الجراح کو لیے ہوئے آپہنچے۔

انصار کے ایک خطیب کی تقریر خدا کی حمد و ثناء کرکے کہنے لگا:۔

ہم انصار خدا اور لشکر اسلام ہیں۔ اور تم اے مہاجرین معدودے چند۔ ہم ہی سے تم نے آہستہ روی مشورہ کیا اور تمہارا ارادہ ہے کہ ہم سب کو نکال کر باہر کردو اور خلافت سے

ہمارا واسطہ ہی نہ رکھو۔[1]

اس بیان سے بھی ظاہر ہے کہ مہاجرین حصولِ اقتدار کے لیے مشورے کر رہے تھے۔ ان مشوروں کی بنا پر انصار سقیفہ میں جمع ہوئے تھے۔ ابتدا انصار سے نہیں ہوئی بلکہ مہاجرین نے کی تھی۔ انصار کے اس خطیب کے اس بیان کی مہاجرین نے اپنی تقریروں میں تردید بھی نہیں کی۔

جب انصار کے خطیب کی تقریر ختم ہوئی تو حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں نے روبرو حضرت ابوبکر کچھ کہنا چاہا کیونکہ میں موقعہ کے لیے ایک عمدہ تقریر تیار کر کے لایا تھا اور میں بعض امور کی کوششوں کو آپ سے دور کرنا چاہتا تھا۔[2]

اس بیان سے بھی ثابت ہے کہ مہاجرین حصولِ اقتدار کے لیے باقاعدہ تیاریاں کر رہے تھے۔ یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انصار کا اجتماع سن کر بلا سوچے سمجھے سقیفۂ بنی ساعدہ کی طرف روانہ ہو پڑے تھے جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے۔

اس پر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو تقریر کرنے سے روک دیا اور خود کھڑے ہو گئے اور اس طرح تقریر فرمائی:-

حضرت ابوبکر کی تقریر "بہ تحقیق کہ خدائے عزوجل نے حضرت محمد مصطفٰے کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔

پس انہوں نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو اللہ تعالےٰ نے ہماری پیشانیوں اور دلوں کو ان کی طرف مائل کیا۔ پس ہم گروہ مہاجرین سب سے پہلے اسلام لائے جو اس کے بعد اسلام لائے انہوں نے ہماری

---

[1] تاریخ الخلفاء اردو ترجمہ ص۲۳ طبع مطبع صدیقی لاہور۔ [2] تاریخ الخلفاء اردو ترجمہ ص۲۴

پیروی کی اور ہم رسول اللہ کے قرابتدار ہیں اور نسب کے لحاظ سے ہم اوسط العرب ہیں۔ عرب کا کوئی قبیلہ نہیں لیکن یہ کہ اس امر میں قریش کیلئے اثر و رسوخ نہ ہو، یعنی ہر ایک قبیلہ میں قریش کا اثر اور ان کے آدمی موجود ہیں اور تم بھی خدا کی قسم وہ ہو جنہوں نے پناہ دی اور نصرت کی۔ اور تم دین میں ہمارے وزیر ہو اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وزیر ہو، اور تم کتاب خدا کی رو سے ہمارے بھائی ہو اور دینِ خدا میں ہمارے شریک ہو، اور ہمارے ساتھ سختی اور نرمی میں رہے ہو خدا کی قسم کوئی چیز نہ تھی کہ جس میں تم ہمارے ساتھ نہ تھے۔ تمام لوگوں کی نسبت تم ہمارے بہت زیادہ محبوب ہو۔ اور سب سے زیادہ مکرم ہو۔ سب سے زیادہ رضائے خدا میں راضی رہنے والے اور اس کے حکم کی اطاعت کرنے والے تھے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو تمہارے پاس بھیجا۔ پس تم مہاجرین پر حسد نہ کرو اور تم ان کی مدد کرو، اور تم ہمیشہ اپنے مہاجرین بھائیوں کی مدد کرتے رہے ہو۔ اور سب لوگوں سے زیادہ تم اس بات کے مستحق ہو کہ اس امر میں تمہاری طرف سے اختلاف نہ ہو اور تم اپنے بھائیوں پر اس خیر و برکت کی وجہ سے حسد نہ کرو جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کی ہے۔ اور اب میں تم کو بلاتا ہوں ابو عبیدہ یا عمر کی اطاعت کی طرف۔ میں نے ان دونوں کو تمہارے لیے اور اس امرِ خلافت کے لیے پسند کیا ہے اور دونوں اس کے لیے موزوں ہیں۔"

حضرت عمر اور ابو عبیدہ کا انکسار اے ابوبکر! لوگوں میں سے کسی کے لیے موزوں نہیں کہ وہ تمہارے اوپر فوقیت رکھے، تم صاحب غار ہو، دو میں کے ایک ہو، رسول اللہؐ نے تمہیں نماز پڑھانے کا حکم دیا، سب لوگوں سے زیادہ تم خلافت کے مستحق ہو۔

انصار کا جواب خدا کی قسم ہم تم پر کسی نیکی کی وجہ سے حسد نہیں کرتے۔ جو اللہ تعالیٰ نے تم کو پہنچائی ہو اور تمام خلق خدا میں تم سے زیادہ ہمیں کوئی محبوب نہیں ہے اور نہ ہم کسی اور پر تم سے زیادہ خوش ہیں لیکن ہم ڈرتے ہیں کہ اس کے بعد اس امر خلافت کو کوئی ایسا شخص حاصل نہ کرے جو نہ ہم میں سے ہو نہ تم میں سے (حضرت معاویہ جیسا) اور اگر تم آج ایک حاکم ہم میں سے اور ایک اپنے میں سے لے لو تو ہم بیعت کریں (انصار کی پہلی کمزوری) اور راضی ہو جائیں اس امر پر کہ اگر ایک انصار میں کا حاکم ہلاک ہو جائے تو دوسرا انصار میں سے منتخب کر لیا جائے۔ اور اگر مہاجرین میں کا حاکم ہلاک ہو جائے تو دوسرا مہاجرین میں سے منتخب کر لیا جائے۔ اور یہ سلسلہ ہمیشہ تک قائم رہے جبتک کہ یہ امت باقی ہے اور یہ مناسب ہے کہ امت محمدیہ میں اسطرح عدل کیا جائے برعکس اسکے کہ اگر قریشی کو حکومت مل گئی تو انصاری اسکی مخالفت کریگا اور اگر انصاری کو حکومت مل گئی تو وہ ڈرے گا کہ قریشی اس کی مخالفت کریگا۔

حضرت ابوبکر کی تقریر حضرت ابوبکر کھڑے ہوئے اور بعد حمد و ثنائے الٰہی کہا:-

"اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر محمد مصطفیٰؐ کو مبعوث فرمایا اور ان کی امت پر ان کو گواہ مقرر کیا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔

درحالیکہ وہ اس زمانے میں مختلف خداؤں کی پرستش کرتے تھے
اور گمان کرتے تھے کہ وہ سب معبود ان کی شفاعت کریں گے
اور انہیں نفع پہنچائیں گے۔ حالانکہ وہ سب پتھر کے تراشے
ہوئے اور لکڑیوں کے رندہ کیے ہوئے تھے۔ پس رجوع کرو
تم آیۂ "ما تعبدون من دون اللہ" کی طرف۔ پس اہل عرب
کو بُرا معلوم ہوا کہ اپنے آباد اجداد کے دین کو ترک کریں۔ پس اللہ
تعالیٰ نے مہاجرین کو مخصوص کرلیا کہ ایسے وقت میں اس کے نبی
کی تصدیق کریں۔ اس پر ایمان لائیں اور جو ایذائیں ان کی قوم پہنچائے
ان پر صبر کریں۔ تمام قوم ان کی تکذیب و تحقیر کرتی تھی۔ اور تمام
لوگ ان کے مخالف ہو گئے تھے، لیکن وہ باوجود اپنی قلت
تعداد کے اور قوم کے غلبہ کے گھبرائے نہیں۔ پس پہلے وہ لوگ
ہیں جنہوں نے زمین پر خدا کی عبادت کی۔ اور پہلے وہ لوگ
ہیں جو خدا اور رسولؐ پر ایمان لائے۔ اور وہ رسولِ خدا کے
اولیا اور قرابتدار ہیں۔ اور اس امر خلافت کے سب سے زیادہ
مستحق ہیں۔ ان کے ساتھ کوئی تنازعہ نہیں کرے گا لیکن وہ جو
ظالم ہوگا۔ اور تم اے معاشر الانصار وہ ہو جن کی فضیلت کا انکار
نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس نعمت کا جو تمہیں اسلام میں حاصل ہے
اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے دین اور اپنے رسولؐ کا انصار بنایا
ہے۔ اور تمہاری طرف اپنے رسولؐ کی ہجرت قرار دی ہے

پس مہاجرین اولین کے بعد منزلت میں ہمارے نزدیک تم سے زیادہ اور کوئی نہیں ہے۔ پس ہم امیر ہیں اور تم وزیر ہو، ہم جو کام کریں گے اور جو امور طے کریں گے وہ تمہاری صلاح و مشورہ سے ہوا کرے گا۔"

حباب بن منذر انصاری کی تقریر

اس کے بعد حباب بن منذر انصاری کھڑے ہوئے اور کہا :۔

"اے گروہِ انصار! اپنے ہاتھوں پر قابو رکھو۔ یہ لوگ تمہاری حمایت میں اور تمہارے سایہ کے نیچے ہیں۔ اور ان میں طاقت نہیں کہ تمہاری مخالفت کریں۔ تم لوگ اہلِ عزت و ثروت ہو۔ تمہاری تعداد زیادہ ہے۔ تم صاحبِ بزرگی ہو اور لوگوں کی نظر تم پر لگی ہوئی ہے کہ تم کیا کرتے ہو۔ پس تم آپس میں مخالفت نہ کرو کہ تمہارے مشورہ میں فساد نہ پڑے اور تمہارے امور ناکام نہ ہو جائیں۔ تم پناہ دینے والے ہو۔ تمہاری طرف رسول اللہ کی ہجرت ہوئی اور تم ہی سابقین میں سے ہو، جیسا کہ مہاجرین ہیں۔ اور تم ان سے پہلے صاحبِ خانہ و صاحبِ ایمان ہو، خدا کی قسم انہوں نے خدا کی عبادت علانیہ نہیں کی لیکن تمہارے شہر میں، اور نماز جامع کہیں نہیں ہوئی لیکن تمہاری مسجدوں میں۔ عرب اسلام کے لیے مغلوب نہیں ہوئے مگر تمہاری تلواروں سے پس تمہارا حصہ اس امرِ خلافت میں سب سے زیادہ ہے اور اگر یہ لوگ انکار کریں تو ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر ان میں سے ہو۔"

حضرت عمر کی تقریر

حضرت عمر کھڑے ہوئے اور اس طرح تقریر فرمائی:-

"افسوس ہے کہ دو تلواریں ایک نیام میں جمع نہیں ہوسکتیں اور عرب اس کو گوارا نہیں کریں گے کہ تم ان پر حکومت کرو۔ حالانکہ ان کا نبی تم میں سے نہیں تھا۔ یہ ضروری ہے کہ اس امر خلافت کے وہ لوگ والی و حاکم ہوں جن میں نبوت رہی ہے۔ ہم میں سے نبی کا ہونا ہمارے مخالفین کے اوپر حجت ظاہرہ اور دلیل باہرہ ہے۔ ہم سے محمد کی حکومت و میراث کے لیے کون تنازعہ کرسکتا ہے۔ درحالیکہ ہم آنحضرتؐ کے اولیا و قرابتدار ہیں جو ہم سے اس امر کا تنازعہ کرے گا وہ ظالم و گنہگار ہوگا اور ورطۂ ہلاکت میں پڑے گا۔"

یہ ہے سیاست، کبھی کہا جارہا ہے کہ عربوں کو یہ گوارا نہیں کہ نبوت و خلافت ایک خاندان میں جمع ہو اور کبھی یہ کہا جارہا ہے کہ عرب کیسے گوارا کریں گے۔ کہ ایسا شخص خلیفہ ہو جو خاندانِ رسالت سے نہ ہو، کبھی کہا جارہا ہے کہ نبی کا کوئی وارث نہیں ہوتا اور کبھی نبی کی میراث کے حق پر ان کے اولیا و قرابتدار بن کر خلافت پر قبضہ کرنے کی صورتیں پیدا کی جارہی ہیں۔ کبھی کتاب خدا کافی کہا جارہا ہے اور کبھی رسول اللہ کی احادیث بیان کرکے اپنا استحقاق تبلایا جارہا ہے، وقت وقت کی بات ہے۔ جیسا وقت ویسی بات۔ یہ تشتت فکر (Inconsistency of thought) کا سنگِ بنیاد ہے جو مسلمانوں کی سیاست کے اولین شخص کے ہاتھ سے رکھا جارہا ہے۔

حباب بن منذر کا جواب

اب پھر حباب بن منذر کھڑے ہوئے اور کہا:۔

اے معشر انصار! اپنے پر قابو رکھو اور اس شخص اور اس کے ساتھیوں کی باتوں کو نہ سنو، ورنہ اس امر خلافت میں تمہارا حصہ جاتا رہے گا۔ اگر یہ اس سے انکار کریں جو تم چاہتے ہو تو تم ان کو اپنے شہر سے نکال باہر کرو۔ اور پھر اپنے اوپر اور ان لوگوں پر اس شخص کو حاکم بنا دو جس کو تم چاہتے ہو کیونکہ خدا کی قسم تم اس امر کے مستحق ہو۔ کیونکہ اس امر کو تم نے اپنی تلواروں سے حاصل کیا ہے۔ خدا کی قسم اگر تم چاہو تو ہم اس کو پھر پہلے کی طرح کر دیں۔ میرے قول کی کوئی مخالفت نہیں کر سکتا جو کرے گا اس کو تلوار سے جواب دوں گا۔ اس پر حضرت عمر نے کہا کہ یہ حباب بن منذر ہیں جو میری بات کا جواب دے رہے ہیں۔

حضرت عمر کو اس موقعہ پر ایک حدیث یاد آگئی

میرے لیے ممکن نہیں کہ میں حباب بن منذر کی مخالفت کروں۔ کیونکہ ایک دفعہ رسول اللہ کی زندگی میں میرے اور ان کے درمیان جھگڑا ہو گیا تھا۔ رسول اللہ نے مجھے منع فرمایا تھا اور میں نے اس دن سے قسم کھائی ہے کہ میں کبھی ایسی بات نہیں کہوں گا جو ان کو بری لگے۔ پھر ابو عبیدہ بن الجراح کھڑے ہوئے اور کہا۔

ابو عبیدہ بن الجراح کی تقریر

اے گروہ انصار! آپ حضرات نے سب سے پہلے نصرت کی اور پناہ

ی ہے۔ اب آپ اس کو سب سے پہلے تبدیل کرنے والے اور بدلنے والے
نہیں۔

بشیر بن سعد انصاری (جنہیں کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں غلطی سے قیس
ن سعد لکھا گیا ہے) نے دیکھا کہ تمام قوم سعد بن عبادہ کو امیر بنانے پر متحد و متفق
ہے تو وہ حسد کی وجہ سے سعد بن عبادہ کی مخالفت پر کمربستہ ہوئے۔ اور
بشیر قبیلۂ خزرج کے سرداروں میں سے تھے۔ اس لیے انھوں نے محبت حضرت
ابوبکر میں نہیں بلکہ سعد بن عبادہ کی مخالفت اور ان سے حسد کی وجہ سے کہا :۔

بشیر کی تقریر

اے گروہ انصار! چونکہ جہاد میں ہم صاحب فضیلت ہیں اور
دین میں سبقت رکھنے والے ہیں۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ
سوائے رضائے الہیٰ اور طاعتِ رسول کے کسی خود غرضی سے کام نہ لیں یہ
ہمارے لیے مناسب نہیں ہے۔ ہماری خدمات اسلام رضائے الہیٰ اور
طاعتِ نبی کے لیے تھی۔ اس کا اجر ہمیں اس کی بارگاہ سے ملے گا۔ ان خدمات
کو جتا کر حکومت کو حاصل کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ جناب رسالتمآب
قریش سے تھے۔ اس لیے ان کی قوم ان کے ورثہ کی مستحق ہے اور انکی بجائے
حکومت کرنے کی زیادہ سزاوار ہے۔ ہمیں ان کی مخالفت کا حق نہیں ہے
خدا سے ڈرو اور انہیں دھوکہ نہ دو۔

بیعت حضرت ابی بکر

پھر حضرت ابی بکر کھڑے ہوئے اور کہا امام
تو قریش سے ہی ہوں گے۔ اے گروہ انصار
تفرقہ پیدا نہ کرو اور میری یہ نصیحت ہے کہ تم ان دونوں میں سے ایک کی

بیعت کرلو۔ ابوعبیدہ بن الجراح یا حضرت عمر کی۔

حضرت عمر کا انکسار

حضرت عمر نے کہا:-

"معاذ اللہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ آپ ہمارے درمیان موجود ہوں اور لوگ ہماری بیعت کریں آپ اس امر کے ہم سے زیادہ مستحق ہیں، ہم سے پہلے آپ کو صحبت رسول حاصل ہوئی اور مال میں ہم سب سے زیادہ ہو، مہاجرین میں سب سے بہتر ہو۔ آپ غار میں رسول اللہ کے ساتھ تھے اور دو میں کے ایک ہو۔ کس کے لیے جائز ہے کہ آپ سے آگے بڑھے اور خلافت حاصل کرے۔ آپ اپنا ہاتھ بڑھائیے میں بیعت کرتا ہوں، عمر اور ابوعبیدہ بیعت کرنے کے لیے بڑھے۔ ان دونوں سے پہلے بشیر بن سعد انصاری نے جھپٹ کر بیعت کرلی۔

حباب بن منذر کی تقریر

حباب نے بآواز بلند کہا۔

"اے بشیر! چھوڑنے والے نے تجھے چھوڑ دیا۔ یعنی قبیلہ نے تجھے عاق کر دیا۔ کس نے تجھے اس بات پر مجبور کیا کہ تو وہ کرے جو تو نے کیا۔ تو نے اپنے ابن عم سعد بن عبادہ پر حسد کیا۔

اس پر بشیر نے کہا:-

خدا کی قسم میں نے اس امر کو مناسب نہ جانا کہ مہاجرین سے اس امر میں جھگڑا کروں جو اس امر کے مستحق ہیں۔

اوس و خزرج کی پرانی عداوت نے حضرت ابوبکر کی مدد کی

جب قبیلہ اوس کے لوگوں نے یہ دیکھا کہ مہاجرین اپنا آدمی مقرر کرنا چاہتے ہیں اور خزرج سعد بن عبادہ کو امیر بنانا چاہتے ہیں تو ان میں سے چند لوگ آپس میں کہنے لگے (اور اسید بن حضیر ان میں سے ایک تھا) کہ اگر تم ایک دفعہ سعد کو اپنا امیر بنا لو گے تو پھر ہمیشہ خزرج کو یہ فضیلت تم پر رہے گی کہ تم کو اس میں کبھی حصہ نہیں ملے گا۔ لہٰذا چلو کھڑے ہو جاؤ۔ اور ابوبکر سے بیعت کر لو۔ اس لیے موجودہ زمانے کے بالغ نظر مؤرخوں کا خیال ہے کہ اگر اوس و خزرج میں رقابت نہ ہوتی تو خلافت کبھی حضرت ابوبکر کو نہ ملتی۔ (تاریخ اسلام سید عبدالقادر ایم۔ اے) اس طرح حضرت ابوبکر کی اژدہامی ذہنیت (mass mentality) سے بیعت ہونے لگی۔

آپس میں ہنگامہ آرائی

اس پر حباب ابن منذر کھڑا ہوا اور اپنی تلوار کو پکڑ لیا۔ لوگ اس کی طرف دوڑے اور اس کی تلوار چھین لی۔ وہ اپنی چادر لوگوں کے منہ پر مارتا تھا۔ یہاں تک کہ لوگ بیعت سے فارغ ہوئے۔ اس پر حباب ابن منذر نے کہا اے گروہ انصار گویا میں دیکھتا ہوں کہ تمہاری اولاد مہاجرین کی اولاد کے دروازوں پر کھڑی ہے۔ بھیک مانگ رہی ہے اور وہ پانی بھی نہیں دیتے۔

حضرت ابوبکر کا جواب

حضرت ابوبکر نے کہا کیا یہ ڈر تم کو ہم سے ہے۔ حباب نے کہا، تم سے یہ ڈر نہیں ہے بلکہ ان سے ہے جو تمہارے بعد آئیں گے۔ ابوبکر نے جواب دیا کہ اگر ایسا

ہوگا۔ تو پھر تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو اختیار ہوگا جو چاہو کرو۔ ہماری اطاعت تم پر نہیں رہے گی۔ جناب سعد نے کہا کہ افسوس ہے کہ جب میں اور آپ مر جائیں گے تو پھر وہ لوگ آئیں گے جو ہمارے لیے بلائیں اور سختیاں اپنے ساتھ لائیں گے

سعد بن عبادہ کا بیعت سے انکار

سعد بن عبادہ نے کہا اے ابو بکر! خدا کی قسم اگر مجھ میں چلنے کی طاقت ہوتی تو تو میری ایسی آواز سنتا جو تجھے اور تیرے اصحاب کو یہاں سے نکال دیتی اور تو اپنے ہی لوگوں میں جا ملتا۔ جو ہمیشہ خادم اور مطیع رہے، نہ کہ مخدوم مطاع۔ جو ہمیشہ گمنام رہتے نہ کہ صاحب عزت۔

حضرت ابو بکر سے سب لوگوں نے بیعت کر لی۔ یہاں تک کہ قریب تھا کہ سعد بن عبادہ پیروں میں کچل جائے، سعد نے کہا کہ تم نے مجھ کو مار ڈالا۔ لوگوں نے شور مچایا، دیکھنا سعد کچلے نہ جائیں۔ حضرت عمر نے کہا اس کو خدا کچلے سعد اپنی ناکامی پر پہلے سے متاسف تھے سخت برہم ہوئے اور لوگوں سے کہا مجھے یہاں سے لے چلو[1]۔

حضرت ابو بکر نے حضرت سعد سے کچھ دن بالکل تعرض نہ کیا۔ بعد میں آدمی کو بھیجا کہ یہاں آکر بیعت کریں۔ انہوں نے بیعت سے قطعاً انکار کیا۔ حضرت عمر نے کہا ان سے بیعت ضرور لیجیے۔ بشیر بن سعد انصاری بیٹھے تھے، بولے کہ اب وہ انکار کر چکے ہیں۔ کسی طرح بیعت نہیں کریں گے۔ مجبور کیجیے گا

---

[1] کتاب الامامۃ والسیاسۃ، تاریخ طبری واقعات ۱۱ھ۔ صحیح بخاری ص۱۰۱۰ جلد ۲۔ سیر الانصار حصہ ۲ ص۲۹۔

توکشت و خون کی نوبت آئے گی۔ وہ اٹھیں گے تو ان کا گھر اور کنبہ بھی اٹھے گا۔ جس سے ممکن ہے کہ تمام خزرج اٹھ کھڑے ہوں، اس لئے ایک سوتے فتنہ کو جگانا ٹھیک نہیں۔ میرے خیال میں ان کو یونہی چھوڑ دیجئے۔ ایک آدمی ہی کیا کریں گے، اس رائے کو سب نے پسند کیا۔ حضرت سعد حضرت ابوبکر کی خلافت تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے، بعد میں ترک وطن کرکے شام کی سکونت اختیار کی اور دمشق کے قریب حوزان کا علاقہ نہایت سرسبز و شاداب تھا۔ اسی کو اپنے رہنے کے لیے پسند فرمایا۔

۱۵ھ میں انتقال ہوا، کسی نے مار کر غسل خانہ میں ڈال دیا تھا۔ گھر کے لوگوں نے دیکھا تو بالکل جان نہ تھی تمام جسم نیلا پڑ گیا تھا۔ قاتل کی بہت تلاش ہوئی لیکن کچھ پتہ نہ چلا۔ ایک غیر معلوم سمت سے آواز آئی "ہم نے خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو قتل کیا۔ ایک تیر مارا جو خالی نہیں گیا۔" چونکہ قاتل نہیں ملا اور آواز سنی گئی لیعض لوں کا خیال ہے کہ کسی جن نے قتل کیا ہے[1]۔

سقیفہ بنی سعد کے الیکشن میں حضرت ابوبکر کے خلاف کھڑے ہونے والے انصار کے نمائندے کی زندگی کا اس طرح خاتمہ ہوا اور انہوں نے کسی سے بیعت نہیں کی۔

یہ ہے سقیفہ بنی ساعدہ کی کاروائی کا اکثر حصہ۔ ابو قتیبہ الدینوری کی کتاب الامامۃ والسیاستہ سے نقل کیا گیا ہے۔

بعض دوسرے مورخین اہل سنت نے اس کے بعض جزئیات کو ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے۔

---

[1] سیر الانصار جلد ۲ ص۲۹ و ص۳۰۔ کتاب الامامۃ والسیاستہ ص۱۱

حضرت عمر نے اس معاملہ خلافت میں اپنی جدوجہد کو اپنی زبان سے اس طرح بیان کیا ہے:۔

"سقیفہ میں بیعت کا جھگڑا شروع ہوا۔ تو آوازیں بلند ہو گئیں اور شور و غل ہونے لگا۔ مجھے اختلاف کا خوف ہوا۔ یہ خیال کر کے میں نے ابوبکر سے کہا ہاتھ بڑھاؤ۔ میں تمہاری بیعت کر دوں۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا دیا میں نے جھٹ اس پر بیعت کر لی۔ پھر اور لوگوں نے بیعت کی۔ پھر ہم سعد بن عبادہ پر ٹوٹ پڑے، اس پر کسی نے کہا، ہائے تم لوگوں نے سعد کو قتل کر دیا۔ میں نے کہا اللہ سعد کو قتل کرے[۱]"

علامہ طبری لکھتے ہیں:۔

"ہر طرف سے لوگ حضرت ابوبکر کی بیعت کرنے لگے اور قریب تھا کہ سعد بن عبادہ کو روند ڈالیں۔ جس پر سعد کے ساتھیوں سے کچھ لوگوں نے کہا سعد کو چھوڑ دو۔ ان کو نہ روندو۔ اس کے جواب میں حضرت عمر نے کہا سعد کو قتل کر ڈالو، خدا بھی اس کو قتل کر دے۔ پھر ان کے سر پر چڑھ کر کہنے لگے، میں نے ٹھان لیا ہے کہ تم کو کچل ڈالوں، کہ تمہارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ اس پر سعد نے حضرت عمر کی داڑھی پکڑ لی، اور کہا، خدا کی قسم اگر تم نے میرا ایک بال بھی اکھاڑا تو میں تمہارے کل دانت توڑ ڈالوں گا۔ اور تم اپنے گھر اس طرح واپس جاؤ گے کہ تمہارے منہ میں کوئی دانت نہیں ہوگا۔ تب حضرت ابوبکر

---

[۱] تاریخ کامل جلد ۲

نے کہا اے عمر اپنے آپ کو روکو۔ یہ موقعہ نرمی کا ہے۔ اسی سے کام نکلے گا۔ اس پر حضرت سعد کے اوپر سے اترے تو سعد نے کہا خدا کی قسم اگر میں بیمار نہ ہوتا اور مجھ میں اتنی قوت بھی ہوتی کہ خود سے اٹھ سکتا تو تم مدینہ کی سڑکوں اور گلیوں میں میری نہ ہیبت ناک آواز سنتے جس پر تم بھی اور تمہارے ساتھی بھی خوف سے زمین کے سوراخوں میں گھس جاتے۔ خدا کی قسم اگر میری صحت درست رہتی تو میں تم کو ان لوگوں میں ملا دیتا جن کے تم رعیت بن کر رہتے، اور سردار نہیں بننے پاتے۔ مگر میرے مرض نے مجھے بے بس کر دیا ہے پھر اپنے ساتھیوں سے کہا، مجھے اس جگہ سے اٹھا کر لے چلو۔ لوگ ان کو اٹھا کر لے گئے اور ان کو گھر پہنچا دیا۔[۱]"

اس کاروائی پر ہم دو غیر مسلم مفکرین کے افکار درج کرتے ہیں:۔

آنریبل ٹاٹیلر (Tatilor) لکھتے ہیں:۔

"محمد نے خود ہی اپنے داماد علیؑ کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنا دیا تھا لیکن آپ کے خسر ابوبکر نے لوگوں کو اپنی پارٹی میں لے کر خلافت پر قبضہ کر لیا۔[۲]"

مسٹر ڈیون پورٹ (Dewnport) اپنی کتاب خلافت میں لکھتے ہیں:۔

---

[۱] تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۱۰۔

[۲] مبادیات تاریخ (Elements of General History) صفحہ ۲۲۹ مطبوعہ ۱۸۵۳ء از آنریبل ٹاٹیلر۔

"حضرت عمر کے اس طرح تیزی بلکہ بے محابا کردار کا باعث بے شک یہ خیال ہوا کہ ابوبکر چونکہ سن رسیدہ ہیں اس حیثیت سے وہ رسول کے بعد غالباً بہت دن زندہ نہیں رہیں گے۔ انہوں نے امید کی کہ ٹھیک اس ترکیب سے وہ خود ابوبکر کے خلیفہ ہو سکتے ہیں بشرطیکہ علی کو خارج کر سکیں کہ وہی ایک مد مقابل تھے جن سے ان کو کسی وقت سے خوف کرنا پڑتا تھا[1]

سوالات

۱۔ رسالتمآب کے بعد حکومت کے متعلق کن خیالات نے ... کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ہر گروہ کے خیالات بیان ...

۲۔ حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت عمر کا مکالمہ لکھ ... اس سے نتیجہ نکال کر پیش کیجیے۔

۳۔ مہاجرین نے حصول اقتدار کے لیے پہلے سے کیا سکیم بنائی ... وفات رسول پر حضرت عمر نے اس سیاسی سکیم کو بروئے ... لانے کے لیے کیا سیاسی رویہ اختیار کیا؟

۴۔ انصار کی فراست پر روشنی ڈالیے اور بتلایئے کہ وہ ... منصب خلافت پر دیکھنا چاہتے تھے؟

---

[1] خلافت (Khlafat by Dewnport)

حضرت ابوبکر پر مختصر نوٹ لکھیے۔

وفاتِ رسول کے اخفاء کے لیے حضرت عمر نے کیا صورت اختیار کی اسے سیاسی نقطۂ نگاہ سے بیان کیجیے۔

۔ سقیفہ میں انصار کے اجتماع کے کیا اسباب تھے۔ ان اسباب کے باوجود کیا ان کا یہ اقدام مناسب تھا؟ انصار کی ناکامی کے کیا اسباب تھے؟

انصار کو جو اندیشہ تھا بعد کے واقعات نے اسے کس طرح صحیح ثابت کیا؟

۔ ثابت کیجیے کہ حصولِ اقتدار کی جد و جہد انصار نے نہیں بلکہ حضرت عمر کی پارٹی نے شروع کی تھی۔

۔ حضرت سعد بن عبادہ کی تقریر لکھیے اور بتلائیے کہ یہ تقریر کن حالات میں اور کس طرح کی۔ اور اس تقریر کا انصار نے کیا جواب دیا؟

۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے سقیفہ میں پہنچنے پر انصار کے خطیب نے کیا تقریر کی اور اس تقریر پر حضرت عمر کیا کرنا چاہتے تھے۔ ان واقعات سے ثابت کیجیے کہ رسول کے اقتدار کی جد و جہد میں ابتدا مہاجرین سے ہوئی ہے انصار سے نہیں۔

ا۔ حضرت ابوبکر کی تقریر اور تجویز کو بیان کیجیے اور اس پر

حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ کا منکسرانہ جواب لکھیے۔

۱۳۔ اس تقریر کا انصار نے کیا جواب دیا۔ اس جواب میں ان کی کمزوری کیا تھی؟ اس کمزوری کو انہوں نے کس اندیشہ کے پیش نظر اختیار کیا؟

۱۴۔ حضرت ابوبکر نے انصار کے جواب پر کیا تقریر کی اور حباب ابن نے اس کا کیا جواب دیا؟

۱۵۔ حضرت عمر کی تقریر اور حباب ابن منذر کا جواب لکھ کر اور پھر ابو کا قول لکھیے۔

۱۶۔ بشیر بن سعد انصاری نے کیوں اور کس طرح اپنے قبیلہ کے خلاف مہاجرین کی تائید کی۔

۱۷۔ حضرت ابوبکر کی کسطرح بیعت ہوئی۔ اس پر حباب بن منذر نے کیا کہا

۱۸۔ اوس اور خزرج کی رقابت کو لکھ کر ثابت کیجیے کہ اگر اوس و خز کی مخالفت نہ ہوتی تو حضرت ابوبکر کی بیعت نہ ہوتی۔ اس حباب بن منذر نے انصار کے مستقبل کے متعلق کیا کہا اور حضر ابوبکر نے اس کا کیا جواب دیا؟

۱۹۔ سعد بن عبادہ کے انکار بیعت پر ہنگامہ آرائی کو بیان کیجیے۔ ارباب اقتدار نے اس سے کیا سلوک کیا اور اسکے انجام کو بیان کیجیے

۲۰۔ سقیفہ میں حضرت ابوبکر کی بیعت پر غیر مسلم مفکرین کے خیالات کو بیان کیجیے

چھٹا باب

قضیہ بیعت حضرت ابی بکر (مدینہ طیبہ)

دوسرا دن

بنو ہاشم کا حضرت علی کے گرد اجتماع

بنو ہاشم حضرت علی کے پاس جمع ہوئے۔ اور ان میں زبیر بن العوام بھی تھے اور ان کی والدہ صفیہ بنت عبدالمطلب تھیں۔ اور وہ اپنے آپ کو بنو ہاشم میں ہی شمار کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ مسجد میں جمع تھے۔ حضرت ابوبکر کی سقیفہ میں جس طرح بھی ہوئی بیعت ہو چکی تھی۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر اور ابو عبیدہ بن الجراح ان کے پاس آئے۔ حضرت عمر نے کہا میں تم کو یہاں کیوں جمع دیکھتا ہوں، اٹھو اور حضرت ابوبکر کی بیعت کرو، میں نے اور انصار نے ان کی بیعت کر لی ہے۔

بنو امیہ اور حضرت عثمان وغیرہ کی بیعت

اس پر سعد بن عثمان اور تمام بنو امیہ نے حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی۔ پھر سعد اور عبدالرحمٰن اور ان کے تمام ساتھی اُٹھے۔ انھوں

نے بھی بیعت کر لی۔ حضرت علی علیہ السلام، حضرت عباس اور تمام بنو ہاشم جو اُن کے ساتھ تھے بغیر بیعت کیے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اور ان ہی کے ساتھ زبیر بن العوام بھی تھے۔ انھوں نے انکار کیا اور تلوار لے کر نکلے۔

حضرت عمر کی سختی اور بجبر بیعت

حضرت عمر گھبرا کر لوگوں سے کہنے لگے۔ اس آدمی کو پکڑ لو۔ لوگوں نے اس کو پکڑ لیا۔ سلمہ ابن اشہم نے اچھل کر تلوار چھین لی اور زبیر کو دیوار سے دے مارا اور اسے پکڑ کر لے گئے۔ اس حالت میں اس نے بیعت کر لی اور اسی طرح بہ جبر و اکراہ بنی ہاشم نے بھی بیعت کر لی۔

حضرت علی کا بیعت ابی بکر سے انکار

پھر حضرت علی کو پکڑ کر حضرت ابو بکر کے پاس لائے۔ حضرت علی فرما رہے تھے کہ میں خدا کا بندہ اور رسول کا بھائی ہوں اللہ کا بندہ غیر اللہ کا بندہ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر تم نے رسول اللہ کے رشتے کی وجہ سے حکومت حاصل کی ہے تو میں رسول اللہ کا بھائی ہوں۔ مجھ سے بڑھ کر ان کا رشتہ دار کون ہو سکتا ہے؟ اس پر ان سے کہا گیا کہ حضرت ابو بکر کی بیعت کرو۔

حضرت علی کی بحث

حضرت علی نے فرمایا بیعت کا میں تم سے زیادہ مستحق ہوں۔ میں تم سے ہرگز بیعت نہیں کروں گا۔ تم کو چاہیئے کہ مجھ سے بیعت کرو۔ تم نے انصار سے یہ امر خلافت اس دلیل کے ساتھ لیا ہے کہ تم کو رسول اللہ سے قرابت ہے۔

اُن کو حاصل نہیں تھی۔ اور اب ہم اہل بیت سے یہ امر خلافت تم چھین رہے ہو۔ کیا تم نے انصار سے یہ بحث نہیں کی کہ تم اس امر خلافت کے ان سے زیادہ مستحق ہو کیونکہ محمد تم میں سے تھے۔ اس دلیل کو مان کر یہ امر انہوں نے تمہارے سپرد کر دیا ہے۔ اور حکومت تم کو دے دی۔ اب میں تم پر وہی حجت قائم کرتا ہوں۔ جو تم نے انصار پر قائم کی تھی۔ ہم رسول اللہ کے انکی حیات و ممات میں ولی و وارث ہیں۔ پس اگر تم سرکار رسالت اور اسلام پر ایمان لائے ہو تو ہمارے ساتھ انصاف کرو، ورنہ تم یہ ظلم جان بوجھ کر کر رہے ہو۔[1]

حضرت عمر کا دھمکانا اور اس پر بھی حضرت علی کا انکار

حضرت عمر نے اس دلیل سے لاجواب ہو کر اقتدار کے لب و لہجہ سے کہا۔ "اے علی بعیت کر لو۔ بغیر بعیت کے چھٹکارا نہیں۔ ہم تم کو نہیں چھوڑیں گے، جب تک تم بعیت نہیں کر لو گے۔ اس پر جناب امیر نے فرمایا:۔

"اے عمر تم یہ چاہتے ہو کہ ابوبکر خلافت کے لگلے تھن سے جی بھر کر دودھ دوہ لے۔ اس لیے تم آج اس کے لیے امر خلافت مضبوط کر رہے ہو کل وہ تمہارے لیے مضبوط کر جائیں گے یعنی تم چاہتے ہو کہ وہ نفع تو حاصل کرے جس میں تمہارا ہی حصہ ہے اب ابوبکر کے لیے تم زور دے رہے ہو تاکہ کل وہ اسکو تمہاری طرف پلٹا دے۔ اے عمر قسم بخدا میں تیرا قول قبول نہیں کروں گا اور

---

[1] کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص ۱۱

ابوبکر کی بیعت نہیں کروں گا۔"

حضرت ابوبکر کا جواب

حضرت ابوبکر نے حضرت علی اور حضرت عمر کی یہ گفتگو سن کر کہا۔ یا علی اگر آپ میری بیعت نہیں کرتے تو میں آپ کو مجبور بھی نہیں کرتا۔[1]

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی چاپلوسی

حضرت ابوعبیدہ نے جناب امیر علیہ السلام سے اس طرح خطاب کیا:۔

"اے ابنِ عم رسول! آپ عمر میں چھوٹے ہیں اور یہ لوگ آپ سے عمر میں بڑے ہیں۔ آپ کا تجربہ ان امور میں ان سے زیادہ نہیں اور امورِ سیاست کی واقفیت جو ان کو ہے وہ آپ کو نہیں ہے۔ اور میں ابوبکر کو اس امر کے لیے آپ سے قوی تر پاتا ہوں۔ لہٰذا آپ کو چاہیئے کہ آپ ان کی بیعت کر لیں۔ اگر آپ کی زندگی باقی رہی تو پھر یہ آپ کے لیے ہے۔ کیونکہ آپ اس امر خلافت کے لیے اپنے فضل و قوت دینی اپنے علم و فہم اور اپنی سبقتِ علمی اور اپنی دامادیٔ رسولؐ کیلئے موزوں ہیں۔"

حضرت علی کا جواب

اس پر حضرت علی علیہ السلام نے کہا:۔

"اے گروہ مہاجرین، سرکارِ رسالت محمد مصطفےٰؐ کی ریاست و سرداری و حکومت کو ان کے گھر سے

---

[1] کتاب الامامۃ والسیاسۃ صفحہ ۱۱

نکال کر اپنے گھروں میں نہ لے جاؤ اور آنحضرت کے اہل بیت کو ان کے مقام عزت سے نہ ہٹاؤ۔ قسم بخدا اے گروہ مہاجرین! ہم تم سب سے امر خلافت کے زیادہ مستحق اور حقدار ہیں۔ کیونکہ ہم اہل بیت رسول ہیں اگر کوئی قاری قرآن اور فقیہہ دین خدا، عالم سنت رسول اور صاحب اطلاع امور رعایا، رعایا میں عدل و انصاف کرنے والا اور ان کی تکالیف کے دور کرنے والا ہے تو ہم ہیں۔ پس تم اپنی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔ ورنہ رستے سے بھٹک جاؤ گے اور حق سے دور ہو جاؤ گے۔"

بشیر ابن سعد انصاری کا جواب اس پر بشیر ابن سعد انصاری نے کہا:-

"یا علی! اگر انصار بیعت ابی بکر سے پہلے تم سے یہ کلام سنتے تو کبھی تمہاری مخالفت نہ کرتے۔"[1]

حضرت علی کا جواب اس پر جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا:-

"کیا میں رسول اللہ کو بے گور و کفن چھوڑ دیتا اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جا کر خلافت کے لیے تم سے نزاع کرتا یہ تو مجھ سے کبھی گوارا نہ ہوتا اور نہ مجھے زیبا تھا۔"[2]

یہ فرما کر آپ وہاں سے چلے آئے۔

شہر مدینہ کے اکابر انصار اور معززین مہاجرین سے حصول بیعت کے لیے یہ

---

[1] کتاب الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۲ تا ص ۱۲۔

[2] کتاب الامامۃ والسیاسۃ

طریق کار اختیار کیا گیا۔ لیکن مدینہ سے باہر دوسرے مقامات پر اسلامی شہریوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ اس سے زیادہ سخت تھا۔

حضرت ابوبکر کے خطبات مدینہ میں سلطنت پر اس طرح قبضہ کرنے کے بعد حضرت ابوبکر نے چند تقاریر فرمائی ہیں، انہیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں:۔

پہلا خطبہ - بعد حمد و ثنائے الٰہی فرمایا:۔

"حاضرین مجھے آپ لوگوں نے اپنا امیر بنایا ہے حالانکہ میں اس قابل نہیں ہوں۔ اگر میں کوئی بھلائی کروں تو میری مدد کرو اور اگر کوئی برائی مجھ سے سرزد ہو تو میری سرزنش کرو۔ بے شک صدق امانت اور کذب خیانت ہے۔ تم میں سے جو لوگ ضعیف ہیں وہ میری نظروں میں اس وقت تک قوی ہیں جبکہ میں ان کا حق ان کو انشاء اللہ دلادوں اور جو لوگ قوی ہیں میرے نزدیک اسوقت تک ضعیف ہیں کہ میں ان کا حق دوسروں سے انشاء اللہ نہ لے دوں جس قوم نے جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ دیا اس کو خدا نے ذلت میں ڈال دیا۔ اور جس قوم میں بدکاری پھیلی اس کو خدا نے بلا میں مبتلا کر دیا۔ جب تک میں خدا کی فرماں برداری کروں تم میری اطاعت کرو۔ اور جب تم دیکھو کہ میں نافرمانی اللہ اور رسول کی کرتا ہوں تو میری اطاعت تم پر واجب نہیں رہے گی۔ اپنی نماز کو پابندی سے ادا کرو خدا تم پر رحم کرے گا۔[1]"

---

[1] اردو ترجمہ تاریخ الخلفاء ص۱۰۳ مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور۔

دوسرا خطبہ ۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ امام حسن بصری کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر سے لوگ بیعت کر چکے تو آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا:

"میں نے خلافت کو قبول تو کر لیا ہے مگر میں اس کے ناقابل ہوں اگر کوئی دوسرا شخص اسے سنبھال لے تو واللہ بہت ہی بہتر ہو۔ لیکن اگر تم نے یہ تکلیف مالا یطاق اس پر بنا دی ہے کہ میں تم پر مثل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم و عمل کروں سو یہ امر میری طاقت سے باہر ہے۔ کیونکہ میں کسی طرح رسول اللہ کے برابر تو ہوں نہیں، کیونکہ آپ پر وحی نازل ہوتی تھی۔ اور آپ معصوم تھے، اور میں معمولی آدمی ہوں تم سے بہتر نہیں ہوں کہ تم پر خلیفہ بنوں۔ پس جب تک تم مجھ میں استقامت پاؤ میری اطاعت کرو اور جہاں میرا قدم ڈگمگاتا دیکھو مجھے ملامت کرو۔ شیطان مجھ پر بھی غالب ہے۔ جب مجھے کسی بات پر غصہ آجائے تو مجھ سے کنارہ کش ہو جاؤ، تمہاری خوشخبریوں اور شعروں میں میری تعریف نہ کی جائے[1]۔"

تیسرا خطبہ ۔ عروہ کہتے ہیں کہ ابن سعد اور خطیب نے لکھا ہے۔ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بعد از بیعت خطبہ پڑھا۔ اور بعد حمد و ثنائے الٰہی فرمایا:۔

"میں نے تمہارا امیر ہونا تسلیم کیا۔ حالانکہ میں تم سے اچھا نہیں ہوں۔ لیکن قرآن شریف نازل ہو چکا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

[1] اردو ترجمہ تاریخ الخلفا ص۱۲۵ و ص۱۲۶ مطبع صدیقی لاہور۔

وآلہ وسلم نے طریق و روش عمل سنت دکھلا کر راستہ بتلا دیا ہے اور ہم کو سکھلا دیا ہے، سب سے زیادہ عقلمند متقی ہے اور سب سے زیادہ عاجز فاسق و فاجر، تم میں سے قوی میری نظروں میں اس وقت تک ضعیف ہیں کہ جب تک ان سے دوسروں کا حق نہ دلوا دوں اور ضعیف اس وقت تک میرے نزدیک قوی ہیں کہ جب تک میں ان کا حق دوسروں سے نہ دلوا دوں۔ صاحبو! میں اتباع کرنے والا ہوں۔ نئی نئی باتیں نکالنے والا نہیں ہوں۔ اگر میں بھلائی کروں تو میری مدد کرو اور اگر کہیں پھسل جاؤں تو مجھے سرزنش کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو اور ہم کو بخش دے۔[1]"

سوالات

۱۔ بنو ہاشم کے اجتماع اور حضرت عمر کی دعوت بیعت ابی بکر کو بیان کیجیے۔

۲۔ مدینہ میں کن لوگوں نے بیعت کی اور کن لوگوں نے انکار کیا اور گھروں کو واپس چلے آئے۔

۳۔ لکھیے کہ زبیر نے حضرت ابوبکر کے داماد سے ان کی بیعت کس طرح کی؟

---

[1] اردو ترجمہ تاریخ الخلفاء ص ۱۰۶ مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور

۔ حضرت علیؑ نے طلب بیعت پر کیا جواب دیا۔ اس جملہ کو بیان کرکے اس کی جامعیت پر روشنی ڈالیے۔

۔ حضرت علی علیہ السلام کا اپنے حقوق پر احتجاج (دلیل) بیان کیجیے۔

۔ حضرت عمر نے اس احتجاج پر حضرت علی کو کس طرح دھمکی دی۔ حضرت علی نے اس کا کیا جواب دیا۔ اور اس گفتگو کو سن کر حضرت ابوبکر نے کیا رویہ اختیار کیا؟

۔ اس گفتگو کے بعد حضرت ابوعبیدہ نے کیا خوشامدانہ رویہ اختیار کیا اور حضرت علی نے اس کا کیا جواب دیا؟

۔ بشیر انصاری نے اس جواب سے متاثر ہو کر کیا کہا اور جناب امیر علیہ السلام نے اس کا کیا جواب دیا؟

۔ مدینہ کے واقعات کے زیر نظر لکھیے کہ حضرت ابوبکر کی مدینہ میں بیعت کس طرح ہوئی؟

۔ حضرت ابوبکر کے پہلے خطبہ کو بیان کرکے لکھو، کہ اس خطبہ سے ایک سلیم الطبع انسان پر ان کی شخصیت کے متعلق کیا اثر پڑتا ہے۔

۱۱۔ حضرت ابوبکر کے دوسرے خطبہ کو لکھ کر ثابت کیجئے کہ حضرت ابوبکر کو صحیح معنوں میں رسول اللہ کے

خلیفہ ہونے کا دعویٰ نہیں۔ اور انھوں نے خود اظہار دیا ہے کہ وہ معصوم نہیں ہیں۔

۱۲۔ حضرت ابوبکر کے تیسرے خطبہ کو لکھ کر جو نتیجہ آپ سے نکالتے ہیں اسے بیان کیجئے۔

۱۳۔ حضرت ابوبکر کے ان خطبات سے ان کی صاف گوئی ثابت کیجئے اور لکھیے کہ انھوں نے ان خطبات میں کن امور کا اعتراف فرمایا ہے۔

ساتواں باب

سلطنت

اور

حضرت علی بن ابی طالب کے امتیازی حقوق

۱۔ خاندان بنی ہاشم میں سے تھے جس کی فضیلت تمام قریش میں مسلم تھی۔
سرکارِ رسالت کا ارشاد ہے۔ میں ہوں محمدؐ خدا کا بندہ بن عبداللہ بن عبدالمطلب
بن ہاشم۔ خدا نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھے بہترین مخلوق قرار دیا پھر اِس بہترین
مخلوق کے جس میں ہم ہیں دو حصے قرار دیے۔ دو حصے کیے اور محمد کو اس کے
بہترین حصہ میں رکھا۔ پھر اس بہترین حصہ میں جس میں ہم شامل ہیں۔ قبیلے بنائے
اور ہم کو ان قبائل کے بہترین قبیلہ میں قرار دیا۔ پھر ان قبائل کے گھر بنائے اور محمد کو
تمام گھروں سے بہترین گھر میں رکھا۔ (کتاب المحاسن والاضداد باب المفاخرت للجاظ عثمانی)

اس گھرانے کا علامہ ابن خلدون مغربی نے اس طرح ذکر کیا ہے:۔

کوئی آدمی نہ نکلے گا کہ آدم علیہ السلام سے لے کر اس وقت
تک اس کے آبا و اجداد علی الاتصال حسب و شرافت کے صدر نشین
رہے ہوں۔ اگر کوئی ہے تو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آنحضرت کے تمام آبا و اجداد آدم علیہ السلام تک صاحب مجد و شرف ہوئے۔ ورنہ جو شرافت قائم ہوئی اس کو زوال ہوا۔ اور جب کسی خاندان میں عزو شرف کی بنیاد قائم ہوئی چار پشتوں سے زیادہ اسے ثبات و قرار نہ ہوا[1]۔"

علامہ ابن خلدون کی تحقیق ہے کہ ایک مورث کی شرافت و نجابت حسن کردار و سیرت چار پشتوں تک باقی رہتی ہے۔ اب ذرا سرکار رسالت محمد مصطفےٰ اور سرکار ولایت علی مرتضیٰ کے نسب پر غور کیجئے۔ نسب سرکار رسالت محمد مصطفےٰ ارواحنا لہ الفداء :-

محمدؐ[1] بن عبداللہ[2] بن عبدالمطلب[3] بن ہاشم

نسب سرکار ولایت علی مرتضیٰ ارواحنا لہ الفدا باپ کی طرف سے

علیؑ[1] بن ابی طالب[2] بن عبدالمطلب[3] بن ہاشم

نسب سرکار ولایت علی مرتضیٰ ارواحنا لہ الفدا، ماں کی طرف سے

علیؑ[1] بن فاطمہ[2] بنت اسد[3] بن ہاشم

حضرت علی کے والد حضرت ابوطالب عمران اور رسول اللہ کے والد حضرت عبداللہ ماں اور باپ کی طرف سے حقیقی بھائی تھے۔ یہ شرف آنحضرت کے کسی اور چچا کو نہ تھا۔ حضرت علیؑ کی والدہ رسول اللہ سے دوسری پشت میں ملتی تھیں۔ وہ حضرت ابوطالب کی حقیقی بنت عم یعنی چچا زاد تھیں۔ مورخین اسلام نے حضرت فاطمہ بنت اسد کی فضیلت کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے

---

[1] مقدمہ تاریخ ابن خلدون معرب فصل ۱۵ صفحہ ۱۳۶ و ۱۳۷

سا اوّل ھاشمیۃ زوجت ھاشمیا ولدت ھاشمیاً و اوّل
شمیۃ ولدت خلیفہ   فاطمہ بنت اسد پہلی ہاشمیہ عورت ہیں جن کا
بھی خاندان بنی ہاشم میں ہوا اور ہاشمی ہی فرزند آپ کے بطن سے پیدا
۔ اور آپ ہی وہ پہلی ہاشمی عورت ہیں جن کے بطن اقدس سے خلیفہ رسول ؐ
اللہ ہوئے[1]

بنی ہاشم کے متعلق جناب رسالتمآب نے فرمایا ہے :۔

قال جبرئیل قلبت مشارق الارض و مغاربہا فلم اجد
جلاً افضل من محمد وقلبت مشارق الارض ومغاربہا
لم اجد بنی آب افضل من بنی ھاشم ۔

مجھ سے جبرئیل نے کہا کہ میں نے روئے زمین کے تمام مشارق و مغارب
چھان ڈالا لیکن کسی شخص کو محمدؐ سے اور کسی خاندان کو بنی ہاشم سے افضل و
لی نہیں پایا[2]

عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ ان اللہ اصطفیٰ من بنی
نانہ قریشاً ثم اصطفیٰ من قریش بنی ھاشم ۔

ام المومنین عائشہ سے منقول ہے کہ سرکارِ رسالت نے فرمایا کہ اللہ
تعالیٰ نے بنی کنانہ میں سے قریش اور قریش میں سے بنی ہاشم کو منتخب کیا[3]

ا۔ حضرت علی عین خانہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے ۔

---

[1] الاستیعاب ، اصابہ ، اسد الغابہ (تذکرہ فاطمہ بنت اسد) تاریخ الخلفاء ۔
[2] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۰۶   [3] بخاری ، مسلم و ترمذی

تواترت الاخبار ان فاطمہ بنت اسد ولدت امیر المومنین
علی ابن ابی طالب فی جوف الکعبۃ۔

اس امر میں احادیث درجہ تواتر تک پہنچ چکی ہیں کہ جناب فاطمہ بنت
اسد صلوات اللہ علیہا نے حضرت علی کو وسط بیت اللہ میں جنم دیا۔[۱]

کون امیر کرم اللہ وجہہ ولد فی البیت امر مشہور فی الد
ذکر فی کتب الفریقین السنۃ والشیعۃ۔

جناب امیر کی ولادت بیت اللہ شریف میں ہونا دنیا بھر میں مشہور
ہے اور سنی شیعہ دونوں فرقوں نے اس کا ذکر اپنی کتابوں میں کیا ہے۔[۲]

۳۔ حضرت علی نے بعد ولادت، رسول اللہ کی زیارت کی اور رسول
کے لعاب دہن کو نوش کیا۔[۳]

۴۔ آپ نے بچپن میں آغوش رسالت میں پرورش پائی اور سرکار
رسالت ہی ان کی تعلیم و تربیت کے کفیل رہے۔

۵۔ آپ نے چشم زدن کے لیے بھی بت پرستی نہیں کی۔ اسلیے اکثر
انھیں کرم اللہ وجہہ کے لقب سے یاد کرتی ہے۔

۶۔ آپ نے مردوں میں سب سے پہلے سرکار رسالت کی تصدیق
کی اور اسلام کی پہلی نماز تمام لوگوں سے سات سال پہلے آنحضرت

---

[۱] مستدرک امام حاکم جلد ۳ صفحہ ۴۸۳۔ [۲] شرح عینیہ جس کے شارح علامہ آلوسی مؤلف تفسیر روح
[۳] سیرۃ العلویہ حصہ اول صفحہ ۲۰، ارجح المطالب صفحہ ۴۴۵، صفحہ ۴۴۶
[۴] فتح الباری الجزء ۷ صفحہ ۵۷۔

کے ساتھ پڑھی۔

۷۔ آپ کو یہ سعادت حاصل ہے کہ آپ کے ماں باپ نے رسول اللہ کو اپنی آغوشِ رحمت میں اپنی اولاد سے بڑھ کر پرورش کیا۔

۸۔ آپ کے والد حضرت ابوطالب نے زندگی بھر رسول اللہ کی حفاظت کی اور ان کی زندگی میں رسول اللہ کو ایسے شدائد و مصائب پیش نہیں آئے۔ جیسے ان کی وفات کے بعد پیش آئے۔

۹۔ آپ کے والد نے جو ممالکِ خارجیہ میں کاروبار رکھتے تھے، اپنی ساری دولت کو اسلام کے فروغ میں صرف کیا۔

۱۰۔ آپ کے والد نے محاصرہ شعب ابی طالب میں جب کہ قریش نے حضور اور حضور کے خاندان کا مکمل بائیکاٹ کیا تھا محصورین کی کفالت فرمائی۔

۱۱۔ اسلام نے آپ کے والد کے وقار و اقتدار کے زیرِ سایہ اپنی ابتدائی منزلوں کو طے کیا۔

۱۲۔ حضرت علی شبِ ہجرت کفار کے نرغے میں تلواروں کے سایہ تلے اطمینان سے سوتے رہے اور انتہائی مواسات اور جاں نثاری کا مظاہرہ کیا جس کی مدح میں آیتِ قرآنی نازل ہوئی۔[1]

۱۳۔ عقدِ مواخات کے موقعہ پر سرکارِ رسالت نے حضرت علی کو اپنا بھائی بنایا اور ان کی اخوت کا اس طرح اعلان کیا۔ انت اخی فی الدنیا

---

[1] تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۳۲۶، طبری ج ۲ ص ۲۴۴۔ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۹۲

والآخرۃ - اے علی تم دنیا میں بھی میرے بھائی ہو اور آخرت میں میرے بھائی ہو[1]

۱۴- غزوۂ بدر کی فتح آپ کی کوشش کا نتیجہ تھی۔ اس لڑائی میں ستر مارے گئے۔ جن میں سے ۳۵ یعنی نصف علی مرتضیٰ نے تہ تیغ کیے اور باقی ۳۵ سب مسلمانوں نے مل کر قتل کیے۔ اس لیے شبلی نے حضرت علی مرتضیٰ کو "بدر کا ہیرو" کہا ہے[2]

۱۵- رسول اللہؐ نے اپنی بیٹی فاطمہؑ کا عقد آپ سے بامر الٰہی کیا۔ جس سے نسل رسالت دنیا میں باقی رہی اور کثرت اولاد کا خداوندی وعدہ پورا ہوا[3]

۱۶- غزوۂ احد میں اکثر مسلمان سرکارِ رسالت کو تنہا چھوڑ کر بخوف جان بھاگ گئے۔ لیکن حضرت علیؑ بدستور ثابت قدم رہے

۱۷- حضرت علیؑ کی صلاحیت، قابلیت، اہلیت اور قدرتی رجحانات (Natural Tendencies) آپ کو منصب خلافت رسالت کا اہل قرار دیتے ہیں۔

۱۸- غزوۂ احزاب یا جنگ خندق میں حضرت علیؑ نے عمرو بن عبدود کو قتل کر کے مسلمانوں کی جان بچائی اور مدینہ منورہ کو جو اس وقت محاصرہ میں تھا تباہی سے بچا لیا۔ اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا۔

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۲۳ و ص ۱۲۴، تاریخ ابوالفداء ج ۱ ص ۱۲۷، تاریخ ابن خلدون اردو ترجمہ ج ۳ ص ۶۲۔ [2] سیرت النبی شبلی [3] تاریخ خمیس ج ۱ ص ۴۰۷ و ص ۴۰۸

کی ایک ضرب میری امت کے قیامت تک کے اعمال سے بہتر ہے۔
شاہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ اس غزوہ میں خاص کر حیدر کرار صاحبِ ذوالفقار علی مرتضیٰ سے وہ مبارزت و مقاتلت واقع ہوئی کہ حد قیاس واحاطۂ عقل سے باہر ہے۔[1]

۱۹- جنگِ خیبر میں جب بڑے بڑے مناہیر پسپا[2] ہوئے، تو جناب رسالت مآب نے فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جو کرار غیر فرار ہے۔ خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسول اس کو دوست رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علی کو علم ملا[3]۔ آپ نے مرحب و عنتر کو مارا درِ خیبر اکھاڑا اور فتح کرکے واپس ہوئے۔

۲۰- غزوۂ خیبر زمانۂ رسالت کی تمام لڑائیوں میں ممتاز ہے۔ یہ پہلا غزوہ ہے جس میں غیر مسلم رعایا بنائے گئے اور طرزِ حکومت کی بنیاد قائم ہوئی[4] گویا غزوۂ خیبر اسلامی سلطنت کا سنگِ بنیاد ہے۔ اس لحاظ سے فاتح خیبر علی مرتضیٰ اسلامی سلطنت کے معمار (Builder of Islamic State) ہیں۔

۲۱- یہ غزوۂ خیبر محض اسلامی سلطنت کے قیام کا ہی سبب نہیں ہوا بلکہ توسیع سلطنت اسلامیہ کا باعث ہوا، فتح خیبر کے دبدبہ سے جو علاقے تیما، وادی القریٰ اور فدک مسلمانوں کے ہاتھ آئے وہ

---

[1] مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۱۳ [2] خصائص نسائی ص ۱۱
[3] شواہد النبوۃ ص ۸۵ و ص ۸۶ مطبوعہ نولکشور [4] سیرۃ النبی ج ۱ ص ۳۵۲

بھی نہایت زرخیز تھے[1] اس لحاظ سے علیؑ موسس سلطنت اسلامیہ کے علاوہ موسع سلطنت اسلامیہ ہیں۔ یعنی انہی کے زریعہ سے سلطنت اسلامیہ کی توسیع ہوئی۔

۲۲۔ فتح خیبر سے پہلے مسلمان نہایت نازک معاشی دور سے گزر رہے تھے انھیں سیر ہو کر کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا قول ہے " ہم نے کبھی سیر ہو کر کھانا نہ کھایا مگر فتح خیبر کے بعد[2]" ام المومنین بی بی عائشہ فرماتی ہیں، جب خیبر فتح ہوا تو ہم نے کہا اب ہم سیر ہو کر کھجوریں کھائیں گے[3]

اگر مسلمان اسی طرح مفلس و قلاش رہتے تو وہ روم اور ایران جیسی منظم سلطنتوں کو کس طرح فتح کر سکتے تھے۔ منظم سلطنتوں سے مقابلہ کے لیے معاشی ذرائع ضروری ہیں۔ اس لیے علیؑ ایسے معاشی انقلاب کے پیدا کرنے والے ہیں جس نے مسلمانوں کی معاشی مشکلات کو ختم کر دیا۔

۲۳۔ صلح حدیبیہ میں آپ نے صلحنامہ تحریر کر کے اپنے کامل الایمان ہونے کا ثبوت پیش کیا۔

۲۴۔ مکہ کی فتح میں آپ نے رسول اللہ کے کندھوں پر سوار ہو کر بُت توڑے اور تطہیر و تزکیہ بیت اللہ کی خدمت انجام دی[4]

---

[1] سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۳۶۸ ، [2] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۹ طبع اصح المطابع
[3] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۹ طبع اصح المطابع دہلی۔
[4] مدارج النبوۃ محدث دہلوی۔

۲۵- جنگِ حنین میں جب اکثر مسلمان رسول اللہ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تو حضرت علیؑ ثابت قدم رہے اور کافروں سے لڑتے رہے۔ اس جنگ میں جو ستّر کافر مارے گئے ان میں سے چالیس حضرت علیؑ کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ اس جنگ میں صرف حضرت علیؑ، ابوسفیان بن حارث، عباسؓ اور عبداللہ ابن مسعود ثابت قدم رہے[۱]

۲۶- غزوۂ تبوک میں سرکار رسالتمآب نے حضرت علی کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر فرمایا۔ اور اپنا قائمقام بنا کر دارالسلطنت میں چھوڑا۔ یہ غزوہ ۹ھ میں ہوا۔

۲۷- جب سورۂ برأت نازل ہوئی تو سرکارِ رسالت نے حضرت ابوبکر کے حوالہ کی کہ وہ اس کا اعلان کردیں۔ وہ روانہ ہو گئے۔ اس کے بعد رسول اللہ نے حضرت علیؑ کو روانہ کیا۔ کہ وہ ان سے سورۂ برأت لے کر خود اعلان فرمائیں۔ کیونکہ سورۂ برأت وہی پہنچا سکتا تھا جو جزوِ رسول ہو اور ان کا اہل ہو، چنانچہ حضرت علیؑ نے سورۂ برأت حضرت ابوبکر سے لے لیا اور خود اس کا اعلان کیا۔ یہ واقعہ بھی ذی الحجہ ۹ھ کا ہے۔

۲۸- حضرت علی کے متعلق جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ اقضاکم علی تم سب میں سب سے زیادہ ماہر قانونِ اسلام، علیؑ ہیں۔

۲۹- رسول اللہ کی طرح حضرت علیؑ کو ہر حالت میں مسجد میں آنیکی اجازت

---

[۱] مواہب لدنیہ، تاریخ خمیس، فتح الباری

مستدرک علی الصحیحین ج ۳ ص ۱۱۷، ۱۲۵، ۱۳۴

تھی جن جن اصحاب کے دروازے مسجد کے اندر کھلتے تھے وہ سب بند کرا دیئے گئے۔ حضرت علیؑ کا دروازہ کھلا رہا۔

۳۰۔ رسول اللہؐ نے ہمیشہ علم اسلام حضرت علیؑ کو دیا اور انہیں فوج میں کبھی کسی کے ماتحت نہیں رکھا۔[۱]

۳۱۔ حضرت علیؑ علم و عمل، حکمت و شریعت میں یگانہ تھے۔ اس لئے ارباب حکومت کو ہمیشہ مشکلات میں ان کی طرف رجوع کرنا پڑا۔

۳۲۔ اکثر جناب رسول خدا حضرت علیؑ سے راز کی باتیں کیا کرتے تھے اور لوگوں کو حسد ہوتا تھا۔

۳۳۔ آپ اصحاب کسا سے ہیں۔ رسالتمآب نے آپ کو آپ کی زوجہ محترمہ اور آپ کے فرزندوں کو چادر کے نیچے لیا اور اس پر آیۂ تطہیر نازل ہوئی۔ جو آپ کی عصمت کی دلیل ہے۔

۳۴۔ آپ ہم نفس رسول ہیں۔ اور مباہلہ میں آنحضرتؐ کے ساتھ مع اپنی اہلیہ و فرزندان ذوی الاحترام شریک ہیں اور آیۂ مباہلہ آپ کی عصمت کی دلیل ہے۔

۳۵۔ آپ کو رسول اللہؐ نے امر الٰہی کے مطابق خم غدیر پر اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کیا۔ صحابہ نے آپ کی بیعت کی اور آپ کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کیا۔ اور شعرائے دربار رسالت نے قصائد پڑھے اور رسول اللہؐ نے رسم دستار بندی سے آپکو سرفراز فرمایا۔

---

۱ ارجح المطالب باب ۴ ص ۵۷۷

۲۶۔ وفات کے قریب آنحضرتؐ نے جیش اسامہ تیار کیا اور اسے فوراً روانہ ہونے کی ہدایت کی۔ اس لشکر میں حضرت علیؑ کے سوا اکثر مہاجرین و انصار اسامہ کے ماتحت رکھے گئے۔

۲۷۔ حضرت علی رسول اللہ کی زندگی میں رسول اللہ کی نیابت فرماتے رہے اور حکومت کے مختلف شعبوں میں مختلف خدمات انجام دیتے رہے۔

۲۸۔ اسلام اور رسول اللہ کی حمایت میں علیؑ کے خاندان کی خدمات بہت زیادہ ہیں اور اس خاندان نے حضرت حمزہ اور حضرت جعفر طیّار جیسی قربانیاں پیش کی ہیں۔

۲۹۔ وقت وفات سرکارِ رسالت کا سر مبارک آپ کی آغوش میں تھا۔ اور آپ سے راز کی باتیں کرتے کرتے رحلت فرمائی۔

۳۰۔ آپ نے سرکارِ رسالت کے متعلق آخری فرائض تجہیز و تکفین کو انجام دیا۔ حضور کو غسل و کفن دیا۔ اور قبر مطہر میں اتارا اور ان فرائض کی انجام دہی کی وجہ سے حکومت کی پرواہ نہیں کی ؎

امانیکہ روزِ وفاتِ پیمبر
خلافت گزارد بماتم نشیند

(فیضی)

سوالات

۱۔ خاندانِ رسالت کے امتیاز کو بیان کیجئے۔ اور علامہ ابن خلدون کے نظریئے کو بیان کر کے ثابت کیجئے کہ اس حقیقی شرف میں حضرت علیؑ پورے طور پر ممتاز تھے۔ اور کسی اور قریشی کو یہ امتیاز حاصل نہ تھا۔

۲۔ خاندانِ بنی ہاشم کی فضیلت میں جو احادیث ہیں انہیں لکھیے اور ان سے حضرت علیؑ کے حقدارِ سلطنت ہونے کو ثابت کیجئے۔

۳۔ حضرت علی علیہ السلام کی ولادت، پرورش و تربیت وکفر و شرک سے بریت سے ان کے حقوقِ سلطنت پر روشنی ڈالیے۔

۴۔ حضرت علیؑ کے والدین کی اسلامی خدمات اور ان کی تصدیقِ رسالت سے ان کے استحقاقِ سلطنت کو بیان کیجئے۔

۵۔ عقدِ مواخات اور حضرت علیؑ کی شبِ ہجرت جان نثاری سے ان کا استحقاق سلطنت ثابت کیجئے۔

۶۔ غزوۂ بدر کی فتح اور دامادی سرکارِ رسالت سے آپ کے حقوقِ سلطنت کو نمایاں کیجئے۔

۷۔ غزوۂ احد اور حضرت علیؑ کی ذاتی صلاحیتوں سے آپ کے استحقاق سلطنت پر روشنی ڈالیے۔

۸۔ غزوۂ احزاب یا جنگِ خندق سے حضرت کی امتیازی شان بیان کرکے ان کے حق خلافت پر استدلال کیجیے۔

۹۔ غزوۂ خیبر کے واقعات بیان کرکے اس کی امتیازات کو بیان کیا جائے۔ اس غزوہ کا جو اسلامی سلطنت کے قیام، توسیع سلطنت اور مسلمانوں کے معاشی انقلاب سے تعلق ہے اسے لکھ کر ثابت کیجیے کہ سلطنت اسلامیہ پر حضرت علیؑ کا حق فائق تھا۔

۱۰۔ صلح حدیبیہ، فتح مکہ اور فتح حنین میں جناب امیرؑ کی امتیازی شان کو بیان کرکے ان کے استحقاق خلافت پر استدلال کیجیے۔

۱۱۔ جانشینی غزوۂ تبوک اور سورۂ برأت کے واقعہ سے سلطنت کے لیے حضرت علیؑ کے حقوق کی فوقیت ثابت کیجیے۔

۱۲۔ آیۂ مباہلہ اور آیۂ تطہیر سے حضرت کے استحقاقِ سلطنت کو ثابت کیجئے۔

۱۳۔ حضرت علی علیہ السلام کی اور کیا کیا خصوصیات ہیں۔ جن سے ان کا وارث سلطنت ہونا ثابت ہے۔

آٹھواں باب

حضرت سعد بن عبادہ انصار کے نمائندہ کی خصوصیات

۱۔ نسب ۔ سعد نام، ابو ثابت و ابو قیس کنیت، سید الخزرج لقب، آپ قبیلۂ خزرج کے خاندان ساعدہ سے ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:۔
سعد بن عبادہ بن دلیم بن حارثہ ابن حزام بن خزیمہ بن ثعلبہ بن طریف بن خزرج بن ساعدہ بن کعب ابن خزرج الاکبر۔

۲۔ خاندان کی خصوصیات ۔ قدیم زمانے سے ان کے خاندان کی خاندان رسالت سے قرابتداریاں تھیں۔

۱۔ چنانچہ کنانہ بن خزیمہ کی شادی ہالہ بنت سوید سے ہوئی تھی جو حارثہ الغطریف کی حقیقی پوتی تھی[1]۔

۲۔ کنانہ کے بعد غالب بن فہر نے قبیلۂ خزاعہ میں شادی کی[2]۔

۳۔ مرہ بن کعب نے ام تیم بنت سریر سے نکاح کیا[3]۔

۴۔ قصی بن کلاب نے بھی خزاعہ سے نکاح کیا جس سے رسول اللہ کے جد عبد مناف پیدا ہوئے[4]

[1] تاریخ یعقوبی جلد ا صفحہ ۱۶۷ [2] سیرۃ ابن ہشام جلد ا صفحہ ۱۵۶ [3] سیرۃ ابن ہشام جلد ا صفحہ ۹۰ [4] طبری جلد ۲ صفحہ ۱۰۹۱

۵- حضرت ہاشم بن عبدمناف نے سلمٰی بنت عمرو سے شادی کی۔ حضرت عبدالمطلب رسول اللہؐ کے دادا اسی کے بطن سے پیدا ہوئے[۱]

۶- حضرت ہاشم نے خاندان ثعلبہ بن خزرج میں بھی شادی کی۔ اور ابوصیفی انہی سے پیدا ہوئے[۲]

۷- حضرت عبدالمطلب نے قبیلہ خزاعہ میں دو شادیاں کی تھیں[۳]

۸- حضرت عبدالمطلب کے بیٹے مقوم نے انصار میں شادی کی۔

۹- حضرت حمزہ کی دو شادیاں ہوئیں اور دونوں انصار میں ہوئیں۔ ایک بیوی بنونجار سے تھیں اور دوسری قبیلہ اوس سے جو بنونجار سے تھیں ان کا نام خولہ بنت قیس تھا[۴]

۱۰- انصار کے متعدد اشخاص نے بھی قریش میں نکاح کیے تھے[۵]

اس سے صاف ظاہر ہے کہ انصار قریش کے کفو تھے۔ کیونکہ یہ مسلم ہے کہ عرب میں خاندان اور کفو کا بہت لحاظ کیا جاتا تھا۔

خاندانِ انصار کی مندرجہ ذیل خصوصیات کا خود حضرت ابوبکر نے سقیفۂ بنی ساعدہ کی معرکۃ الآرا تقریر میں اعتراف فرمایا ہے:

۱- انصار نے رسولؐ کو اپنے ہاں پناہ دی۔

---

[۱] سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۶۱ ، [۲] سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۶۱
[۳] سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۶۱ ، — تاریخ یعقوبی جلد ۱ ص ۲۹۱
[۴] زرقانی جلد ۳ ص ۲۱۵ مسند جلد ۶ ص ۱۱۴ [۵] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۴

۲۔ انصار رسول اللہ کی حمایت میں سینہ سپر رہے۔
۳۔ انصار کی عادت ہمیشہ ایثار کی رہی انہوں نے ہمیشہ اپنے بھائیوں (مہاجرین) کے ساتھ ایثار سے کام لیا۔

اس کے علاوہ انصار کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ عہدِ نبوت میں جو غزوات پیش آئے اس میں انصار نے مجمع عرب کا مقابلہ کیا اور سب سے زیادہ انہی لوگوں نے جانبازی اور فدائیت کا ثبوت پیش کیا۔ حضرت قتادہؓ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ قبائل عرب میں کوئی قبیلہ انصار سے زیادہ شہداء نہ لا سکے گا۔ میں نے حضرت انس سے سنا کہ احد میں ۷۰، بیر معونہ میں ۷۰ اور یمامہ میں ۷۰ انصاری شہید ہوئے۔

قرآن و حدیث میں مخلص انصار کے فضائل کثرت سے بیان کیے گئے ہیں۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کے متعلق یہ وصیت فرمائی کہ ان کے ساتھ خاص رعایت کی جائے۔ ان کے اچھوں سے سلوک اور بُروں سے درگزر کا برتاؤ کیا جائے[1]

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے جس نے اہل مدینہ کو ڈرایا گویا مجھے ڈرایا[2]

قریش نے انصار کے اسلام کو نہایت خوف اور دہشت کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ چونکہ وہ یہ جانتے تھے کہ انصار ایک جنگجو قوم ہے۔ اور وہ آنحضرت

---

[1] سیر الانصار حصہ اول ص ۱۲۹-۱۱۱ ۔ [2] مسند احمد حنبل جلد ۳ ص ۳۵۴ ۔ سیر الانصار حصہ اول ص ۳۰۲

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کی پوری طرح حفاظت کرے گی اور مسلمان ضرور مدینہ ہجرت کریں گے۔[1]

مدینہ کا علاقہ انصار کی قدیم ملکیت تھا۔ اس کے ماسوا آغازِ اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے بڑی مدد انصار نے کی تھی۔ جس زمانہ میں کہ اسلام بے خانماں تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام قبائل عرب پر اپنے آپ کو پیش کرتے تھے۔ کہ مجھ کو مکہ سے اپنے وطن لے چلو۔ لیکن قریش کے دبدبہ و رعب کی وجہ سے کوئی حامی نہیں بھرتا تھا۔ انصار کے ایک مختصر قافلہ نے جو صرف ۷۰ اشخاص پر مشتمل تھا عرب و عجم کی جنگ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مکہ آکر بیعت کی اور آپ کو اپنے وطن مدینہ میں مدعو کیا۔[2]

۳۔ حضرت سعد بن عبادہ اپنے قبیلہ کے سردار تھے سید الخزرج کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ ان کے دادا دلیم قبیلہ خزرج کے سردارِ اعظم تھے۔ اور مدینہ کے مشہور مخیر تھے۔ خاندان ساعدہ کی عظمت و جلالت کا سکہ انہی نے بٹھایا۔ حضرت سعد کے والد عبادہ، باپ کے خلف الرشید تھے۔ اسی شان سے اپنی زندگی بسر کی اور اپنے بیٹے کے لیے مسندِ امارت و ریاست چھوڑ گئے۔[3]

۴۔ انہیں عرب کے قاعدہ کے مطابق تیر اندازی و تیراکی سکھائی گئی۔[4]

---

[1] سیر الانصار حصہ اول ص۹۔ [2] سیر الانصار حصہ ۲ ص۲۶ و ۲۷۔ [3] سیر الانصار حصہ ۲ ص۱۹۔
[4] طبقات ابن سعد ص۱۴۲ مغازی آنحضرت ص۴ سیر الانصار حصہ ۲ ص۱۹،

۵۔ اگرچہ انصار میں ایک آدمی بھی لکھنا نہیں جانتا تھا لیکن حضرت سعد بن عبادہ کی تعلیم میں جو اہتمام ہوا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ جاہلیت میں ہی نہایت عمدہ عربی لکھ لیتے تھے[۱]۔

۶۔ ان تینوں چیزوں میں اس درجہ کمال بہم پہنچایا کہ استاد ہو گئے۔ اس بنا پر لوگوں نے "کامل" کا لقب دیا[۲]۔

۷۔ عقبۂ ثانیہ میں اسلام قبول کیا۔ اور ان کا شمار بلند پایہ صحابہ میں کیا گیا چنانچہ بخاری میں ہے۔ "وکان ذا قدم فی الاسلام" یعنی بڑے پایہ کے مسلمان تھے[۳]۔

۸۔ بیعت عقبہ جس شان سے ہوئی انصار کے جس قدر آدمی اس میں شامل ہوئے جن اہم شرائط پر بیعت کا انعقاد ہوا یہ کام اگرچہ خفیہ اور نہایت خفیہ تھا لیکن پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔ قریش کو ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فکر لاحق رہتی تھی۔ چنانچہ جس وقت رات کے وقت آپ مکہ سے باہر انصار سے بیعت لے رہے تھے جبل ابو قبیس پر کوئی شخص چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا سعد مسلمان ہوئے تو محمدؐ بالکل نڈر ہو جائے گا۔ قریش کے کان میں اگرچہ یہ آواز پہنچ گئی تاہم ان کا خیال ادھر منتقل نہ ہوا۔ وہ قضاعہ اور تمیم کے سعد نامی اشخاص کو سمجھے۔ اس وجہ سے بیعت میں مزاحمت نہ کی۔

۱؎ تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۴۷۵۔ ۲؎ سیر الانصار حصہ ۲ ص ۱۹ و ص ۲۰

۵؎ سیر الانصار حصہ ۲ ص ۲۰۔

دوسری رات کو پھر اسی پہاڑ سے چند اشعار سنے گئے جن میں صاف صاف ان کا نام و نشان موجود تھا۔ قریش کو سخت حیرت ہوئی۔ تحقیق واقعہ کے لیے قریش کی فرودگاہ میں آئے۔ عبداللہ بن ابی بن سلول سے جو قبیلۂ خزرج کا رئیس تھا گفتگو ہوئی۔ اس نے اس واقعہ سے بالکل لاعلمی ظاہر کی۔ یہ لوگ چلے گئے، تو مسلمانوں نے یارنج کا راستہ لیا۔ قریش نے ہر طرف سے ناکہ بندی کرادی تھی۔ سعد بن عبادہ اتفاق سے ہاتھ لگ گئے۔ کافروں نے ان کو پکڑ کر ہاتھ گردن سے باندھ دیے اور بال کھینچ کھینچ کر زدوکوب کرتے ہوئے مکہ لائے مکہ میں مطعم بن عدی نہایت شریف انسان تھا۔ ابتدائے اسلام میں اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت خدمت کی تھی اس نے حارث بن امیہ بن عبدشمس کو ساتھ لیا۔ اور ان کو پہچان کر قریش کے پنجۂ ظلم و ستم سے نجات دلائی [1]

ادھر انصار میں بڑی کھلبلی پڑی تھی۔ مجلس شوریٰ قائم ہوئی جس میں طے پایا کہ چاہے جانیں خطرہ میں کیوں نہ پڑ جائیں مگر مکہ واپس چل کر سعد کا پتہ لگانا چاہیئے۔ ان کا یہ ارادہ ابھی قوت سے فعل میں نہ آیا تھا کہ سعد آتے ہوئے نظر آئے۔ اور وہ ان کو لے کر سیدھے مدینہ روانہ ہو گئے [2]

---

[1] طبقات ابن سعد ج اق ا صنہ ۱۵۱، سیر الانصار حصہ دوم صنہ ۲۰ و صہ ۲۱

[2] طبقات سعد ج اق ا صنہ ۱۵۱، سیر الانصار حصہ ۲ صہ ۲۱

۹۔ ۲ھ میں سرکارِ رسالت ابوا تشریف لے گئے۔ یہ بستی مکہ کی طرف واقع ہے۔ قریش کی تلاش میں تشریف لے گئے تھے۔ اس لشکر میں کوئی انصاری نہ تھا۔ حضرت سعد کو مدینہ میں اپنا قائم مقام اور جانشین بنا دیا[۱]

۱۰۔ غزوۂ بدر میں اگرچہ غزوہ کا سامان حضرت سعد نے کیا تھا، لیکن کتے نے انہیں کاٹ کھایا، اس لیے بدر میں جنگ میں شرکت نہ فرما سکے۔ سرکارِ رسالت نے سنا تو فرمایا، افسوس، ان کو شرکت کی بڑی حرص تھی۔ تاہم حضور نے مالِ غنیمت میں حصہ لگایا اور اصحابِ بدر میں شامل کیا[۲]

۱۱۔ ایک دفعہ مدینہ سے باہر جا کر بھی آنحضرت کی رکاب میں جنگ کرنے کا سعد بن عبادہ نے ان الفاظ میں اعلان کیا:۔

"اے اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر آپ سمندر کا حکم دیں تو اسے پامال کر ڈالیں اور اگر خشکی کا حکم دیں تو برک غماد (یمن کا ایک مقام ہے) تک اونٹوں کے کلیجے پگھلا دیں۔ یہ سنکر رسول اللہ خوش ہوئے اور جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا[۳]"

---

[۱] طبقات ابن سعد صـ۳، مغازی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، سیر الانصار حصہ ۲ صـ۲۱

[۲] فتح الباری جلد ۷ صـ۲۲۴، سیر الانصار حصہ ۲ صـ۲۲

[۳] صحیح مسلم جلد ۲ صـ۸۴، سیر الانصار حصہ ۲ صـ۲۲۔

۱۲۔ غزوۂ اُحد میں مشرکین اس سر و سامان سے آئے تھے کہ مدینہ والوں پر خوف طاری ہو گیا تھا۔ شہر میں تمام رات شبِ جمعہ پہرہ رہا۔ اس موقعہ پر حضرت سعدؓ چار اکابر انصار کے ساتھ مسجد نبوی میں ہتھیار لگائے سرکار رسالت کے مکان کی حفاظت کر رہے تھے[1]

۱۳۔ غزوۂ احد میں سرکارِ رسالت نے خزرج کا علم حضرت سعد بن عبادہ کے سپرد کیا[2]

۱۴۔ بروز شنبہ (شنبہ) اُحد میں سخت رن پڑا مسلمانوں کے پیر اکھڑ گئے تھے۔ مہاجرین و انصار میں سے صرف ۱۴ آدمی ثابت قدم رہے تھے حضرت سعد بن عبادہ کا شمار ان ہی میں سے ہے[3]

۱۵۔ غزوۂ مصطلق جو ۵ھ میں ہوا اوس و خزرج دونوں جماعتوں کا علم حضرت سعد بن عبادہ کے سپرد ہوا[4]

۱۶۔ غزوۂ احزاب (جنگِ خندق) میں انصار کا علم سعد بن عبادہ کے پاس تھا[5]

۱۷۔ ۶ھ میں سرکارِ رسالت نے غابہ پر حملہ کیا اور حضرت سعد بن عبادہ کو ۳۰۰ آدمیوں کا افسر مقرر کر کے مدینہ کی حفاظت کے لیے چھوڑ گئے اور اپنی جانشینی کا فخر عطا فرمایا[6] وہاں امداد کی ضرورت ہوئی

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۲۶ حصہ مغازی، سیر الانصار ج ۲ ص ۲۳
[2] سیر الانصار حصہ ۲ ص ۲۳، [3] زرقانی جلد ۲ ص ۴۰، [4] طبقات سعد ص ۴۵ باب مغازی
[5] طبقات سعد ص ۴۷ باب مغازی، [6] طبقات سعد ص ۵۸ باب مغازی۔

حضرت سعد نے ۱۰ اونٹ اور چھوہاروں کے بہت سے گٹھے روانہ کئے جو رسول اللہ کو ذی قرد میں مل گئے[1]

۱۸۔ ۶ھ میں صلح حدیبیہ اور بیعت رضواں ہوئی۔ آپ اس میں شریک تھے[2]

۱۹۔ غزوۂ خیبر ۷ھ میں تین جھنڈے تھے۔ جن میں سے ایک حضرت سعد کے پاس تھا[3]

۲۰۔ فتح مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم آپ کے پاس تھا[4]

۲۱۔ فتح مکہ کے بعد حنین کا معرکہ ہوا۔ اس میں قبیلہ خزرج کا علم حضرت سعد ہی کے پاس تھا (فتح الباری جلد ۸ ص۷ استیعاب جلد ۲ ص۴۵۔ ۵۷ و ۱۲)

۲۲۔ ان غزوات کے علاوہ جو لڑائیاں عہدِ نبوی میں ہوئیں ان میں حضرت سعد نے نمایاں طور پر حصہ لیا۔ میدانِ جنگ میں انصار کے وہی علمبردار ہوتے تھے[5]

۲۳۔ انصار میں دو بزرگ قوم کے سردار تسلیم کیے جاتے تھے۔ حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ، حضرت سعد بن معاذ زمانۂ رسالت میں انتقال فرما گئے۔ حضرت سعد بن عبادہ باقی رہے جن کا اوس و خزرج میں وجاہت اور امارت میں کوئی حریف و مقابل نہ تھا[6]

---

[1] طبقات سعد ص۵۸ باب مغازی، [2] سیر الانصار حصہ ۲ ص۲۴، [3] طبقات سعد ص۷، [4] طبقات سعد ص۹۰ فتح الباری جلد ۸ ص۷
[5] سیر الانصار حصہ ۲ ص۲۴ [6] سیر الانصار حصہ ۲ ص۲۶

۲۴۔ حضرت سعد بن عبادہ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جو تقریر کی اس کا ماحصل یہ ہے:

انصار کو جو شرف اور سبقت فی الدین حاصل ہے عرب کے کسی قبیلہ کو حاصل نہیں، آنحضرتؐ دس برس سے زیادہ اپنی قوم میں رہے لیکن ان کی کسی نے نہ سُنی۔ جو لوگ ان پر ایمان لائے وہ تعداد میں بہت کم تھے۔ ان میں نہ تو رسول اللہ کی حفاظت کی طاقت تھی نہ دین کے بلند کرنے کی قوت، وہ تو خود اپنی حفاظت سے عاجز تھے۔ خدا نے جب تم کو فضیلت دینا چاہی تو یہ سامان بہم پہنچایا کہ تم ایمان لائے، رسول اللہ اور ان کے اصحاب کو پناہ دی۔ اور اپنے سے رسول اللہ کو عزیز سمجھا، ان کے اعدا سے جہاد کیا۔ یہاں تک کہ تمام عرب طوعاً و کرہاً خلافتِ الٰہی میں شامل ہو گیا۔ اور بعید و قریب سب نے گردنیں ڈال دیں۔ پس یہ تمام مفتوحہ علاقہ تمہاری تلواروں کا مرہونِ منت ہے۔ رسول اللہ زندگی بھر تم سے خوش رہے اور وفات کے وقت بھی خوش گئے اس بنا پر خلافت کا تم سے زیادہ کوئی مستحق نہیں۔"

تقریر ختم ہوئی تو تمام مجمع نے یکزبان ہو کر کہا کہ رائے نہایت معقول و صائب ہے۔ ہمارے نزدیک اس منصب کے لیے آپ سے زیادہ کوئی موزوں نہیں، ہم آپ ہی کو خلیفہ بنائیں گے[1]

---

[1] سیر الانصار حصہ ۲ ص ۲۸۔

۲۵۔ حضرت سعد نے احادیث کی کتابیں بھی لکھی ہیں مسند احمد بن حنبل میں ہے۔ کہ انہوں نے حضرت سعد بن عبادہ کی کتابوں یا کتاب میں پایا[1]

۲۶۔ حضرت سعد بن عبادہ نہایت سخی، جواد اور فیاض تھے۔ اسماء الرجال میں ان کا تذکرہ ان الفاظ میں ہے۔ وکان کثیر الصدقات جدا۔ سعد بہت ہی کثیر الصدقات تھے۔ اصحاب صفہ صحابہ کی ایک جماعت تھی جو دور و دراز ملکوں سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں آئی تھی۔ ان کا منشا تحصیل علم اور تکمیل مذہب ہوتا تھا۔ رسول اللہ نے ان کو ذی مقدرت لوگوں سے متعلق کر رکھا تھا۔ چنانچہ اور لوگ تو ایک دو آدمی اپنے ہاں لے جاتے تھے لیکن حضرت سعد ۸۰ آدمیوں کو برابر شام کے کھانے پر مدعو کرتے تھے[2]

---

[1] مسند جلد ۵ ص ۲۸۵ [2] سیر الانصار حصہ ۲ ص ۳۲

سوالات

۱۔ حضرت سعد بن عبادہ کا نسب بیان کرکے ان کے خاندان کی جو رشتہ داریاں قبل بعثت خاندانِ رسالت سے تھیں بتلائیے۔ اور اس سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے اسے بیان کیجئے۔

۲۔ خاندانِ انصار کی کون سی خصوصیات ہیں جن کا حضرت ابوبکر نے سقیفۂ بنی ساعدہ میں اعتراف فرمایا۔

۳۔ غزوات عہدِ نبوت میں انصار کی امتیازی شان کو نمایاں کیجئے۔

۴۔ انصار کے فضائل میں جو احادیث ہیں انہیں بیان کیجئے۔

۵۔ انصار کے اسلام لانے کا قریش پر کیا اثر پڑا، انہیں قبائل عرب میں کیا خصوصیت حاصل ہے؟ انصار نے رسول اللہؐ سے کس بات پر بیعت کی تھی؟

۶۔ سعد بن عبادہ اور ان کے گھرانے کی قبیلہ خزرج میں کیا پوزیشن تھی، ان کی علمی اور فنی قابلیتوں پر اظہارِ خیال کیجئے۔

۷۔ سعد بن عبادہ کے اسلام لانے کے واقعات لکھیئے۔

۸۔ حضرت سعد کی مدینہ میں قائم مقامی اور ان کے متعلق

نواں باب

حضرت ابوبکر حزبِ اقتدار کے نمائندہ کی خصوصیات

۱۔ **نسب۔** حضرت ابوبکر عبداللہ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب القرشی التیمی ہے۔ اور سلسلۂ نسب میں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مرہ سے ملتے ہیں[1] یعنی ساتویں، آٹھویں پشت میں رسول اللہ سے ملحق ہیں۔

۲۔ آپ دستِ حق پرست سرکارِ رسالت پر ساتویں نمبر پر زید بن حارثہ کے بعد مشرف باالاسلام ہوئے۔

۳۔ آپ نے رسول اللہ کے ساتھ ہجرت فرمائی اور غار میں حضور کے ساتھ چھپے۔ رسول اللہ اس وقت آپ کو ان قرآنی الفاظ میں تسلی دے رہے تھے لاتحزن ان اللہ معنا۔ حزن و ملال نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

۴۔ مجمل طور پر کہا جاتا ہے کہ آپ نے رسول اللہ کی مالی مدد فرمائی

---

[1] تاریخ الخلفاء (اردو ترجمہ) ص۱۵ مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور

مگر اس کی تفصیل نہیں ملتی۔ شعب ابو طالب میں محصور ہونے کا زمانہ رسول اللہ پر نازک ترین دور تھا۔ اور آپ کو مالی امداد کی انتہائی ضرورت تھی۔ اس زمانہ میں آپ نے رسول اللہ کی مالی مدد کی ہو اس سے تاریخ خاموش ہے اور کوئی ریکارڈ نہیں ملتا۔

۵۔ ہجرت کے موقعہ پر آپ نے رسول اللہ کی خدمت میں ایک اونٹ پیش کیا۔ مگر سرکارِ رسالت نے اسے بلا قیمت قبول نہیں فرمایا اور قیمت پر معہ منافع آپ سے خرید فرمایا۔

۶۔ آپ معمر اور مسن تھے۔ رسول اللہ سے تقریباً دو اڑھائی سال چھوٹے تھے۔

۷۔ آپ غزوہ بدر میں عریش کے محفوظ مقام میں بیٹھے ہوئے تھے۔

۸۔ حضرت ام المومنین بی بی عائشہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر نے اپنے ساتوں غلام آزاد کر دیئے۔

۹۔ حضرت ابوبکر نے اپنی بیٹی حضرت ام المومنین بی بی عائشہ کا عقد رسول اللہ سے کر دیا۔

۱۰۔ جنگِ احد میں اکثر مسلمان رسول اللہ کو میدانِ جنگ میں چھوڑ کر چل دیئے تھے۔ ان میں حضرت ابوبکر بھی تھے۔

۱۱۔ جنگِ خندق میں آپ کا کوئی کارنمایاں نظر نہیں آتا آپ نے ایک کافر کو بھی نہیں مارا۔

۱۲۔ جنگ خیبر میں آپ کو نمایاں ہونے کا موقعہ ملا۔ مگر آپ قلعہ کو فتح نہ کر سکے۔ اور بے نیل و مرام واپس آ گئے۔

۱۳۔ فتح مکہ کے دن آپ نے سارا وقت اپنے پرانے دوستوں میں گزارا۔

۱۴۔ جنگ حنین میں آپ ثابت قدم نہ رہے۔

۱۵۔ رسول اللہؐ کی زندگی میں آپ کو کبھی رسول اللہ کی قائمقامی یا جانشینی کا موقعہ نہ ملا۔ زمانۂ علالت میں آپ کی پیش نمازی کی روایت مشہور ہے جس پر ہم اس کتاب کی پہلی جلد میں روشنی ڈال چکے ہیں۔

۱۶۔ آپ سے رسول اللہ نے کبھی راز داری کی باتیں نہیں کی ہیں۔

۱۷۔ آپ نہ نزول آیۂ تطہیر میں شامل تھے اور نہ مباہلہ میں شریک تھے۔

۱۸۔ آپ کو نہ معصوم ہونے کا دعوےٰ ہے اور نہ مسلمانوں میں سے کوئی آپ کی عصمت کا قائل ہے۔ بلکہ اقوال و خطبات میں آپ کو اپنے غیر معصوم ہونے کا اعتراف ہے۔

۱۹۔ آپ حضرت اسامہ کے ماتحت جیش اسامہ میں بحکم رسول مامور تھے۔ مگر آپ اس میں تشریف نہیں لے گئے۔

۲۰۔ آپ کا غزوات رسول میں کسی غزوہ میں کفار میں سے

کسی کو مارنا ثابت نہیں ہے۔

۲۱۔ آپ کا غزوات رسول میں کسی غزوہ میں خفیف سے خفیف زخم کھانا ثابت نہیں ہے۔

۲۲۔ آپ سورۂ برائت کی تبلیغ پر مامور ہوئے تھے۔ مگر پھر یہ فریضہ حضرت علیؑ کے سپرد کیا گیا اور آپ واپس بلا لیے گئے۔

۲۳۔ آپ کا کئی ایک مسائل شرعیہ سے واقف نہ ہونا کتب سے ثابت ہے اور آپ نے کبھی علمی خصوصیت کا اعلان بھی نہیں فرمایا۔

۲۴۔ آپ وقت وفات رسول مدینہ میں موجود نہیں تھے۔ بلکہ اپنی نئی بیوی کے ساتھ محلہ سخ میں تھے۔

۲۵۔ آپ اپنی کمزوریوں سے اچھی طرح آگاہ تھے اور ان کے بیان کرنے میں نہایت صاف گوئی سے کام لیتے تھے جیسا کہ آپ کے خطبات سے ظاہر ہے۔

۲۶۔ آپ رسول اللہ کے جنازے کو بے گور وکفن چھوڑ کر سقیفۂ بنی ساعدہ میں تشریف لے گئے اور وہاں حصولِ خلافت کے لیے جد و جہد فرمائی۔

سوالات

۱۔ حضرت ابوبکر کا نسب بیان کرکے لکھو کہ وہ کس پشت میں رسول اللہ سے ملحق ہوتے ہیں؟
۲۔ آپ کتنے آدمیوں کے بعد اسلام آئے اور آپ کی واقعۂ ہجرت میں شمولیت کو بیان کیجئے۔
۳۔ کیا آپ نے رسول اللہ کی مالی امداد کی؟
۴۔ واقعۂ ہجرت میں اونٹ کی خرید و فروخت کے واقع کو بیان کیجئے۔
۵۔ آپ کے سن و سال کو لکھیے۔ آپ کی رسول اللہ سے کیا قرابت تھی۔
۶۔ کیا جنگِ بدر و احد میں آپ نے کوئی عسکری خدمت انجام دی؟
۷۔ جنگِ خندق و جنگِ خیبر میں آپ سے کوئی کارِ نمایاں ہوا۔
۸۔ فتح مکہ اور غزوۂ حنین میں آپ نے کیا حصہ لیا۔
۹۔ کیا آپ کو عہدِ رسالت میں رسول اللہ کی قائمقامی کا کوئی موقعہ ملا؟
۱۰۔ کیا آپ نے عصمت کا کبھی دعویٰ کیا؟

۱۱۔ کیا غزوات میں آپ کے ہاتھ سے کوئی شخص مارا گیا یا آپ کے جسم پر کوئی زخم آیا؟

۱۲۔ جیش اسامہ میں آپ کی کیا پوزیشن تھی اور کیا جیش اسامہ میں آپ نے ارشادات سرکار رسالت کی تعمیل کی؟

۱۳۔ سورۂ برأت میں آپ کے تقرر کے بعد کیا ہوا؟

۱۴۔ آپ کی علمی خصوصیات پر روشنی ڈالیے۔

۱۵۔ کیا آپ نے تجہیز و تکفین سرکار رسالت میں شرکت کی اگر نہیں تو کیوں؟

دسواں باب

ارتدادی زلزلہ

حضرت ابوبکر کی عام مخالفت

اس مخالفت کو دبانے کے لیے تدابیر

اگرچہ مدینہ طیبہ میں ایک پارٹی نے بیعت کرلی تھی اور اس گروہ کی سیاست سے عوام نے (فلتۃً) بغیر سوچے سمجھے انہیں خلیفہ تسلیم کرلیا تھا۔ مگر ملک کی اکثریت ان کے خلاف تھی۔ کوئی قبیلہ، کوئی گروہ، کوئی مقام اور کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں یہ سیلاب نہ پہنچا ہو۔ عرب بھر کے قبائل کے نام گنوانے کی ضرورت نہیں۔ اس مخالفت کے شواہد ہیں۔

تمام عرب مرتد ہوگیا

۱۔ ارتدت العرب اما عامۃ او خاصۃ من کل قبیلۃ وظھر النفاق

تمام عرب عام خاص ہر قبیلہ کے مرتد ہوگئے۔ نفاق ہر طرف ظاہر ہونے لگا[۱]

---

[۱] تاریخ طبری و کامل

۲- ارتدت کل قبیلۃ عامۃ وخاصۃ الا قریشاً وثقیفاً
عرب کا ہر قبیلہ وہ عام ہو یا خاص سوا قریش اور ثقیف کے مرتد ہو گیا [1]

۳- حضرت ام المومنین بی بی عائشہ فرماتی ہیں کہ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں نفاق پیدا ہو گیا۔ عرب مرتد ہو گئے اور انصار جدا ہو گئے [2]

یہ ارتداد کیسا

بظاہر کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ رسول اللہؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی تمام قبائل عرب اسلام سے کیوں پلٹ گئے کیا تمام عالم اسلامی رسول اللہؐ کی رعایت کرتے ہوئے اسلام لایا تھا؟ کیا رسول اللہؐ کا کوئی خاص اثر ان لوگوں پر تھا؟ کیا رسول اللہؐ نے دولت کے زور سے ان لوگوں کو مسلمان بنایا تھا؟ کیا رسول اللہؐ نے تلوار کے زور سے اسلام پھیلایا تھا؟ اس محل پر جو اس قسم کے سوالات انسانی دماغ پیدا کرتا ہے ان کا اقرار اور ان کی تائید کوئی مسلمان نہ کر سکتا ہے اور نہ کرے گا۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کے مان لینے کے بعد تبلیغ رسول پر کاری ضرب پڑتی ہے۔ پھر آخر کیا وجہ تھی کہ صرف دو قبیلے مسلمان رہ گئے۔ باقی ساری دنیا کا فراد مرتد ہو گئی۔

جس ارتداد کا یہ شور وغل ہے وہ آخر کیا تھا

اس ارتداد کی حقیقت پر چند واقعات

---

[1] تاریخ کامل ص ۱۳۰ ، [2] تاریخ الخلفاء اردو ترجمہ ص ۷۲ مطبع صدیقیہ لاہور

نی ڈال رہے ہیں۔ عمرو بن حریث نے سعید بن زید سے پوچھا تھا کہ
رسول اللہ کی موت کے دن موجود تھے۔ کہا ہاں، کہا کہ بیعت ابی بکر
دن ہوئی تھی جواب دیا اسی دن جس دن رسول اللہ نے وفات پائی
کیونکہ لوگوں نے خیال کیا کہ بغیر خلیفہ کے رہنا ٹھیک نہیں۔ پوچھا تو کیا
نے اختلاف تو نہیں کیا۔ جواب دیا کہ نہیں بس اسی نے اختلاف کیا
مرتد تھا یا عنقریب مرتد ہو جانے والا تھا[1]

اس جواب نے سب مخالفت کرنے والوں کو خواہ وہ بنی ہاشم ہوں
ہاجر یا انصار، ارتداد کے دامن میں سمیٹ لیا اور مخالفت کرنے والے
اقتدار کو مرتد نظر آنے لگے۔ جو لوگ مرتد کہے جاتے ہیں وہ مسلمان
یا نہیں۔ اس کو ان کے عقائد سے جانچئے۔ چنانچہ اولاد عبد مناۃ کا
شمار مرتدین میں کیا گیا ہے۔ اور دیگر قبائل کا بھی۔ صرف اس لیے کہ وہ اس
بیعت ابی بکر کے قائل نہ تھے اور نہ ان کو خلیفہ مانتے تھے۔ یہ لوگ بنی
یان کہلاتے تھے۔ ان کا اسلام اور ان کا ارتداد اس شعر سے معلوم ہو جائیگا

اطعنا رسول اللہ ما کان بیننا
فیال عباد اللہ ما لابی بکر

ہم نے رسول اللہ کی اطاعت کی جب تک وہ ہم میں زندہ رہے
یہ ابو بکر کو کیا ہو گیا ہے، ہم ان کی اطاعت کیوں کریں[2]

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۲۰۱ طبع مصر
[2] تاریخ طبری صفحہ ۲۱۳

مالک بن نویرہ | مالک بن نویرہ کا مشہور واقعہ ہے، جسے ہم مانعین زکوٰۃ کے حالات میں لکھیں گے، ان کے مسلمان ہونے پر بعض اصحاب نبی اور خود حضرت عمر کی گواہیاں موجود ہیں مگر اس کے وہ قتل کر دیے گئے اور ارتداد کا الزام ان کے قتل کا باعث۔ مالک کے اسلام پر جن لوگوں نے گواہی دی ان میں ابو قتادہ صحابی بھی تھے[1]

اس مخالفت کو دبانے کیلیے حضرت ابوبکر کا عام حکمنامہ

حکمنامہ حضرت ابوبکر خلیفۃ المسلمین :-

"یہ خط ہے ابوبکر خلیفۂ رسول کی طرف سے ہر خاص و عام کی طرف خواہ وہ اسلام پر قائم ہو یا اس سے پھر گیا ہو،

"میں فلاں شخص کو ایک فوج کے ساتھ تمہاری طرف روانہ کر رہا ہوں اور اس فوج کو میں نے حکم دیا ہے کہ تم لوگوں میں جو شخص میرا حکم نہیں مانے اس سے ضرور لڑے اور جو شخص قابو میں آ جائے اس پر ذرہ برابر بھی رحم نہ کرے۔ ان سب کو آگ میں جلا دے۔ سب کو اچھی طرح قتل کرے اور عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنائے[2]"

جیش اسامہ کی روانگی | صفر ۱۱ھ میں رسول اللہ نے اپنے سے چند روز قبل باوجود شدت مرض

[1] تاریخ کامل ابن اثیر جزری و تاریخ ابن جریر طبری [2] تاریخ طبری جلد ۳ ص ۲۲۵

دیا کہ اہل روم کے ساتھ جنگ کرنے کو جائیں اور اسامہ بن زید کو اس لشکر
کا افسر مقرر فرمایا۔ اس وقت اسامہ کی عمر ۱۸ یا ۱۹ برس کی تھی۔ رسول اللہ
نے بھی فرمایا تھا کہ سوائے حضرت علیؑ کے سب مہاجرو انصار یعنی حضرت
ابوبکر، عمر، عثمان، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ بن الجراح، سعید بن زید
اور قتادہ بن النعمان وغیرہ اسامہ کے ماتحت جائیں۔ صحابہ کو یہ ناگوار گزرا
اور بدگوئیاں کرنے لگے۔ جب سرکار رسالت کو اس کا علم ہوا، باوجود شدت
مرض خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا کہ لوگو! تم اسامہ کی سرداری سے معترض ہو
کر اعتراض کر رہے ہو۔ جس طرح اس کے باپ زید کے سردار فوج ہونے پر
اعتراض کر رہے تھے۔ خدا کی قسم وہ سرداری کا سزاوار ہے اور اس کا باپ
بھی تھا۔ میں ان باپ بیٹے کو بہت عزیز رکھتا ہوں۔ اس کے ساتھ جاؤ
اسامہ لشکر کو لے کر روانہ ہوا۔ حضرت ابوبکر و عمر اب بھی اس کے ساتھ نہیں
گئے تھے بلکہ مدینہ میں رہ گئے تھے۔ جب رسول اللہ کی حالت نازک ہو
گئی تو اسامہ کی ماں نے اسے واپس بلا لیا۔[۱]

جب سرکار رسالت کا انتقال ہو گیا تو حضرت ابوبکر نے عنانِ حکومت
ہاتھ میں لے کر جیش اسامہ کو سرحد شام کی طرف روانہ کر دیا۔ اس میں ایک
مصلحت یہ بھی تھی کہ حضرت ابوبکر اس شدید مخالفت کا جوان کے
خلاف شروع ہو گئی تھی، رُخ فوجی مہم کی طرف پھیرنا چاہتے تھے۔ حضرت
ابوبکر کی یہ نفسیاتی حکمت بہت کامیاب رہی۔

---

[۱] مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۸۸، تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۲۰، طبری جلد ۲ صفحہ ۱۸۴۔

مدینہ خطرہ میں

حضرت ابوبکر کی مخالفت کرنے والے قبائل مدینہ کے لیے تیاریاں کرنے لگے۔ حضرت ابوبکر نے مدینہ کے مخالفوں کا مقابلہ کرنے اور دارالحکومت کو بچانے کے لیے شروع کیے۔ آپ نے ابرق کے مقام پر بنی عبس سے جنگ کی وہ شکست کھا کر بھاگ گئے تو یہ آگے بڑھے اور بنی ذبیان سے لڑائی ہوئی انہیں ... کرکے مدینہ کو حملہ سے بچایا۔ غلبہ کے بعد بنی ذبیان کی چراگاہیں اپنی فوج گھوڑوں کے لیے وقف کر دیں۔

مانعین زکوٰۃ یا منکرین زکوٰۃ

ذہبی لکھتے ہیں کہ جب وفات جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام خبر گرد و نواح میں مشہور ہوئی تو اکثر قبائل عرب اسلام سے مرتد ہو گئے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا پس حضرت ابوبکر نے ان پر فوج کشی کا حکم دیا حضرت عمر وغیرہ نے ان کو روکنا چاہا مگر آپ نے فرمایا۔ واللہ جو کچھ وہ لوگ رسول کی خدمت میں ادا کرتے تھے اگر اس میں سے ایک بزغالہ یا پائی بھی روکیں تو میں ان سے تا وصولی لڑتا جاؤں گا۔ حضرت عمر نے کہا کہ رسول اللہ نے تو یہ فرمایا ہے کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ کفار سے اس وقت تک جب تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ اور کہ میں محمد رسول اللہ ہوں نہ کہیں جب کہہ دیں تو ان کا مال اور خون مجھ پر منع ہو گیا مگر بوجہ ادائے حق کے کہ ان کا حساب خدا پر ہے اس صورت میں آپ ان پر ہاتھ کس طرح اٹھاتے ہیں۔ آخر وہ اس کلمہ میں تو شریک ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا

واللہ میں ان لوگوں سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق سمجھتے ہیں آخر زکوٰۃ بھی تو بیت المال کا حق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرما بھی دیا ہے کہ ادائے حق کے لیے ان کا مال اور خون مجھ پہ جائز ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ سنکر میں خاموش ہو رہا۔[1]

اس بیان سے اس ارتداد کی قلعی کھل جاتی ہے جس کا عام طور پہ شہرہ ہے ظاہر ہے کہ کچھ لوگ ایسے تھے جو کلمہ بھی پڑھتے تھے نماز بھی پڑھتے تھے مگر حضرت ابوبکر کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر رہے تھے جیسا کہ اس جملہ سے ظاہر ہے " میں ان لوگوں سے ضرور لڑوں گا، جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کو اصول زکوٰۃ سے انکار نہیں تھا، البتہ اس نظامِ حکومت کو زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار تھا جو ایک پارٹی نے مدینہ میں قائم کی تھی۔ اگر اصولِ جمہوریت پر اس اعلانِ جنگ کو پرکھا جائے تو وہ پورا نہیں اترتا، اس لیے کہ جمہوریت میں کسی ایسی جماعت پر حکومت کو ٹیکس عائد کرنے کا حق نہیں، جسے حکومت کے انتخاب میں نمائندگی نہ دی گئی ہو۔

ہمیں تو اس امر پر تعجب ہے کہ خلافت اربعہ میں سے پہلی حکومت میں زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے مرتد قرار دیے گئے اور چوتھی حکومت میں علی الاعلان بغاوت کرنے والوں اور مسلمانوں کا اس بغاوت میں خون بہانے والوں پر خطائے اجتہادی کا پردہ ڈال کر انہیں اللہ کے نزدیک ماجور و مثاب قرار دیا گیا۔ ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

---

[1] تاریخ الخلفاء اردو ترجمہ ص۲۲ مطبع صدیقی لاہور

حنظلہ بن علی نے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر نے خالد بن ولید کو بھیجتے ہوئے ہدایت فرمائی تھی کہ مرتدین سے پانچ امور کی نسبت جنگ کرنا اگر ان میں سے کوئی ایک سے بھی انکار کرے تو اس سے ایسا ہی جنگ کیا جائے گویا کہ وہ پانچوں سے انکاری ہیں۔ جو کہ شہادۃ لا الہ الا اللہ محمد عبدہ ورسولہ (سے انکار کرے) اور نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا اور روزہ رکھنا ہیں[1]

خلط مبحث

مسلمان مورخوں نے حضرت ابوبکر کی اسی خلافت کے تذکرہ میں مرتدین اور منکرین زکوٰۃ کو اس طرح ملا جلا دیا ہے کہ جس نے حضرت ابوبکر کو زکوٰۃ دینے سے انکار کیا۔ اسی بات پر انہیں مرتد لکھنا شروع کر دیا۔ اس لیے مرتد اور مانع زکوٰۃ میں فرق بیان کرنا نہایت ضروری ہے۔ ہم ان لوگوں کو جو خدا کو ایک مانتے تھے رسول اللہ کو پیغمبر جانتے تھے اور نماز پڑھتے تھے، صرف حضرت ابوبکر کو زکوٰۃ نہ ادا کرنے پر مرتد نہیں کہہ سکتے

مرتد کس کو کہتے ہیں

المرتد شرعاً ھو الذی یکفر بعد الایمان شرعی طور پر مرتد وہ شخص ہے جو ایمان قبول کرنے کے بعد کافر ہو جائے[2] یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ جو مسلمان اسلام سے برگشتہ ہو جائے اسی کو مرتد کہتے ہیں۔ اگر زکوٰۃ نہ دے، خمس نہ دے، روزہ نہ رکھے، حج نہ کرے، اسکو کسی طرح مرتد نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ اگر وہ شراب پیئے، چوری کرے، زنا کرے جب بھی مرتد نہیں کہا جا سکتا۔ اگر اسلام کے

---

[1] تاریخ الخلفاء اردو ترجمہ صہ ۹۲ [2] کلیات ابوالبقا جلد ۱ صہ ۵۱

سی ایک حکم سے انحراف کرنے سے مسلمان مرتد ہو جاتا ہے تو ہر زمانے میں مسلمانوں
یں اس قدر لوگ مرتد ہو جاتے ہیں کہ جو شمار میں نہیں آ سکتے۔

فقال النبی ذالک جبرئیل اتانی اخبرنی انہ من مات من
متی لا یشرک باللہ شیئًا دخل الجنۃ قلت یارسول اللہ
وان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق[1]۔ سرکار رسالت
نے فرمایا۔ یہ کہ جبرئیل میرے پاس آئے اور مجھے خبر دی کہ جو میری امت
سے مرجائے اور وہ اللہ کے ساتھ کسی معبود کو شریک نہ کرے یعنی وہ مشرک
ہو وہ جنت میں جائے گا۔ میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول!
اگرچہ وہ شخص زنا اور چوری کرے، فرمایا ہاں اگرچہ زنا
ور چوری کرے اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ جو شخص مشرک نہیں
وہ اپنے اعمال قبیحہ کی سزا بھگت کر بہشت میں داخل ہوگا۔ نتیجہ یہ ہے کہ
جو شخص شرک نہ کرے وہ شخص کسی طرح مرتد نہیں کہا جا سکتا۔ حضرت ابوبکر
لو جو لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے تھے وہ چیخ چیخ کر خدا کی وحدانیت اور رسول اللہ
کی رسالت کا اعلان کر رہے تھے اس لیے وہ مشرک نہیں تھے۔ اور جب انہوں
نے شرک نہیں کیا تو وہ مرتد بھی نہیں ہو سکتے۔

کیا زکوٰۃ نہ دینے والوں سے جہاد جائز ہے

قرآنِ مجید میں ایک آیت بھی ایسی نہیں
مل سکتی جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ زکوٰۃ نہ دینے والوں سے لڑو۔ اور انہیں

---

[1] صحیح بخاری پ ۲۶ باب من اجاب ص ۳

قتل کرو، سرکارِ رسالت کی کوئی ایسی حدیث بھی نہیں مل سکتی جس میں صاف طور پر وضاحت کی گئی ہو کہ زکوٰۃ نہ دینے والوں کی سزا قتل ہے۔ سرکارِ رسالت کے زمانے میں کچھ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا، مگر آنحضرتؐ نے نہ جہاد کیا نہ ان پر فوجیں بھیجیں، نہ ان کو قتل کیا اور نہ زندہ جلایا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں یہ واقعہ موجود ہے

جناب رسالتمآبؐ نے زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم دیا تو حضرت سے عرض کیا گیا کہ ابن جمیل، خالد بن ولید اور عباس بن عبد المطلب زکوٰۃ نہیں دیتے حضورؐ نے فرمایا، ابن جمیل کیوں انکار کرتا ہے۔ حالانکہ وہ فقیر تھا اللہ نے اسے مالدار کر دیا ہے اور خالد پر تم لوگ زیادتی کرتے ہو اس نے اپنی زرہوں اور ہتھیاروں کو راہِ خدا میں جہاد کرنے کی غرض سے روک رکھا ہے عباس ابن عبد المطلب تو رسول اللہؐ کے چچا ہیں تو یہ اور اس جیسی اور زکوٰۃ بھی ان کا حق ہے[1]

قرآن اور حدیث کے علاوہ اہل سنت والجماعت کے اصول میں اجماع کو بھی شرعی دلیل تسلیم کیا گیا ہے مگر حضرت ابو بکر نے منکرین زکوٰۃ کے معاملہ میں اسے بھی نظر انداز فرما دیا، تمام صحابہ کا اجماع ہو گیا تھا کہ زکوٰۃ نہ دینے والے مسلمان اور اہل قبلہ ہیں ان سے جہاد جائز نہیں، لوگوں نے بہت سمجھایا حتیٰ کہ سلطنت کے مشیر اعلیٰ حضرت عمر نے بھی اس امر میں مخالفت کی مگر حضرت ابو بکر نے کسی کی نہیں مانی اور یہی کہتے رہے کہ اگر کوئی اونٹ کی رسی بھی نہیں دے گا۔ تو

---

[1] صحیح بخاری پ ۶ ص ۴۵ کتاب الزکوٰۃ

منکرین زکوٰۃ سے میں تنہا لڑوں گا۔

مالک بن نویرہ اور اس کے قبیلہ کا قتل

علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ مالک بن نویرہ عرب میں ایک صاحب عزت و احترام شخص تھے ان کی عزت اور وجاہت کا یہ عالم تھا کہ ان کے متعلق مشہور ضرب المثل تھی۔ فتی و لا کمالک یعنی جوان ہونے کو بہت سے ہوں گے مگر مالک جیسا کوئی جوان نہیں۔

مالک کو صحابی رسول ہونے کا بھی شرف حاصل تھا۔ محدثین میں علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی تالیف اصابہ میں جو انہوں نے صحابہ کے سوانح میں لکھی ہے ان کا ذکر کیا ہے۔

سرکار رسالت نے ان کے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد انہیں قبیلہ بنی یربوع سے زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور فرمایا تھا۔ جب سرکار رسالت کا انتقال ہوگیا اور مالک بن نویرہ کو اس کی خبر پہنچی تو انہوں نے اپنی قوم سے زکوٰۃ کی وصولی ملتوی کر دی اور کہا کہ تم لوگ زکوٰۃ کے مال کو ابھی اپنے پاس ہی محفوظ رکھو۔ یہ معلوم کر کے کہ پیغمبر کے بعد کون آپ کا قائم مقام ہوا اور کیا انتظام حکومت طے پایا۔ پھر یہ چیزیں تم سے لے لی جائیں گی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اشعار میں اس کی صراحت بھی کی ہے۔ ہم ان اشعار کا اردو ترجمہ نقل کرتے ہیں:-

۱:- بعض لوگوں نے کہا خدا مالک کو استقامت بخشے اور بعض کہتے تب تمہیں کیا ہوا ہے تم کیوں سیدھے نہیں ہوتے۔

۲۔ میں نے ان سے کہا کہ تم اپنی مرضی کے مطابق کرتے دو۔ میری رائے کبھی غلط نہیں ہوئی۔

۳۔ میں نے ان سے کہا تم اپنے اموال کو واپس لے لو۔ بغیر کسی خوف کے اور آئندہ کے کسی اندیشہ کے۔

۴۔ میں اپنے کو تمہارا سپر بنا دوں گا۔ اور اپنا ہاتھ تمہارے مواے کر دوں گا۔

۵۔ فان قام بالامر المخوف قائمٌ
اطعنا و قلنا الدین دین محمد

اگر پیغمبر کا کوئی جانشین ہوا اور اس نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو ہم اس کی اطاعت کریں گے اور کہیں گے کہ دین بس محمدؐ کا دین ہے

ان اشعار میں کوئی شعر اور کسی شعر میں کوئی لفظ ایسا نہیں کہ جس سے مالک بن نویرہ کا ارتداد یا ان کی بغاوت ظاہر ہوتی ہو، وہ سرکار رسالتؐ کی زندگی تک زکوٰۃ وصول کر کے رسول اللہ کی خدمت میں پہنچاتے رہے۔ بعد وفات پیغمبر اس انتظار میں تھے کہ آپ کا جانشین آپ کی جگہ بیٹھ جائے تو اس کی اطاعت کر کے اس کے پاس زکوٰۃ کا مال روانہ کر دیں۔ پس جبکہ قبیلۂ بنی یربوع نے زکوٰۃ کے داخل کرنے سے انکار کر دیا تو حضرت ابوبکر نے خالد بن ولید کو زکوٰۃ کے لیے مالک بن نویرہ کے پاس بھیجا[1] جب خالد بن ولید وہاں پہنچے تو مالک بن نویرہ ان کے پاس حاضر ہوا۔ اتفاق سے

---

[1] تاریخ ابن الوردی، تاریخ احمدیہ صـ۱۲۲۔

اس کی بیوی بھی ساتھ تھی، خالد بن ولید اس کے حسن و جمال پر شیدا ہو گئے[1]

جب خالد بن ولید زن مالک بن نویرہ پر فریفتہ ہوئے تو انہوں نے ضرار بن ازور کو حکم دیا کہ مالک کی گردن اڑا دے، مالک نے اپنی صاحب جمال زوجہ کی طرف نگاہ کر کے کہا کہ اسی عورت نے مجھے قتل کرایا۔ خالد نے کہا، نہیں، بلکہ تیرا اسلام سے پھر جانا تیرے قتل کا باعث ہوا۔ مالک بولا کہ میں تو مسلمان ہوں (مگر کون سنتا ہے صدائے مالک) خالد کے حکم دیتے ہی ضرار نے مالک کا سر اڑا دیا[2]

ابو قتادہ جو خالد کے ساتھ گئے تھے انہوں نے واپس آ کر حضرت ابوبکر کو اس واقعہ سے خبر دی اور قسم کھائی کہ میں خالد کے زیر علم نہیں رہوں گا۔ کیونکہ اس نے مالک کو قتل کر ڈالا جو کہ مسلمان تھا[3]

جب حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو اس افسوسناک واقعہ کی اطلاع ہوئی تو حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ خالد نے بے شک زنا کیا اس کے رجم کا حکم دو۔ حضرت ابوبکر بولے کہ میں خالد کے رجم کا حکم نہ دوں گا کیونکہ اس نے تاویل میں خطا کی ہے[4]

جب حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو قتل مالک کی اطلاع ہوئی تو حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ بے شک خالد زنا کا مرتکب ہوا۔ اس پر

---

[1] تاریخ ابن واضح، تاریخ احمدی ص۱۲۳، تاریخ ابوالفدا [2] تاریخ روضۃ المناظر ابن شحنہ، تاریخ احمدی ص۱۲۳، ص۱۲۳ [3] تاریخ ابن الواضح، تاریخ احمدی ص۱۲۳، تاریخ یعقوبی ج ۲ ص۱۲۸، سیر الانصار حصہ اول ص۲۲۵۔ [4] تاریخ ابوالفدا، تاریخ احمدی ص۱۲۳ و ص۱۲۴

حد جاری کرو۔ حضرت ابوبکر نے کہا (ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ) خالد نے تاویل میں غلطی کی۔ حضرت عمر بولے تو پھر اچھا اس کو قتل کرو کہ اس نے ایک مسلمان کو قتل کیا۔ حضرت ابوبکر نے کہا (یہ بھی نہیں ہو سکتا، کیونکہ) خالد نے تاویل میں خطا کی ہے[1]

جب خالد واپس آئے اور مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت عمر نے خالد سے کہا کہ تو نے ایک مسلمان کو قتل کیا اور پھر اس کی عورت پر قبضہ کیا۔ واللہ میں تجھ کو سنگسار کروں گا، خالد نے یہ سنکر کچھ جواب نہ دیا، کیونکہ خالد کو گمان ہوا کہ جو کچھ حضرت عمر نے کہا وہ حضرت ابوبکر کی رائے کے موافق ہے۔ بعد ازاں خالد نے حضرت ابوبکر کے پاس حاضر ہو کر حقیقت حال سے خبر دی اور اپنی خطا کا عذر پیش کیا، حضرت ابوبکر نے ان کا عذر قبول کر کے ان کی خطا کو معاف فرمایا۔ پس خالد حضرت ابوبکر کی رضامندی حاصل کر کے باہر نکلے تو حضرت عمر کو مسجد میں دیکھ کر بولے کہ ادھر آ اے ام شملہ کے بیٹے یہ سن کر حضرت عمر سمجھ گئے کہ حضرت ابوبکر نے خالد کا قصور معاف کر دیا اور چپ چاپ اپنے گھر کے اندر چلے گئے[2]

مالک بن نویرہ کا قبیلہ سوائے انکار زکوٰۃ کے ہر حیثیت سے مسلمان تھا ان کے اسلام کی گواہی ابو قتادہ نے ان الفاظ میں دی "بکانی فی من شہد انہم قد اذنوا واقاموا وقد صلوا"۔ ان لوگوں نے

---

[1] روضۃ المناظر ابن شحنہ تاریخ احمدی صـ ۱۲۴

[2] تاریخ ابن جریر طبری، تاریخ احمدی صـ ۱۲۴ و صـ ۱۲۵

اذان واقامہ کہی اور نماز پڑھی، پھر بھی ان مانعین زکوٰۃ کے ساتھ بُرے
سلوک کیے گئے، جاڑے کی ٹھنڈی راتوں میں یہ لوگ بغیر کسی چھت
کے قید کی حالت میں سردی کھاتے رہے، پھر قتل کردیے گئے[1]
قبیلہ مالک بن نویرہ نے خود اقرار اسلام کیا اور ان کے اسلام کو لوگوں
نے عملاً دیکھ بھی لیا۔ اس کے متعلق طبری کی یہ عبارت قابل غور ہے۔
خالد کے لشکر والے کہتے ہیں فقلنا انا المسلمون فقالوا ونحن المسلمون
قلنا فما بال السلاح معكم قالوا لنا فما بال السلاح معكم
قلنا ان كنتم كما تقولون فضعوا السلاح قال فوضعوها
ثم صلينا وصلوا۔ ہم لوگوں نے کہا کہ ہم مسلمان ہیں مالک اور اس
کے ساتھیوں نے بھی کہا کہ ہم مسلمان ہیں۔ ہم نے کہا تو پھر یہ کیا بات
ہے کہ تمہارے ساتھ اسلحہ ہیں۔ انہوں نے بھی ہم سے یہی سوال
کیا ہم نے کہا کہ اچھا اگر یہ بات ہے تو ہم سب اسلحہ کو اتار کر رکھ دیں چنانچہ
انہوں نے اسلحہ اتار کر رکھ دیے اور ہم سب نے مل کر نمازیں پڑھیں[2]
مالک بن نویرہ کے قبیلے کے ساتھ خالد بن ولید نے کیا سلوک کیا
مالک اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرنے کے بعد ان کے سروں کو اینٹوں اور
پتھروں کی بجائے دیگوں کے نیچے لگا کے آگ روشن کی گئی سب کی
جلدیں آگ کی حرارت سے جل گئیں، مگر مالک کے بال اتنے زیادہ

---

[1] طبری واقعات ردہ۔
[2] تاریخ طبری ص ۲۲۳، واقعات ردہ

تھے کہ ان کی جلد بالوں کی وجہ سے محفوظ رہی[1]

متمم بن نویرہ نے اپنے بھائی مالک بن نویرہ کا مرثیہ کہا جو عرب کی صنف مرثیہ گوئی میں خاص درجہ رکھتا ہے۔ ایسا مرثیہ ہے کہ مضبوط دل والے بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ اور یہ مرثیہ انہوں نے حضرت ابوبکر کی موجودگی میں پڑھا۔

مالک بن نویرہ بنی حنیفہ کی شاخ بنی یربوع سے تھے۔ الغرض خالد قبیلۂ مالک بن نویرہ کے مردوں کو تہ تیغ کرنے کے بعد انکی عورتوں کو لونڈیاں بنا کر مدینہ میں لائے۔ جناب خولہ مادر محمد بن حنیفہ ان قیدیوں میں تھیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے انہیں کنیز نہیں سمجھا اور آزاد عورت سمجھ کر ان سے عقد کیا جس سے حضرت محمد بن حنفیہ کی ولادت ہوئی[2]

حضرموت کی تسخیر

حضرموت اور کندہ پر سرکار رسالت کی طرف سے زیاد بن لبید حاکم تھے، ان کی وفات کے بعد اشعث بن قیس نے علم بغاوت بلند کیا۔ بہت سے لوگ اس کے ساتھ مل گئے۔ زیاد بن لبید ان سے لڑے مگر شکست کھا کر مدینہ چلے آئے، عکرمہ نے اشعث کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ اور وہ قیدی کی حیثیت سے مدینہ لایا گیا۔ جہاں حضرت ابوبکر نے اپنی بہن ام فروہ کا اس سے عقد کر دیا اور ان کے ہاں اولاد ہوئی۔ ایک بیٹی جس کا نام جعدہ بنت اشعث تھا جس نے رسول اللہ کے نواسے

---

[1] طبری ج ۲ ص ۲۴۲ [2] بحار الانوار جلد ۹ ص ۵۸۳

حضرت امام حسنؑ کو زہر دیا۔ اور ایک بیٹا محمد بن اشعث جو امام حسین علیہ السلام اور حضرت مسلم کے قتل میں شریک تھا۔

بحرین کی مہم بحرین میں بنی بکر اور بنی عبدالقیس کے قبائل آباد تھے۔ منذر بن ساوی ان پر حکمران تھا۔ جو زمانہ وفات سرکارِ رسالت میں مر گیا۔ اس کے بعد اہلِ بحرین نے مخالفت شروع کر دی۔ وہاں کے حاکم علاء بن حضرمی مدینہ چلے آئے اور یہاں سے فوج لے کر حملہ آور ہوئے۔ علاء بن حضرمی نے ان کے خلاف کئی لڑائیاں لڑیں آخر انہیں شکست دی۔ الغرض مانعین زکوٰۃ اور دوسرے مخالفت کرنے والے قبیلوں کو فوجی طاقت سے دبا دیا گیا۔

مدعیانِ نبوت اور ان کے پیرو سرکارِ رسالت کے آخری ایام میں کئی ایک جھوٹے مدعیانِ نبوت پیدا ہو چکے تھے مگر وہ سب دبے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے حضرت ابوبکر کی حکومت کی عام مخالفت دیکھی تو ان کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ اپنی کامیابی کے لیے جدوجہد کرنے لگے اور لوگوں کو اپنے جال میں پھنسانے کے لیے میدان میں آ گئے۔ ان جھوٹے مدعیانِ نبوت کا حال ہم یہاں اختصار سے بیان کرتے ہیں:۔

مسیلمہ کذاب مسیلمہ قبیلہ بنی حنیفہ سے تھا۔ یہ قبیلہ مسلمان ہو گیا تھا، اور ان کا ایک وفد سنہ ۱۰ھ میں دربارِ رسالت میں حاضر ہوا تھا، اس میں مسیلمہ بھی تھا۔ اس نے مدینہ سے لوٹ کر دعویٰ نبوت کر دیا اور اس نے چند فقرے گھڑ لیے اور انہیں کلامِ الٰہی کہنے لگا۔ کچھ لوگ اس کے پیرو ہو گئے

حضرت ابوبکرؓ کے زمانۂ سلطنت میں اس نے ایک لشکر مرتب کر لیا۔ اور حکومت کی مخالفت شروع کر دی۔

سجاع اسی اثناء میں ایک عورت سجاع نے عراق میں دعوے نبوت کیا۔ پھر ان دونوں جھوٹے مدعیانِ نبوت میں مناظرہ ہوا۔ اس مناظرہ کے بعد سجاع نے مسیلمہ سے شادی کر لی۔ اس طرح ان دونوں کو نبی ماننے والے متحد ہو گئے۔ اس طرح مسیلمہ کی طاقت بہت بڑھ گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے جیش اسامہ کی سرحد شام سے واپسی کے بعد مسیلمہ کے خلاف یکے بعد دیگرے دو لشکر روانہ کیے۔ ایک کا سردار عکرمہ بن ابی جہل تھا۔ اور دوسرے کا شرجیل حضرت ابوبکر کا حکم یہ تھا کہ دونوں لشکر جب متحد ہو جائیں تو مسیلمہ پر حملہ کیا جائے لیکن عکرمہ نے اس لیے کہ فتح میرے نام پر ہو شرجیل کے پہنچنے سے پہلے حملہ کر دیا۔ حضرت ابوبکر یہ سن کر بہت ناراض ہوئے اور عکرمہ کو میدانِ جنگ سے واپس بلا لیا۔ اور خالد بن ولید کو مسیلمہ کے خلاف روانہ کیا

جنگِ یمامہ اس جنگ میں مسیلمہ نے چالیس ہزار فوج کے ساتھ مسلمانوں سے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مگر مسلمان نہایت بہادری سے لڑے اور آخر مسیلمہ کی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور انہوں نے بھاگ کر ایک باغ میں پناہ لی۔ جس کے ارد گرد ایک پختہ فصیل تھی۔ مسلمانوں نے اس باغ کا محاصرہ کر لیا۔ بسر ابن مالک نہایت جرأت سے فصیل باغ پر چڑھ گئے اور باغ میں کود کر فصیل کا دروازہ کھول دیا۔ مسلمان باغ میں گھس گئے جہاں گھمسان کا رن پڑا۔ دونوں طرف سے بے شمار آدمی مارے گئے۔ مسیلمہ کذاب کی نعش

بھی کشتوں کے پُشتے میں تھی۔ آخر کار دشمن نے ہتھیار ڈال دیے اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ سجاح شوہر کی موت کے بعد بھاگنے میں کامیاب ہوئی اور آخر معاویہ کے عہدِ سلطنت میں اس نے پھر اسلام قبول کر لیا۔

طلیحہ اسدی نجد میں طلیحہ اسدی نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ یہ بنی اسد کا سردار تھا ایک دفعہ اس کا قبیلہ صحرا سے گزر رہا تھا۔ پانی ختم ہو گیا۔ لوگوں نے پانی تلاش کیا۔ جب کہیں سے نہ ملا تو اس نے ایک مقام کا نشان بتلایا۔ اتفاقاً وہاں سے پانی مل گیا۔ اس نے اسے اپنا معجزہ قرار دیا اور دعویٰ نبوت کر دیا۔ اور رسول اللہ کی وفات کے بعد نجد کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا۔ خالد بن ولید نے اس کے علاقہ پر حملہ کر کے اسے شکست دی۔ طلیحہ بھاگ گیا۔ اس کے تیس آدمی گرفتار کر کے مدینہ روانہ کر دیے گئے اس کے پیرو دوبارہ مسلمان ہو گئے اور یہ بھی مسلمان ہو گیا۔

لقیط بن مالک عمان کا حاکم رسول اللہ کی زندگی میں مسلمان ہو چکا تھا، اور اس نے سرکارِ رسالت کی حکومت کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ لقیط بن مالک نے دعویٰ نبوت کیا۔ رسول اللہ کی وفات کے بعد عمان اور مہرہ کے قبائل اسلام سے منحرف ہو کر لقیط کے پیرو ہو گئے۔ ان کے مرتد ہونے کے بعد حاکم عمان پہاڑوں میں بھاگ گیا۔ عمان کی فتح کے لیے حذیفہ بھیجے گئے اور ان کی امداد کے لیے عکرمہ بن ابی جہل مقرر ہوا۔

جنگ دبا ان باغیوں اور مسلمانوں کے درمیان "دبا" میں جنگ ہوئی

دشمن نے ایسا سخت مقابلہ کیا کہ مسلمانوں کے لیے میدانِ جنگ میں ٹھہرنا مشکل ہو گیا۔ مگر وقت پر عمان سے کمک آ پہنچی، دشمن کو شکست ہوئی حذیفہ حاکم کی حیثیت سے عمان میں ٹھہر گئے۔ عکرمہ نے مہرہ کی بغاوت کو فرو کر دیا۔

اسود عنسی اسود عنسی نے سرکارِ رسالت کی زندگی میں حضور کی وفات سے چار ماہ قبل دعوئے نبوت کیا۔ یہ شخص قحطانی قبیلہ کی عنسی شاخ کا سردار تھا۔ اس کی چالاکی اور ہتھکنڈوں سے لوگ اس کے پیرو ہو گئے جب اس کی طاقت بڑھی تو اس نے نجران پر قبضہ کر لیا۔ پھر یمن کے صدر مقام صنعاء کی طرف بڑھا، صنعاء کے گورنر شہر بن باذان نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مگر انہیں شکست ہوئی اور وہ میدانِ جنگ میں شہید ہوئے۔ اس جنگ کے بعد تمام اہلِ یمن نے اسود عنسی کی اطاعت قبول کر لی۔ اس نے شہر بن باذان کی بیوہ سے شادی کر لی۔ سرکارِ رسالت کو جب یہ خبر پہنچی تو حضور نے معاذ بن جبل اور حوالی یمن کے عاملوں کو لکھا کہ وہ اس فتنہ کا انسداد کریں۔ اسی اثنا میں اسود کے کمانڈر قیس نے ایک بدگمانی پر اس کی مخالفت شروع کر دی اور اس کے خلاف جو سکیم بنائی گئی۔ اس میں شہر بن باذان کی بیوہ بھی شریک تھی جس سے اسود نے شادی کر لی تھی۔ اس کے ایک قریبی رشتہ دار فیروز دیلمی نے ایک رات اس کے محل میں داخل ہو کر اسے قتل کر دیا۔ چند وفادارانِ رسالت نے یہ واقعہ سرکارِ رسالت کو لکھ بھیجا۔ لیکن

قاصد اس صبح مدینہ پہنچا جس شام سرکارِ ختمی مرتبت نے رحلت فرمائی۔

جب حضور کی وفات حسرت آیات کی خبر یمن پہنچی تو اسود عنسی کے پیروؤں نے پھر فتنہ و فساد شروع کر دیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر نے مہاجرین امیہ کی نگرانی میں ایک لشکر ان کے خلاف بھیج دیا۔ اس لشکر نے ان باغیوں کو شکست دی اور اس گروہ کے سرکردہ افراد عمرو بن معدی کرب وغیرہ کو گرفتار کر لیا۔

ان مدعیانِ نبوت کی تعلیمات اور ان عبارات پر جنہیں انہوں نے الہام کہہ کر پیش کیا، جب ہماری نظر پڑتی ہے تو ہم بابانگ دہل کہہ سکتے ہیں کہ اسلام جیسے حکیمانہ و پاکیزہ مذہب کے مقابلے میں کسی طرح بھی پنپ نہیں سکتے تھے مگر انہیں اس زمانہ کی سلطنت میں اختلال دیکھ کر فتنہ و فساد برپا کرنے کی جرأت ہوئی۔ اگر حضرت ابوبکر اس فتنہ کو بزورِ شمشیر فرو نہ بھی کرتے تو بھی یہ سلسلہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتا تھا۔

سوالات

۱۔ بیرونِ مدینہ بیعت حضرت ابوبکر کی جو مخالفت ہوئی اسے بیان کرو اور اس کے شواہد پیش کرو۔

۲۔ رسول اللہ کی رحلت کے بعد ارتداد کیا؟ اگر اسے ارتداد تسلیم کر لیا جائے تو اس سے کیا اہم سوالات

پیدا ہوں گے اور اس کا نتیجہ کیا ہے؟

۳۔ آخر یہ ارتداد کیا تھا؟ ثابت کیجئے کہ یہ دراصل ارتداد نہیں تھا بلکہ اربابِ سلطنت نے اسے ارتداد کا رنگ دیا تھا۔

۴۔ حضرت ابوبکر نے کیا فرمان جاری کیا۔ اس سے آپ کس نتیجہ پر پہنچتے ہیں؟

۵۔ جیش اسامہ کے متعلق جو کچھ آپ کو معلوم ہو بیان کرو۔

۶۔ مدینہ کیوں خطرہ میں تھا اس خطرہ کو حضرت ابو بکر نے کس طرح دور کیا؟

۷۔ منکرینِ زکوٰۃ کے متعلق حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی گفتگو بیان کرو۔ کیا منکرین زکوٰۃ مرتد تھے؟

۸۔ منکرینِ زکوٰۃ کا ارتداد کیوں حیرت انگیز ہے؟ حضرت ابو بکر نے خالد کی روانگی کے وقت اسے کیا ہدایت فرمائی تھی؟

۹۔ مرتد اور مانع زکوٰۃ میں کیا فرق ہے؟ کیا ہم مانع زکوٰۃ کو شریعت کی رو سے مرتد کہہ سکتے ہیں؟

۱۰۔ کیا زکوٰۃ نہ دینے والوں سے جہاد جائز ہے؟

۱۱۔ کیا مالک بن نویرہ صحابی تھے؟ ان کی شخصیت اور اوصاف کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟

۱۲۔ مالک بن نویرہ کے اشعار سے ثابت کرو کہ نہ وہ مرتد تھے اور نہ وہ باغی تھے، ان کا حضرت ابوبکر سے اختلاف اصولی تھا۔

۱۳۔ مالک بن نویرہ کے واقعۂ قتل کو بیان کرو۔

۱۴۔ مالک بن نویرہ کے قتل پر حضرت ابوقتادہ اور حضرت عمر کے تاثرات بیان کرو اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی اس سلسلہ میں گفتگو لکھو۔

۱۵۔ ثابت کرو کہ مالک بن نویرہ اور ان کا قبیلہ مسلمان تھے۔

۱۶۔ خالد بن ولید نے مالک اور ان کے قبیلہ سے کیا سلوک کیا؟

۱۷۔ خولہ والدۂ محمد بن حنفیہ جناب امیر علیہ السلام کے عقد میں کس طرح آئیں؟

۱۸۔ حضرموت اور کندہ میں محمد ابن اشعث کی بغاوت اور اس کا انجام بیان کرو۔

۱۹۔ بحرین کی مہم اور اس کا انجام بیان کرو۔

۲۰۔ مدعیانِ نبوت کو میدان میں آنے کی کس طرح جرأت ہوئی؟

۲۱۔ مسیلمہ کذاب اور سجاح کا حال بیان کرکے

۲۱۔ جنگ یمامہ کے واقعات اور اس کے نتیجہ کو بیان کرو۔

۲۲۔ طلیحہ اسدی اور لقیط کے حالات لکھ کر بتلاؤ کہ جنگ دبا میں دشمن کو شکست کس طرح ہوئی؟

۲۳۔ اسود عنسی کے واقعات اور اس کی شکست کو بیان کرو۔

۲۴۔ مدعیان نبوت کے الہامات اور تعلیمات سے آپ کیا نتیجہ نکالتے ہیں؟

گیارہواں باب

خاندانِ رسالت

اور

دورِ سلطنت حضرت ابی بکر

اکابر صحابہ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب کی بیعت پر اصرار کر رہے تھے

سرکارِ رسالت کی آنکھ بند ہوتے ہی چشم زدن میں حضرت ابوبکر خلیفہ بن جائیں، یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ مدینہ اسلامی سلطنت کا صدر مقام تھا، سرکارِ رسالت نے گیارہ برس تک اس سرزمین میں جو مہاجرین و انصار تھے وہ علی علیہ السلام کے سلطنت کے متعلق امتیازی حقوق سے بے خبر نہ تھے۔ مگر سرکارِ رسالت کے انتقال کے بعد چند ساعتوں میں ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ خلافت

جیسا مسئلہ اس طرح سے طے ہو گیا کہ جو لوگوں کی انتہائی حیرت کا باعث تھا۔ حضرت عمر اور ان کی پارٹی نے اس کام کو اتنی عجلت میں انجام دیا کہ کسی کے تصور میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ سقیفہ میں ناگہانی بیعت کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر جب وہاں سے باہر نکلے اور دوسرے مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر بیعت لینے لگے تو سوائے حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ اور ان کی پارٹی کے چند اصحاب کے کوئی شخص ہمیں اسلامی تاریخ میں ایسا معلوم نہیں ہوتا جس نے خوشی سے حضرت ابوبکر کی خلافت کو تسلیم کیا ہو۔ اور سچے دل سے ان کی بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا ہو۔ اکابر صحابہ حضرت علیؑ کی بیعت پر اصرار کر رہے تھے۔

انصار کا اعلان

جب خلافت کے لیے زور آزمائی ہو رہی تھی تو انصار کے اکثر افراد نے صاف لفظوں میں اعلان کیا کہ ہم علیؑ کے سوا کسی کی خلافت تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں۔

وبایعہ الناس فقالت الانصار او بعض الانصار لا نبایع الا علیاً

لوگوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت کی مگر تمام انصار اور ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم تو سوائے علیؑ کے اور کسی کی بیعت نہیں کریں گے۔[1]

---

[1] تاریخ کامل ج ۲ صہ ۱۲۳، تاریخ طبری جلد ۳ صہ ۱۹۸

اکابر قریش اور معزز مہاجرین کے جذبات

اکثر مورخین حزب اقتدار میں - ان سے یہ امید تو نہیں ہو سکتی کہ وہ اس مخالفت کی صحیح تصویر کشی کریں جو بیعت ابوبکر پر ہوئی - یا ان آوازوں کو قلم بند کریں جو خلافت علی ابن ابی طالب کی حمایت میں بلند ہوئیں - البتہ کچھ اشارے ان تاریخوں میں ایسے مل جاتے ہیں - جن سے اس زمانے کے حساس مسلمانوں کے جذبات کا پتہ چل سکے۔

۱- ابنِ عساکر نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ جب حضرت ابوبکر کی بیعت ہو گئی تو انہوں نے محسوس کیا کہ لوگ مخالفت اور ناپسندیدگی کا اظہار کر رہے ہیں - تب انہوں نے کہا کہ کس سبب سے تم لوگ مجھے خلیفہ نہیں مانتے، کیا میں سب سے پہلے مسلمان نہیں ہوا، کیا میں ایسا نہیں ہوں، کیا میں ایسا نہیں ہوں، اسی طرح اپنے منہ سے اپنی بہت سی خوبیاں بیان کیں[1]

۲- حضرت علیؑ و خاندان بنی ہاشم اور زبیر اور طلحہ نے حضرت ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا - اور زبیر نے تو یہاں تک کہا کہ جب تک حضرت علیؑ کی بیعت نہیں کی جائے گی میں اپنی تلوار نیام میں نہیں کروں گا - اس پر حضرت عمر نے لوگوں سے کہا کہ زبیر کی تلوار چھین کر پتھر پر پٹک دو اور پھر حضرت عمر ان لوگوں کے پاس

---

[1] تاریخ الخلفاء ص۵۱

گئے اور ان کو بیعت کے لیے گرفتار کر لیا[1]

یہ زبیر کون ہیں حضرت ابوبکر کے داماد ان کی بیٹی اسماء کے شوہر، حالانکہ حضرت ابوبکر کی خلافت سے انہیں بہت سے مفاد کی امید ہو سکتی تھی مگر حضرت علی کی حمایت میں شمشیر بکف ہو جانا ان کے جذبات باطنی کا ترجمان ہے۔ جب اتنے قریبیوں کے یہ جذبات تھے تو کس پر دوسروں کے جذبات کا اندازہ بآسانی ہو سکتا ہے۔

۳۔ بنی ہاشم کی ایک جماعت نیز زبیر، مقداد، سلمان فارسی، ابوذر عمار بن یاسر اور براء ابن عازب وغیرہم نے حضرت ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا۔ اور حضرت علی ابن ابی طالب کی بیعت کے خواہاں ہوئے اور اس پر عتبہ بن ابی لہب نے کچھ اشعار بھی کہے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے :۔

"یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ رسول اللہ کی خلافت خاندان بنی ہاشم خصوصاً حضرت ابوالحسن (علی بن ابی طالب) سے نکال لی جائے گی جو سب سے پہلے ایمان لائے اور اس فضل میں سب سے زیادہ سبقت حاصل کی جو قرآن مجید اور احادیث رسول کے سب سے زیادہ عالم ہیں۔ جو خدمت رسول اللہ میں سب سے آخر تک رہے اور جن کی مدد تجہیز و تکفین سرکار

---

[1] تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۲۴

رسالت میں جبریل بننے کی وہ حلی کہ دوسروں میں حسب قدر فضائل ہیں وہ سب حضرت میں بھی ہیں۔ لیکن ان حضرت میں جو شرف و بزرگی و افضلیت ہے وہ تمام مسلمانوں میں سے کسی میں بھی نہیں ہے[1]

۴۔ ابوسفیان نے بھی جو خاندان بنی امیہ سے تھا حضرت ابوبکر کی خلافت سے انکار کر دیا۔

۵۔ خالد بن سعید بن عاص اموی نے جو مشاہیر بنی امیہ سے تھے انہوں نے بھی اکابر صحابہ کی طرح خلافت حضرت ابی بکر پر صدائے احتجاج بلند کی[2] تین مہینے تک انہوں نے بیعت نہیں کی۔

انہیں بجز حیل ہموار کرنے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ علامہ ابن سعد نے لکھا ہے۔ کہ جب حضرت ابوبکر نے شام کی طرف لشکر روانہ کیا تو انہی خالد بن سعید کو سردار مقرر کیا۔ اور علم لشکر لے کر ان کے گھر پر آئے اس پر حضرت عمر نے کہا کہ تم خالد کو افسری دیتے ہو۔ اور ان کے جو خیالات ہیں وہ تمہیں اچھی طرح معلوم ہیں۔ حضرت عمر اپنی اس بات پر اس طرح ڈٹے کہ آخر ابوبکر نے آدمی بھیج کر علم واپس منگا لیا۔ خالد نے واپس کر دیا۔ اور کہا کہ تمہارے افسر بنانے سے نہ تو پہلے مجھے خوشی ہوئی تھی نہ اب معزول کرنے سے مجھے رنج ہوا حضرت ابوبکر نے ان کے گھر پر آ کر بہت عذر و معذرت

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۔ [2] تاریخ ابوالفدا ج ۱ صفحہ ۱۰۹

کی اور کہا کہ عمر کو میرا آنا اور معذرت کرنا معلوم نہ ہونے پائے۔ جس جس مورخ نے شام کی طرف لشکر کی روانگی کا ذکر کیا ہے۔ اس واقعہ کی طرف بھی ضرور اشارہ کیا ہے۔

۴۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب نے بھی جب بیعت حضرت ابی بکر کی مخالفت کی تو مغیرہ بن شعبہ نے کہا کہ اگر مجھ سے پوچھتے ہو تو اس وقت صحیح رائے یہ ہے کہ تم لوگ اس موقعہ پر عباس سے ملو اور امر خلافت میں انکا اور ان کے لڑکوں کا حصہ مقرر کردو اس سے یہ ہوگا۔ کہ علی ابن ابی طالب کا یہ پہلو بھی کمزور ہو جائے گا۔ یہ رائے دونوں حضرات یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے پسند فرمائی اور یہ برسر اقتدار پارٹی وفات رسول اللہ کے بعد دوسری رات کو حضرت عباس کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضرت ابوبکر نے حسب معمول بعد حمد و ثنائے الہٰی احسانات سرکار رسالت کا تذکرہ کیا۔ اور کہا کہ ان کے بعد مسلمانوں نے میری بیعت کر لی ہے۔ اور لوگ آپ کی آڑ لے کر فتنہ و فساد برپا کرنا چاہتے ہیں۔ اور تمہارے ذریعہ سے اپنا کام نکالنا چاہتے ہیں مجھے خیال پیدا ہوا کہ تم مسلمانوں کے خلاف ان لوگوں کے لیے ایک قلعہ مستحکم نہ بن جاؤ اور انکا ملجا و ماوی نہ ہو جاؤ ہم چاہتے ہیں کہ یا تو تم بیعت کر لو جیسا کہ اور لوگوں نے کی ہے یا ان لوگوں کو ان کے ارادہ سے پلٹا دو کہ وہ ہماری مخالفت نہ کریں۔ ہم

تو اس لیے بھی حاضر ہوئے ہیں کہ آپ کا اور آپ کی اولاد کا حصہ خلافت میں قرار دیں۔ کیونکہ آپ رسول اللہؐ کے چچا ہیں۔ اگرچہ آپ کی رسول اللہؐ سے قرابت لوگوں کو معلوم تھی، پھر بھی انہوں نے خلافت آپ کو نہ دی۔ اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو گیا، اب آپ اے بنی ہاشم! اپنی جگہ پہ ٹھہریں کیونکہ رسول اللہ ہم سے اور تم سے تھے۔

حضرت عمر نے یہ انداز بیان جو حضرت ابوبکر نے اختیار کیا خلاف مصلحت سمجھا اور اس تقریر کا جاری رہنا گوارا نہ کیا۔ برافروختہ ہو کر گویا ہوئے۔

"ہاں خدا کی قسم بات یہ ہے کہ ہم کوئی حاجت یا ضرورت لے کر آپ کے پاس نہیں آئے۔ بس صرف اس خیال سے آپ کے پاس آئے ہیں کہ جو بات مسلمانوں نے طے کر لی ہے اس پر اعتراض نہ کرو۔ جس کی وجہ سے فتنہ و فساد برپا ہو۔ اس مطلب کو خوب اچھی طرح سے سوچ سمجھ لو۔"

یہ سن کر حضرت عباس نے فرمایا:۔

"اے ابوبکر! جو کچھ آپ نے کہا ٹھیک کہا۔ سرکارِ رسالت ایسے ہی تھے جیسا کہ تم نے بیان کیا۔ لیکن اگر تم نے رسول اللہ سے قریبی تعلق رکھنے کی وجہ سے یہ خلافت حاصل کی ہے تو یہ دراصل ہمارا حق ہے جو تم نے لے لیا ہے۔ ہم تمہاری نسبت

رسالتمآب سے زیادہ قریب ہیں، اگر تم نے مومنین کی وجہ سے
یہ خلافت حاصل کی ہے کہ مومنین نے تم کو خلیفہ بنانا پسند
کیا تو مومنین میں سب سے زیادہ ہم مقدم ہیں۔ ہماری رضا کا
اس میں کوئی دخل نہیں۔ اور ہمیں یہ بات زیادہ ناگوار ہے
اور جب ہم مومنین نے تمہیں اجازت نہیں دی۔ تو تم
آخر خلیفہ کیونکر ہو گئے۔ رہ گئی یہ بات کہ تم میرا اور میری اولاد
کا حصہ خلافت میں مقرر کرنا چاہتے ہو۔ یہ بھی ایک تعجب خیز
امر ہے۔ اس لیے کہ یہ حصہ جو تم دے رہے ہو تو اپنے حق
میں سے دے رہے ہو تو ہم اسے لینے پر تیار نہیں اسے
اپنے پاس ہی رکھو اور اگر مومنین کے حق میں سے یہ عطا
ہو رہی ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ مومنین کے ہوتے ہوئے
تم اسے دینے والے کون ہوتے ہو۔ اور اگر یہ حق تمہارا ہے
نہ مومنین کا بلکہ مخصوص ہمارا (بنی ہاشم کا) ہے تو ہم اس پر
کبھی راضی نہیں ہوں گے کہ ہمارے حق کو اس طرح تقسیم کیا
جائے۔ کہ کچھ تم لو اور کچھ ہم لیں۔ ہم اپنا حق پورا کیوں نہ لیں۔
رہ گیا تمہارا یہ کہنا کہ رسول اللہ ہم سے اور تم سے دونوں سے
تھے تو یہ بھی عجیب چیز ہے۔ ارے بھائی رسول اللہ اس
درخت سے تھے جس کی شاخیں ہم ہیں۔ اور تم اس کے
ہمسایہ ہو۔ رہ گیا عمر کا یہ قول کہ ہمارے خلاف لوگ شکنہ و

و فساد برپا کریں گے، تو یہ دھمکی تو وہ ہے جو ہم بدذیانل سے سنتے چلے آتے ہیں، اور خدا بہترین مددگار ہے[1]

۷۔ کتبِ تواریخ میں بہت سے صحابہ کے نام ملتے ہیں جنہوں نے بیعت ابی بکر سے انکار کیا تھا۔ مہاجرین میں سے حضرت سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد بن اسود، عمار بن یاسر، بریدہ اسلمی اور انصار میں سے ابوالہیثم بن تیہان، سہل بن حنیف، عثمان بن حنیف، خزیمہ بن ثابت، ذوالشہادتین ابی ابن کعب اور ابوایوب انصاری۔ سید علی خان نے اپنی کتاب درجات رفیعہ میں بہت سے صحابہ کا ذکر کیا ہے جنہوں نے بیعت ابی بکر سے انکار کیا اور سرکار ولایت علی مرتضیٰ کی بیعت کرنے پر مُصر تھے۔

اس گروہ کے علیحدہ ہو جانے کے بعد گنتی کے چند مہاجرین رہ جاتے ہیں جنہوں نے مختلف اثرات کے ماتحت حضرت ابی بکر کی بیعت کی۔ تمام عرب کے ووٹ حضرت ابوبکر کے خلاف تھے، اسی لیے تو یہ کہا جاتا ہے کہ پورا عالم اسلامی مرتد ہو گیا تھا۔

اربابِ اقتدار رسول اللہ کی بیٹی کے گھر پر

جن لوگوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا وہ علی، عباس، زبیر، سعد بن عبادہ وغیرہم تھے جن میں حضرت علی، عباس اور زبیر جناب سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بیت الشرف میں قیام پذیر تھے۔ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو بھیجا کہ جو لوگ خانہ سیدہ طاہرہ میں جمع

---

[1] کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ ص۱۰، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ص۲۴

ان کو نکال دیں، اور اگر وہ نکلنے سے انکار کریں تو انہیں بزورِ شمشیر نکال دیں۔ حضرت عمر تھوڑی آگ لے کر اس قصد سے وہاں پہنچے کہ گھر میں آگ لگا دیں۔ یہ معلوم کر کے حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ کیا تم لوگ میرا گھر جلانے آئے ہو۔ حضرت عمر نے کہا، بیشک اسی ارادہ سے آئے ہیں، ورنہ جو لوگ اس گھر میں ہیں چلکر حضرت ابوبکر کی بیعت کریں۔[1]

سرکارِ عصمت فاطمہؓ کا دعویٰ میراث

حضرت فاطمہ نے کسی کو بھیج کر حضرت ابوبکر سے اپنی جائداد کا سوال کیا جو ان کو مدینہ، فدک اور خمس خیبر میں رسول اللہ سے بطور میراث پہنچتی تھی۔ حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہؓ کے سوال کو منظور نہ کیا، اور ان کو ان کی مطلوبہ جائداد میں سے کچھ نہ دیا۔ حضرت فاطمہؓ اس بات پر حضرت ابوبکر سے ایسی ناخوش اور رنجیدہ ہوئیں کہ مرتے دم تک انہوں نے حضرت ابوبکر سے کلام نہیں کیا۔ اور جب بعد چھ مہینے کے حضرت فاطمہؓ نے وفات پائی۔ تو حضرت علیؓ نے نماز جنازہ پڑھ کر رات ہی کے وقت ان کو دفن کیا۔ اور حضرت ابوبکر کو حضرت فاطمہ کی تجہیز و تکفین میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دی۔[2]

حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے تو حضرت فاطمہؓ نے ان کے پاس آ کر وہ جائداد طلب کی جو اُن کو رسول اللہ سے بطور ارث پہنچتی تھی۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں، جو کچھ ہم چھوڑ دیں وہ صدقہ ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ کیا خدا کے نزدیک تم تو اپنے باپ کے

---

[1] عقد الفرید، تاریخ ابوالفدا، تاریخ ابن جریر، کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ دینوری
[2] صحیح بخاری۔

ث ہو اور میں اپنے پدر بزرگوار کی وارث نہ ہوں کیا رسول اللہؐ نے یہ نہیں فرمایا
شخص اپنی اولاد کی حفاظت کرتا ہے۔ یہ سنکر حضرت ابوبکر بہت شدت
روئے ؎۱

فدک کی جائیداد خاص رسول اللہ کے لیے تھی۔ کیونکہ اس کا حصول
بغیر حرب و ضرب کے ہوا تھا۔ اور مالک بن جعونہ سے
ہے کہ بعد وفات سرورِ کائنات حضرت فاطمہؑ نے حضرت ابوبکر سے
فدک کی جائداد رسول اللہؐ نے مجھے عطا کی ہے۔ آپ بھی اس کو
لیے بحال رکھیں اور اپنے اس دعوے کی شہادت میں حضرت علیؑ
پیش کیا۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ ایک گواہ اور چاہیئے۔ حضرت فاطمہ
دوسری شہادت ام ایمن کی پیش کی۔ حضرت ابوبکر بولے کہ ایک مرد
ایک عورت کی گواہی جائز نہیں ہو سکتی، بلکہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں
گواہی درکار ہے ؎۲ ایک روایت میں ہے کہ سیدہ نے حسنینؑ کو بھی گواہ
کیا ؎۳

حضرت فاطمہؑ کی استدعا پر حضرت ابوبکر نے فدک کے متعلق وثیقہ لکھ
تھا۔ ناگہاں حضرت عمر آگئے اور انہوں نے حضرت ابوبکر سے پوچھا کہ یہ
ی تحریر ہے؟ حضرت ابوبکر نے کہا کہ رسول اللہ کی جو میراث فاطمہ کو پہنچنی

؎۱ تاریخ ابن واضح ؎۲ فتوح البلدان بلاذری ؎۳ صواعق محرقہ لابن حجر مکی
ب الاول فصل الخامس صہ ۲۲، وفا الوفا سید نور الدین سمہودی الجزء الثانی باب السادس
ل الثانی صہ ۱۵۷، شرح مواقف کتاب الاکتفا لابراہیم بن عبداللہ الوصافی

ہے اس کے متعلق میں نے ان کو یہ تحریر لکھ دی ہے۔ حضرت عمر بولے
پھر کس چیز سے مسلمانوں کو نفقہ دو گے۔ عرب ضرور تم سے اس بات
لڑیں گے۔ یہ کہہ کر حضرت عمر نے اس کاغذ کو حضرت فاطمہؓ سے لیکر
کر ڈالا[1]

دعویٰ خمس

حضرت فاطمہ نے حضرت ابو بکر کے پاس آ کر خمس (سہم ذوی القربیٰ) کا سوال کیا۔ تو انھوں نے
میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سہم ذوی القربیٰ میری
حیات میں ہے میرے بعد میں نہیں[2]

ان مقدمات پر تھوڑا سا غور

سیدہ طاہرہ کے ان تین مقدمات میراث، دعویٰ ہبہ اور دعویٰ خمس
ارباب فکر کو غور و فکر کرنا چاہیئے:۔

۱۔ تمام اقوام عالم کا مسلمہ اصول ہے کہ عدلیہ (Judiciary)
کو انتظامیہ (Executive) سے علیحدہ ہونا چاہیئے۔ اور
کو مقدمات کے فیصلہ میں عدلیہ پر اثر انداز نہیں ہونا چاہیئے۔ دنیا
متمدن قومیں آج کوشش کر رہی ہیں کہ عدلیہ، انتظامیہ کے اثرات
آزاد رہے۔ پاکستان میں بھی اس نظریہ کو اپنایا جا رہا ہے
ارباب صحافت اس اصول پر اداریہ پر اداریہ اور مقالہ پر مقالہ سپرد قلم
رہے ہیں۔ آیئے ذرا اس معیار پر مقدمات سیدہ طاہرہ کا جائزہ

---

[1] سیرۃ الحلبیہ بحوالہ کلام سبط ابن الجوزی، [2] کنز العمال

دنیا کی تاریخ عدلیہ میں یہ مقدمات اپنی نوعیت کے یگانہ مقدمات ہیں ان مقدمات میں مدعاعلیہ خود جج ہیں اور خود ہی گواہ اور فیصلے مدعیہ کے خلاف صادر ہوتے ہیں۔

ہمارے اس مادی دور میں اگر کسی جج یا مجسٹریٹ کے ہاں ایسے مقدمات آجائیں جن کا تعلق براہِ راست ان سے یا ان کے کسی رشتہ دار یا دوست سے ہو تو عدل و انصاف کے تقاضے انہیں مجبور کرتے ہیں کہ وہ ایسے مقدمات کو کسی دوسرے جج یا مجسٹریٹ کی عدالت میں منتقل کردیں یا کرا دیں۔ اور خود بنفسِ نفیس اس کی سماعت نہ فرمائیں قرنِ اولیٰ اور دورِ صحابہ میں ایسے مقدمات کی سماعت جن میں خود مدعاعلیہ ہوں اور وہ خود ہی اس کی سماعت فرما کر خود ہی گواہی دے کر مدعیہ کے خلاف فیصلہ کردیں، ارباب بصیرت کے لیے نہایت ہی حیرت انگیز اور تعجب زا ہے۔

ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ انہی رئیس انتظامیہ اور جج کے زمانہ میں دوسرے مقدمات کے دوسرے طریقوں سے فیصلہ کرنے کی مثالیں بھی موجود ہیں۔

حضرت ابوبکر عام طور پر ایسے مقدمات کا فیصلہ اس طرح فرمایا کرتے تھے کہ انکے زمانہ میں مدینہ منورہ میں چند اصحاب مقرر تھے جو مقدمات فیصلہ کیا کرتے تھے چنانچہ ایک سال تک حضرت عمر قاضی (جج) رہے[۱]

---

[۱] تاریخ طبری الجزء الرابع ص[illegible]

کاش سیدہ کے یہ مقدمات صحابہ کرام کی اس فل بنچ کے سپرد کر دیے جاتے۔

حضرت ابوبکر کے زمانہ میں ایک طریق کار یہ تھا کہ حضرت ابوبکر مسجد میں خود تشریف فرما ہوتے، اکابر صحابہ کو بلا لیتے اور ان کے مشورہ سے فیصلے کر دیتے تھے[1]

کاش سیدہ طاہرہ کے مقدمات کی سماعت کے وقت یہی طریق کار اختیار کیا جاتا۔

معصومۂ کونین سیدہ طاہرہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے علاوہ ہمیں زمانۂ حضرت ابی بکر میں چند ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں، جن میں چند اشخاص نے چند دعاوی پیش کیے، ان کے مطالبات کو بغیر کسی ثبوت کے قبول کر لیا گیا۔ ان میں سے صرف تین کو بنظرِ اختصار یہاں پیش کرتے ہیں۔

اوّل: جب بحرین کا مال آیا تو حضرت ابوبکر نے منادی کرا دی کہ جس جس سے سرکارِ رسالت نے کچھ وعدہ فرمایا ہے وہ میرے پاس آن کر لے۔ جابر کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے کہا کہ رسول اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر بحرین کا مال آیا تو ہم تمہیں اتنا اتنا اور اتنا دیں گے۔ اس پر حضرت ابوبکر نے مجھ سے کہا اس مال میں سے ایک لپ بھر لو، میں نے ایک لپ بھر لی۔ تو حضرت ابوبکر نے کہا کہ اس کو شمار کرو۔ میں نے شمار کیا تو پانچصد تھے

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ ق ۲ ص ۱۰۹

حضرت ابوبکر نے مجھے ڈیڑھ ہزار عطا کیے[1]

دوم۔ زنباع والدِ رباح نے اپنے غلام کی ناک کاٹ ڈالی۔ سرکارِ رسالت کے ارتحال پُر ملال کے بعد وہ غلام حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعوےٰ کیا کہ جناب رسالتمآب نے میری کٹی ہوئی ناک دیکھ کر اور میرا حال سن کر ارشاد فرمایا تھا کہ جا تو آزاد ہے میں نے پوچھا کہ میں اپنے تئیں کس کا آزاد کردہ غلام سمجھوں۔ سرکارِ رسالت نے فرمایا کہ خدا اور رسولؐ کا۔ حضرت ابوبکر نے نہ اس سے کوئی ثبوت طلب کیا اور نہ ہی کوئی گواہ شاہد مانگا۔ اور محض اس کے بیان کو سچا تسلیم کرکے اس کا اور اس کے اہل وعیال کا نفقہ مقرر کر دیا۔ حضرت عمر کے زمانہ میں وہی غلام حضرت عمر کے پاس آیا اور یہی دعویٰ پیش کیا۔ انہوں نے فوراً پوچھا کہ تو کہاں کی جاگیر چاہتا ہے۔ اس نے کہا کہ میں مصر کی جاگیر چاہتا ہوں۔ حضرت عمر نے فوراً عامل مصر کو لکھا، چنانچہ اسے مصر میں جاگیر مل گئی۔ نہ کسی نے ثبوت مانگا نہ گواہ طلب کیا۔ ہاں زنباع نے اس غلام کی ناک اس لیے کاٹی تھی کہ وہ اس کی لونڈی سے زنا کرتا ہوا پایا گیا تھا[2]

جابر ابن عبداللہ انصاری اور اس زانی غلام سے تو یہ طریق کار کہ

---

[1] صحیح بخاری کتاب الخمس باب اقطع النبی من البحرین ص ۴۸۸۔ طبع اصح المطابع دہلی

[2] مسند امام احمد حنبل ج ۲ ص ۱۸۲ ج ۱ ص ۱۳۳، ص ۲۸۵، ۲۵۹، ۲۵۱، ج ۴ ص ۵ و ص ۱۰۱، ج ۶ ص ۲۹۲، ۲۹۶، ۲۹۸، ۳۱۴

محض ان کا بیان کافی سمجھا گیا اور ان کے دعویٰ کو بلا ثبوت سچا تسلیم کر لیا گیا اور اس کے خلاف صدیقہ کبریٰ فاطمہ زہراؑ سے گواہ طلب کیے گئے۔ جب سیدہ نے علیؑ و حسنینؑ و ام ایمن جیسے گواہ پیش کیے تو ان کی گواہی کو تسلیم نہ کیا گیا۔

خاندانِ رسالت کے ساتھ یہ امتیازی سلوک حیرت زا ہے۔

سوم - یہودان بنی نضیر کی اراضیات بھی ایسی ہی تھیں کہ جن کو عام مسلمانوں نے حملہ کر کے فتح نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ بذریعہ صلح حاصل کی گئی تھیں۔ جب سرکارِ رسالت محمد مصطفےٰ ارواحنا لہ الفداء کے قبضہ میں آئیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان اراضیات کو حضرت ابوبکر، حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف، حضرت ابو دجانہ انصاری حضرت سماک بن خرشہ الساعدی اور دیگر صحابہ کرام کے حق میں ہبہ کر دیا تھا[۱]

جو انداز مقدمہ ہبہ فدک میں اختیار کیا گیا اس کا یہی تقاضا تھا، کہ ان اراضیات پر حکومت اسی طرح قبضہ کرتی۔ اور جب یہ لوگ دعوے دائر کرتے تو ان سے بھی ثبوت طلب کیا جاتا۔ اور اگر یہ لوگ علی و حسنین علیہم السلام سے بہتر گواہ لاتے تو یہ اراضیات انہیں واپس کی جاتیں ورنہ فدک کی طرح ان کو حکومت اپنے قبضہ میں رکھتی اور ان کے مقدمات کو خارج کر دیا جاتا۔

مقدمہ ہبہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ گواہی کا نصاب پورا نہیں تھا۔ شہادت

---

[۱] فتوح البلدان بلاذری ص۲۳ تا ص۲۷

و آدمیوں یا ایک آدمی یا دو عورتوں کی چاہیئے تھی۔

اول تو اس مقدمہ میں ارباب اقتدار نے صدیقہ کبریٰ فاطمہ زہرا کی شخصیت و نظر انداز کر دیا ہے۔ حالانکہ اس شخصیت کے متعلق حضرت ام المومنین بی بی عائشہ ارشاد فرماتی ہیں :۔

ماراَیت احدً کان اصدق بلهجة من فاطمة الّا ان یکون الذی ولدها صلی اللّٰہ علیہ وسلّم۔

" میں نے فاطمہ سے زیادہ کسی کو صاف گو نہیں دیکھا۔ البتہ ان کے والد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔"[۱]

نیز حدیث صحیح میں جناب رسول اللہ سے روایت موجود ہے، جو ایک عورت کی گواہی سے رضاع ثابت ہو جانے پر دلالت کرتی ہے۔ گو وہ کنیز ہی ہو[۲]

بلکہ حق یہ ہے، ایک گواہ ہو تو بھی اس کی صداقت ظاہر ہونے پر اسے تسلیم کر لینا چاہیئے۔ جناب رسالتمآب نے ابی قتادہ کے لیے قتل مشرک کے بارہ میں ایک گواہ کی شہادت جائز رکھی اور اسی پر مقتول کا سامان اس کے حوالہ کر دیا۔ اور ابو قتادہ سے کوئی حلف بھی نہ لی[۳]

اور پھر گواہ بھی علیؑ جیسا جس کی صداقت میں کوئی کلام نہیں۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ امام حسنؑ، امام حسینؑ اور سیدہ ام کلثوم کی گواہی

۱۔ استیعاب ج ۲ ص ۷۴۴۔ ۲۔ اعلام الموقعین ص ۳۴

۳۔ اعلام الموقعین لابن قیم ص ۳۶۔

باطل ہے کیونکہ اولاد اور صغیر کی گواہی مقبول نہیں[1] یہ عذر بھی مقبول نہیں کہ
اللہ تعالٰے یا رسول اللہ نے باپ، بیٹے یا بھائی یا کسی قرابتدار کو مستثنٰ
نہیں فرمایا۔ اور نہ ان میں سے کسی کے استثنا پر مسلمانوں کا اجماع ہوا
کہ اسے دلیل قرار دیا جائے۔ بلکہ عبدالرزاق نے ابی بکر بن ابی سبرہ سے روایت
کیا ہے۔ اس نے ابی الزناد سے اس نے عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے روایت
کیا۔ وہ کہتا ہے کہ عمر بن الخطاب نے کہا، باپ کی بیٹے کے لیے اور بیٹے کی
باپ کے لیے، بھائی کی بھائی کے لیے گواہی جائز ہے۔ اور اس نے باسناد خود
زہری سے روایت کیا ہے۔ اس نے کہا کہ سلف (متقدمین) مسلمین سے
جو صالح ہوتا تھا اس کی گواہی میں جو باپ کی بیٹے کے لیے یا بیٹے کی باپ
کے لیے یا بھائی کی بھائی کے لیے یا زوج کی اپنی زوجہ کے لیے ہوتی تھی
اس پر اعتراض نہیں کیا جاتا تھا۔ نہ مقام تہمت متصور ہوتا تھا۔[2]

اور اقربا کی شہادت کے مقبول ہونے پر قرآن مجید بھی دلالت کرتا ہے
ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ ولو علیٰ
انفسکم او الوالدین والاقربین۔ یعنی اللہ کے لیے تم عدل کے
ساتھ گواہ قائم ہو جاؤ اگرچہ یہ گواہی تم اپنے آپ پر دو یا اپنے والدین
اپنے اقربا پر دو۔[3]

حسنین کے صغیر سن ہونے کے متعلق جو اعتراض ہے وہ بھی منافی قرآن

---

[1] صواعق المحرقہ لابن حجر مکی ص۲۲، [2] اعلام الموقعین ص۱۳۹
[3] اعلام الموقعین ص۱۳۹۔

جب کہ طفل صغیر کی گواہی حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق مقبول ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گواہی اپنی ماں مریم طاہرہؑ کے متعلق مقبول ہے حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام اس وقت مہد میں طفل شیر خوار تھے۔ مقدمہ واقعہ مباہلہ اس پر شاہد کہ حسنین علیہما السلام رسول اللہ کی صداقت کے گواہ بن کر گئے تھے۔ جو ان کی عصمت کی دلیل ہے۔ جو رسول اللہؐ کے گواہ ہو سکتے ہیں وہ سیدہ کے گواہ کیوں نہیں ہو سکتے؟

خمس کے متعلق امام زاہد کا قول ہے کہ آلِ رسولؐ کا خمس میں حصہ قرآن کی نص سے صاف طور پر ثابت ہے۔ مگر چونکہ اس پر خلفائے راشدین نے عمل نہیں کیا پس آیۂ مذکور ہمارے نزدیک منسوخ ہو گئی۔[1]

خلفا بالاجماع غیر معصوم ہیں۔ اگر اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے، تو غیر معصوم حکمرانوں کا فعل نصوص قرآنیہ کو منسوخ کر سکتا ہے۔ اس اصول سے شریعت الٰہیہ کی جو پوزیشن رہ جاتی ہے وہ عاقل البصیر پر پوشیدہ نہیں۔ حالانکہ قرآنِ مجید کے احکامات قیامت تک کے لیے ہیں۔ اس اصول کو تسلیم کرنے والوں نے قرآنِ مجید کے احکامات کے تغیر و تبدل کا دروازہ کھول دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حزبِ اقتدار نے حزبِ اختلاف کو معاشی طور پر کمزور رکھنے کی پوری سعی کی ہے۔

صدقہ آلِ محمدؐ پر از روئے شریعت حرام ہے۔ خمس سے انہیں محروم کر دیا گیا۔ ہبہ شدہ جائداد سے انہیں بے دخل کیا گیا اور ان کے حق وراثت

---

[1] تفسیر احمدیہ صفحہ ۴۳۷ مطبوعہ دہلی

کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ حالانکہ ان کے ورثہ سے محروم ہونے کا ذکر قرآنِ مجید میں نہیں ہے اور انبیاء علیہم السلام کا ورثہ نصوص قرآنیہ اور کتب احادیث و تاریخ سے ثابت ہے اور جو حدیث محرومیٔ ورثہ کے لیے بیان کی گئی ہے وہ خبر احاد سے ہے، جسے حضرت ابوبکر کے سوا کسی نے بیان نہیں کیا۔

سوالات

۱۔ ناگہانی طور پر بیعتِ ابوبکر کا صحابہ پر کیا اثر تھا۔ اور اس پر انصار نے کیا اعلان کیا تھا؟

۲۔ حزبِ اقتدار کے حامی مورخوں نے اس بیعت پر اکابرِ قریش و معزز مہاجرین کے جذبات کی جو تصویر کشی اشاروں میں کی ہے اسے بیان کرو۔

۳۔ بنی ہاشم اور اکابر صحابہ کی جماعت کیا چاہتی تھی عتبہ بن ابی لہب کے اشعار کا خلاصہ بیان کرو۔

۴۔ خالد بن سعید بن عاص اموی کا احتجاج اور اس پر حضرت ابوبکر و حضرت عمر کا رویہ بیان کرو۔

۵۔ حضرت عباس ابن عبدالمطلب کی مخالفت پر مغیرہ بن شعبہ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو کیا مشورہ

دیا۔ اس پر حضرت ابوبکر نے انہیں رام کرنے کے لیے
کیا رویہ اختیار کیا اور حضرت عمر نے کیا کیا؟

۶۔ حضرت عباس نے حضرت ابوبکر اور عمر کی باتوں کا
کیا جواب دیا؟

۷۔ مہاجرین و انصار میں سے وہ کون کون سے صحابی
ہیں جنھوں نے بیعت حضرت ابوبکر سے انکار کیا۔

۸۔ اربابِ اقتدار نے رسولؐ کی بیٹی کے گھر پہنچ کر کیا
سلوک کیا؟

۹۔ سیدہ طاہرہ فاطمہ نے جو میراث کا دعویٰ کیا اسے
بیان کرکے حکومت کا جواب اور اس کا سیدہ پر
اثر بیان کرو۔

۱۰۔ معصومۂ کونین حضرت فاطمہ نے دعوئے ہبہ کس طرح
پیش کیا اور کس طرح ثبوت پیش کیا۔ گواہی پر حضرت
ابوبکر کے اعتراضات کیا تھے؟ آخر انہوں نے کیا
فیصلہ کیا اور حضرت عمر نے اس فیصلہ کو کس طرح
مسترد کیا۔

۱۱۔ ثابت کیجئے کہ سیدہ طاہرہ کے مقدمات تاریخ عدلیہ
میں اپنی نوعیت کے یگانہ مقدمات ہیں۔

۱۲۔ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں دوسرے مقدمات کے

فیصلہ کرنے کے کیا طریقے تھے؟ ثابت کرو کہ سیدہ کے مقدمات میں یہ طریقے اختیار نہیں کیے گیے۔

۱۳۔ مقدمات سیدہ کے علاوہ حضرت ابوبکر کے زمانہ کے چند اور مقدمات کی مثالیں پیش کرو کہ مقدمات سیدہ میں جو روش اختیار کی گئی وہ حیرت انگیز ہے۔

۱۴۔ ثابت کرو کہ جو انداز سیدہ کے مقدمات میں اختیار کیا گیا وہ ان کی شان عصمت کے منافی تھا۔

۱۵۔ اسلامی قانونِ شہادت کو بیان کر کے ان اعتراضات کا جواب دو جو مقدمۂ ہبہ پر نصابِ شہادت پہ کیے جاتے ہیں۔

۱۶۔ مقدمۂ خمس کے متعلق باوجود نصِ قرآن کے جو جواب دیا جاتا ہے اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو اس کا کیا نتیجہ ہوگا۔

۱۷۔ ثابت کرو کہ حزبِ اقتدار نے حزبِ اختلاف کو معاشی طور پر کمزور کرنے کی پوری طور پر سعی کی ہے۔

بارہواں باب

جناب امیر علیہ السلام کی پُرامن و سکون زندگی

مصلحانہ رویہ، قائدِ حزبِ اختلاف کا بہترین نمونۂ عمل

جناب امیر علیؑ کی گوشہ نشینی اور جمع قرآن

اس سیاسی انقلاب کے بعد جناب امیر علیہ السلام نے گھر سے نکلنا اور لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر دیا تھا۔ ہر وقت گوشۂ تنہائی میں بیٹھے قرآنِ حکیم کے متفرق اجزا کو جمع کرتے رہتے تھے۔ اگر کوئی اس عزلت گزینی کی وجہ دریافت کرتا تو فرماتے تھے کہ میں نے عہد کیا ہے کہ جب تک قرآنِ مجید کو اس کی اصلی ترتیب اور شانِ نزول کے مطابق جمع نہ کروں دوش پر عبا نہیں ڈالوں گا۔ انہوں نے اپنی گوشہ نشینی سے یہ بتلایا کہ سیاسی حالات کتنے ہی ناسازگار ہو جائیں ہمیں خدمتِ اسلام کے لیے مصروفِ جدوجہد رہنا ہے۔ رسول اللہؐ نے حدیثِ ثقلین کے ذریعہ امت کو بتلایا ہے کہ ہمارا اور قرآن کا ساتھ ہے۔ اس لیے قرآنِ حکیم کی حفاظت و صیانت ہمارا ایسا فریضہ ہے کہ

ہم اسے کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتے۔ کیونکہ قرآنِ کریم کا اس ترتیب سے ساتھ جس طرح وہ نازل ہوا تھا مرتب کرنا عام صحابہ کے بس کی بات نہ تھی۔ کیونکہ صحابہ کرام ہر وقت رسول اللہؐ کی خدمت میں موجود نہیں رہتے تھے۔ اور ان میں سے بہت سے حضرات مدینہ منورہ کی ہجرت کے بعد اسلام لائے تھے۔ اور قرآن اس سے پہلے نازل ہو رہا تھا۔ ان میں سے بہت سے تجارت پیشہ اور کاروباری لوگ تھے۔ ان کو اتنی بھی مہلت نہ تھی کہ قرآن مجید پورا یاد کرتے چہ جائیکہ ان کو آیات کی پوری ترتیب اور شانِ نزول پیش نظر ہوتی۔ بے شک اس کام کے لیے ایسی ہستی کی ضرورت تھی جس کو خاص طور سے رسول اللہ کی جانب سے علم قرآن حاصل ہوا ہو۔ جو آیات کی ترتیب، شان، کیفیت نزول سے پورے طور سے آگاہ ہو اور اعلان کر رہا ہو کہ میں جانتا ہوں۔ کہ کون سی آیت سفر میں نازل ہوئی اور کون سی حضر میں کونسے دن، کونسی رات کون سی ہموار زمین پر اور کونسے پہاڑ کی بلندی پر نازل ہوئی۔ بے شک ایسی ذات علی ابن ابی طالب کی تھی جنہیں اپنے حق سے محروم ہونے کے بعد بھی اپنے فرائض کا اتنا شدید احساس تھا۔ اسی لیے آپ کو اس گوشہ نشینی اور غم و رنج کی فراوانی کے عالم میں پہلی فکر جمع قرآن تھی لیکن سیاسی مصالح جن کی بنا پر حزب اقتدار نہیں چاہتا تھا کہ علیؑ کی شخصیت نمایاں ہو حزب اقتدار حزب اختلاف کے لیڈر کو بھلا دے میں ڈالنا چاہتا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ علیؑ کے کسی بڑے سے بڑے کام کو بڑا سمجھ کر اس کی اہمیت کو تسلیم کیا جائے۔ اس لیے علی علیہ السّلام کے جمع کیے ہوئے

قرآن کو اربابِ اقتدار نے محلِ توجہ قرار نہیں دیا۔ اور اسے لے کر غور سے دیکھنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اس لیے یہ دیکھ کر حضرت خاموش ہو رہے۔ اور اپنے جمع کردہ مصحف کو سلکِ مروارید کی طرح اپنے خزانۂ خاص میں محفوظ کیا۔[۱]

جناب شاہ ولی اللہ دہلوی نے حضرت علیؑ کے حالات میں لکھا ہے :۔

"حضرت علی کا حصہ علوم دینیہ کے زندہ کرنے میں یہ بھی ہے کہ آپ نے حضرت رسول اللہؐ کے سامنے قرآن کو جمع اور مرتب کیا تھا، لیکن اس کے شائع ہونے میں تقدیر نے مدد نہیں کی"[۲]

حکومت کے لیے جدوجہد کے مشورے اور علی علیہ السلام کا تدبّر

کچھ لوگ جناب امیر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ کو جوش دلاتے ہیں کہ آپ سلطنت کے لیے جو آپ کا حق ہے کوشش کیجیے۔ اُٹھیے ہم آپ کی امداد کے لیے تیار ہیں۔ ان میں حقیقی خیر خواہ اور دوست بھی ہیں اور نمائشی خود غرض بھی۔ جو خانہ جنگی سے اپنے مفاد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ سراپا تدبّر انسان اسلامی مفاد کے پیش نظر جذبات میں نہیں آتا، اور ایک ممتاز قائد حزب اختلاف کی حیثیت سے ہر قسم کی قربانی اور ایثار کے لیے کمربستہ ہے۔

---

[۱] مقدمہ تفسیر قرآن سید العلماء علامہ علی نقی مدظلہ'

[۲] ازالۃ الخفاء۔ مقصد ۲ صـ۲۷۳

حضرت عباس ابن عبد المطلب کی پیشکش

رسول اللہؐ کے چچا حضرت عباس ابن عبد المطلب کہتے ہیں کہ اپنا ہاتھ بڑھاؤ، میں آپ کی بیعت کر دوں۔ اس کا عوام پر بہت بڑا اثر پڑے گا۔ وہ کہیں گے کہ رسول اللہ کے چچا نے ان کے ابن عم کی بیعت کر لی۔ پھر کسی کو عذر نہ ہوگا۔ اگر علیؑ کو صرف اپنا مفاد پیش نظر ہوتا تو یہ بہترین موقعہ تھا مگر وہ اپنے مفاد کی بجائے ایثار کے آئینے میں حقائق کو دیکھ رہے تھے۔

بنی امیہ کے سردار ابو سفیان بن الحرب کی پیشکش

بنی امیہ کا سردار ابو سفیان جو آخری وقت تک رسول اللہ سے برسرپیکار رہا اور اپنی آخری ناکامی پر اسلام میں داخل ہوا تاکہ موقعہ آنے پر اپنی ناکامیوں کو کامیابیوں سے بدل سکے حاضر خدمت ہوتا ہے اور کہتا ہے :۔

"کتنے غضب کی بات ہے کہ آپ لوگوں کے ہوتے ہوئے قریش کے ادنیٰ قبیلہ کو خلافت سے کیا ربط اور واسطہ۔ خدا کی قسم علیؑ تم کھڑے ہو جاؤ اور کہو تو میں اس میدان کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں[۱]۔"

مگر حزب اختلاف کے لیڈر علی ابن ابی طالب جذبات سے بہت بلند و برتر اور خود غرضی کی لوث سے مبرا و منزا اسلام کے سچے محافظ اور اپنے

---

[۱] تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۲۰۳، کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۴۰

فرائض کے شناسا انسان تھے۔ لوگوں کے کہنے میں نہیں آتے۔ وہ ابوسفیان کو اس طرح ڈانٹ کر جواب دیتے ہیں۔ "کہ خدا کی قسم تو ہمیشہ اسلام اور اہلِ اسلام کا دشمن رہا ہے۔ اس کلام سے تیرا مقصود صرف یہ ہے کہ اسلام میں ایک فتنہ پیدا کر دے، تو ہمیشہ اسلام کو نقصان ہی پہنچانے کی فکر میں رہا۔ مجھے تیری نصیحت اور ہمدردی کی کوئی ضرورت نہیں[۱]" حضرت علی علیہ السلام کا یہ جواب صاف بتلا رہا ہے کہ ہمارے حقوق ہاتھ سے جائیں ہمیں ذاتی طور پر نقصان پہنچے مگر ہماری نظر ہمیشہ اسلامی مفاد پر ہے اور ہم اس کیلئے ہر طرح قربانی اور ایثار کیلئے تیار ہیں حضرت علی علیہ السلام کے اس عمل اور ان کے ان الفاظ نے تمام مسلمانوں کو جس میں حزب اقتدار بھی شامل تھا، واضح طور پر بتلا دیا کہ ابوسفیان اور ان کے خاندان کا اسلام صرف نمائشی اسلام ہے۔ اور ان سے اسلام کو ہمیشہ ضرر و نقصان کا اندیشہ ہے۔ اور ہم اسلام کے سچے خیر خواہ ہیں۔ اس لیے مفادِ اسلام کے لیے ہر طرح کی قربانی کے لیے آمادہ ہیں۔ اگر علیؑ عام انسانوں کی طرح ابوسفیان کی باتوں میں آجاتے اور اس کی امداد پر اعتماد کر کے کھڑے ہو جاتے تو اسلام اسی وقت ہولناک خانہ جنگی میں مبتلا ہو جاتا اور رسول اللہؐ کی تمام کوششوں پر پانی پھر جاتا۔ بھلا علیؑ جیسے وفا شعار اپنے مفاد کے لیے اسلام کی اس تباہی کو کس طرح برداشت کر سکتے تھے؛

حزبِ اقتدار پر اس واقعہ کا اثر

مورخین نے ابوسفیان کے اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔ جب

---

[۱] تاریخ طبری جلد ۳ ص ۲۰۳

سرکارِ رسالتؐ نے انتقال فرمایا، ابوسفیان کسی کام کے لیے مدینہ سے باہر گیا ہوا تھا، جب وہ پلٹا تو ایک شخص کو دیکھا کہ مدینہ سے آرہا ہے ابوسفیان نے اس شخص سے پوچھا کیوں بھائی کیا محمدؐ مر گئے۔ اس شخص نے کہا، ہاں پوچھا پھر ان کی جگہ کون حاکم ہوا۔ کہا حضرت ابوبکر۔ ابوسفیان بولا۔کہ ابوبکر کے خلیفہ ہو جانے پر وہ دونوں جو بہت کمزور سمجھ لیے گئے ہیں، یعنی حضرت علی اور حضرت عباس نے کیا کیا۔ اس نے جواب دیا، وہ دونوں خاموش بیٹھے رہے۔ اس پر ابوسفیان بولا۔ خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو ان دونوں کو برانگیختہ کرکے رہوں گا، پھر کہا میں اب فتنہ وفساد کا وہ غبار دیکھ رہا ہوں جس کو خون ریزی کے سوائے کوئی چیز بھی نہیں دبا سکتی۔ پھر جب ابوسفیان مدینہ میں پہنچا تو اس کی گلیوں اور کوچوں میں پھر کر اور چکر لگا کر اس واقعہ پر اپنی حیرت اور اپنے غصہ کا اظہار کر رہا تھا اور چند اشعار پڑھتا تھا جن کا حاصل ترجمہ یہ تھا:۔

اے بنو ہاشم۔ تم لوگوں کو اپنے بارے میں طمع نہ دلاؤ۔ خاص کر بنو تیم (حضرت ابوبکر کا قبیلہ) اور بنو عدی (حضرت عمر کا قبیلہ) کو کیونکہ یہ خلافت تمہارے خاندان کے سوا کسی اور طرف نہیں جانا چاہیئے۔ اور تمہاری طرف اس کی بازگشت ہونا چاہیئے اور اس خلافت کا حقدار حضرت ابوالحسن علی ابن ابی طالب کے سوا کوئی بھی نہیں ہے اس کی اس ہنگامہ آرائی پر حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ لو یہ بھی یہاں آ گیا۔ یہ تو بہت بڑا فتنہ وفساد

بپا کرے گا۔ اسی وجہ سے رسول اللہؐ اس کی تالیف قلب کرتے رہتے تھے، اب مصلحت یہ ہے کہ اس کے ہاتھ میں جو صدقہ کے امور ہیں اس کو اسی طرح رہنے دو۔ حضرت ابوبکر نے ایسا ہی کیا۔[1]

ابوسفیان کی اس معاندانہ روش کا اثر تھا کہ شام کی مہم میں اس کے دونوں بیٹوں یزید و معاویہ کو شامل کر کے بھیجا گیا اور پھر شام کی گورنری ان کے لیے ہی مخصوص ہو گئی۔ اور اس زینہ سے یہ خاندان بادشاہت تک پہنچ گیا۔ ابوسفیان کی اولاد فتوحات ملکی کے دروازہ قصر سلطنت میں داخل ہوئی۔

حضرت علی علیہ السلام کی مشکلات اور ان کا تدبر

ایک ایسے زمانہ میں جبکہ عرب کی اس نوزائیدہ حکومت پر ارتدادی زلزلہ طاری تھا ہر طرف مخالفت کے علم بلند تھے۔ بغاوتیں ہو رہی تھیں۔ علیؑ کا اپنے حقوق کے لیے جنگ شروع کر دینا بظاہر ان کی کامیابی کا ذریعہ ہوتا۔ اگر علیؑ کے سوا کوئی اور انسان ہوتا تو ابوسفیان کی پیشکش کو قبول کر لیتا۔ ایسے حالات میں تو حقدار اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے تنکے کا سہارا بھی قبول کر لیتے ہیں۔ مگر وہ علیؑ تھے جو تمام جذبات سے بالا و برتر تھے۔ یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے اور صبر کیے ہوئے تھے اس وقت آپ کا سخت امتحان لیا گیا۔ ایک طرف بنی امیہ کی حمایت سے حصول سلطنت کی امید تھی

---

[1] عقدالفرید جلد ۲ صفحہ ۱۹۶ مطبوعہ مصر

اور دوسرے طرف حدیدالاسلام لوگوں کے اسلام سے روگردان ہو جانے اور اسلام کے تباہ ہو جانے کا اندیشہ، علیؑ اس امتحان میں پورے اترے۔ انہوں اپنے حقوق کو قربان کر کے اسلام کو تباہی سے بچا لیا۔ آپ نے اس موقعہ پر ایک خطبہ بھی ارشاد فرمایا۔ جس کا ایک ایک لفظ قابلِ غور و فکر ہے۔ اس خطبہ کا ترجمہ یہ ہے۔

نزاکتِ زمانہ کے پیشِ نظر حضرت علی مرتضیٰؑ کا خطبہ

"لوگو! اسلام میں جو فتنے پیدا ہوا چاہتے ہیں۔ ان کی موجوں کو اپنے صبر و ضبط کی کشتیوں سے چیر ڈالو اور بھڑ کانے والے راستہ سے مڑ جاؤ، اور تکبر اور مفاخرت کے تاجوں کو اتار کر پھینک دو۔ یہ جان لو کہ وہی شخص اپنے ارادوں میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ جو کسی مضبوط بازو کے سہارے کھڑا ہو یا خاموش رہ کر لوگوں کو آسودہ کرے، دنیا گویا متعفن (ابدلودار) پانی ہے اور وہ بدمزہ لقمہ ہے کہ جس کے کھانے والے کو اچھو ہونے لگے۔ علاوہ بریں اس وقت بیعت لینا اس وجہ سے بھی مناسب نہیں کہ بے وقت میوؤں کا چننے والا مثل اس شخص کے ہے جو نامناسب زمین میں زراعت کرے اور دیکھو اگر میں معاملہ خلافت میں دخل دے کر کچھ بولتا ہوں تو سب لوگ کہنے لگیں گے کہ حکومت کے لیے لالچ اختیار کیا ہے۔ اگر سکوت اختیار کرتا ہوں تو کہتے ہیں کہ علیؑ تو موت سے ڈر گیا، افسوس میرے

جہادوں اور رسول اللہ کے غزوات میں میرے چھوٹے بڑے معرکے دیکھنے کے بعد بھی یہ لوگ ایسا خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ خدا کی قسم علیؑ موت سے اس قدر مانوس ہے کہ اتنا کوئی بچہ اپنی ماں کے پستان سے بھی مانوس نہ ہوگا۔ مگر میرے سکوت کی وجہ یہ ہے کہ میں ایسے علم پر مطلع ہوں جس کو اگر ظاہر کردوں تو تم لوگ اس طرح ڈانواں ڈول ہو جاؤ جیسے گہرے کنویں میں ڈول وغیرہ کی رسیاں ہلنے لگتی ہیں اور ڈول سے ٹکراتی جاتی ہیں، انہیں سکون وقرار نہیں ہوتا[1]

اگر علیؑ دوراندیشی سے کام نہ لیتے تو کیا ہوتا؟

اس موقعہ پر علیؑ کی مصلحت بینی نے وہی راہ اختیار کی جو سرکار رسالتؐ صلح حدیبیہ میں اختیار کر چکے تھے۔ اگر حضرت علی، ابوسفیان کی حمایت قبول کر لیتے اور میدان میں اتر کر اعلانِ جنگ کر دیتے تو مسلمان ایک دوسرے کی گردنیں کاٹ کٹا کر کمزور ہو جاتے کہ کفار، یہود ونصاریٰ سب ٹوٹ پڑتے اور وہ لوگ جو اسلام سے شکست پر شکست کھا چکے تھے انتقام پر کمربستہ ہو جاتے۔ علیؑ نے اسلام کی بھلائی اسی میں دیکھی کہ وہ خاموش رہ کر اسلام کے قدموں کو مضبوط ہونے دیں۔ علی علیہ السلام کو اپنے قیامِ حکومت سے اسلام زیادہ عزیز ومحبوب تھا۔

---

[1] نہج البلاغہ جلد ۱ ص ۴۲

سیدہ طاہرہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی وفات

پیغمبر کی جدائی کا صدمہ ابھی تازہ تھا کہ علیؑ کا سرمایۂ تسکین بھی رخصت ہوا۔ دکھ درد کی شریکۂ حیات معصومۂ کونین فاطمہ زہراؑ نے رسول اللہ کی رحلت کے ٹھیک تین مہینے بعد سفرِ آخرت اختیار کیا۔ اور آپ نے انہیں رات کے وقت باپ کے پہلو میں دفن کیا

علی علیہ السلام کا حکمرانوں کی اعانت فرمانا

حضرت علی علیہ السلام پے در پے صدمات اور زمانہ کی سرد مہری اور حقوق سے محرومی سے ملول و کبیدہ خاطر ضرور تھے۔ مگر ارباب اقتدار کو جب کسی علمی مسئلہ کے سلجھانے میں دقت پیش آتی یا کسی سیاسی مہم کے متعلق مشورہ کی ضرورت پڑتی یا کسی اہم مقدمہ میں ان سے اعانت طلب کی جاتی تو وہ بلا عذر امداد دینے کے لیے ہمیشہ آمادہ تھے۔ یہ وہ طریق کار ہے جو عام جذباتی انسانوں کے رویہ کے بالکل خلاف ہے۔ عام انسان اگر کسی منصب سے جس کی وہ امید رکھتے ہیں محروم کر دیے جائیں تو محروم کرنے والوں سے الگ ہو جائیں گے۔ اور اگر وہ ان سے کسی امر میں اعانت چاہیں تو اپنی سابقہ رنجش کی بنا پر تعاون سے انکار کر دیں گے۔ مگر علی علیہ السلام نے اپنی روش سے بتلایا کہ مسلمان ہمیں اپنے معاملات سے کتنا ہی بے تعلق کر دیں مگر ہمیں کبھی اپنے آپ کو غیر متعلق نہیں سمجھنا چاہیئے۔ ہمیں ہمیشہ ایسے مواقع کا انتظار کرنا چاہیئے کہ جس میں ہم اسلام اور مسلمانوں کے معاملات کو فائدہ پہنچا سکیں۔ اسلام

اور مسلمانوں کا مفاد ہمیں ہمیشہ پیش نظر ہے اور ہم اسلام اور مسلمانوں کی گتھیاں سلجھانا اپنا فرض سمجھتے ہیں اور اسلام کی خدمت ہمارا واحد نصب العین ہے۔

حضرت علیؑ قائدِ حزبِ اختلاف کا بہترین نمونہ ہیں۔

جب اربابِ اقتدار نے زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو حضرت علی علیہ السلام نے حزبِ اختلاف کی قیادت سنبھال لی۔ اگر مسلمانوں نے انہیں سرکارِ رسالت کے بعد رسول اللہ کی منشا کے مطابق قائدِ اقتدار ہونے کا موقعہ نہ دیا تو انہوں نے قائدِ حزبِ اختلاف کا بہترین نمونہ پیش کیا۔ اربابِ اقتدار سے اپنے اختلافات کے باوجود مذہب و ملت اور ملک و مملکت کی فلاح و بہبود کو اپنا نصب العین بنایا۔ عام اربابِ حزبِ اختلاف کی طرح ملک و ملت کی تخریب کے درپے نہیں ہوئے۔ بلکہ ملکی نظم و نسق، ملکی تعمیر و ملکی دفاع میں اربابِ اقتدار کے قوت بازو رہے۔ انہیں اکثر مواقع پر علی علیہ السلام کے تعاون کا ان الفاظ میں اعتراف کرنا پڑا کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو ہم ہلاک ہو جاتے۔ علی علیہ السلام کا مصلحانہ رویہ حزبِ اختلاف کے لیے بہترین نمونۂ عمل ہے۔ چنانچہ اسی لیے بعض مورخین کو حضرت علی علیہ السلام کے اس مصلحانہ رویّہ کا ان الفاظ میں اعتراف کرنا پڑا۔

"علی نے اپنی علو ہمتی اور اسلام دوستی کا ثبوت دیا۔ اگر وہ ذاتی اغراض یا رنجشوں کو اسلام کے مفاد پر ترجیح دیکر حضرت ابوبکر سے عدمِ تعاون کرتے تو یہ امر انکے دامنِ شہرت پر ایک بدنما داغ ہوتا۔[1]"

---

[1] تاریخ اسلام پروفیسر سید عبدالقادر و پروفیسر محمد شجاع الدین صفحہ ۱۶۲

سوالات

۱۔ سیاسی انقلاب کے بعد جناب امیر کی گوشہ نشینی اور ان کے مشغلہ جمع قرآن کی اہمیت کو بیان کرو۔ ارباب اقتدار نے حضرت علیؑ کے جمع کیئے ہوئے قرآن کو کیوں محل توجہ قرار نہیں دیا؟

۲۔ وہ کون سے دو گروہ تھے جنہوں نے حضرت علیؑ کو حصول حکومت کے لیے جدو جہد کرنے کے مشورے دیئے؟ اس پر حضرت علیؑ کے مدبرانہ رویہ کو بیان کرو۔

۳۔ حضرت عباس ابن عبدالمطلب کی پیشکش کو بیان کرو حضرت علی نے اس پیشکش کو کیوں قبول نہ فرمایا؟

۴۔ ابوسفیان کی پیشکش میں کیا سیاسی مصلحت تھی۔ اور حضرت علیؑ نے اس کا کیا جواب دیا۔ اس جواب سے حضرت علیؑ نے مسلمانوں کو کیا سبق دیا؟

۵۔ ابوسفیان کی پیشکش کا ارباب اقتدار پر کیا اثر ہوا۔ اور انہوں نے اس پر کیا رویہ اختیار کیا؟ اور اس رویہ سے مسلمانوں کی تاریخ پر کیا اثر پڑا؟

۶۔ حضرت علیؑ کی مشکلات اور ان کے تدبّر کو بیان کرو۔

۷۔ نزاکتِ زمانہ کے لحاظ سے حضرت علیؑ نے جو ہادیانہ خطبہ ارشاد فرمایا اسے بیان کرو۔

۸۔ اگر حضرت علیؑ دور اندیشی سے کام نہ لیتے تو کیا ہوتا؟

۹۔ حضرت علیؑ کے حکمرانوں سے تعاون کا ذکر کرکے اس تعاون کی وجہ بیان کیجئے۔

۱۰۔ ثابت کیجئے کہ حضرت علیؑ حزبِ اختلاف کے قائد کا بہترین نمونۂ عمل ہیں۔

۱۱۔ مسلمان ملکوں کے حزبِ اختلاف کو حضرت علیؑ کی مصلحانہ زندگی سے کیا سبق ملتا ہے؟

تیرھواں باب

حضرت ابوبکر کی خارجہ حکمتِ عملی!
حکومت کو بچانے کے لیے عربوں کو جنگ و جدل میں مصروف کر دینا ناگزیر تھا

سرکارِ رسالت کے ارتحال پُر ملال کے بعد جو حکومت مدینہ میں قائم ہوئی تھی وہ ایسے حالات میں قائم ہوئی تھی کہ اسے قائم رکھنے اور مخالفتوں سے بچانے کے لیے عربوں کو جنگ و جدل میں مصروف کر د ضروری تھا اور انہیں عرب سے باہر ممالکِ خارجہ میں بھیجنے کے سو چارۂ کار نہ تھا۔

۱۔ حکومت کے لیے یہ بڑی خطرناک صورت تھی کہ عام طور پر یہ بحث چھڑ گئی تھی کہ خلافت کس کا حق ہے اور وہ کن ہاتھوں میں چلی گئی ہے۔ اس بحث کو جلد سے جلد روکنا ضروری تھا۔

۲۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے انتخاب کے بعد جب لوگوں نے بالخصو

انصار نے واقعات پر غور و فکر کرنا شروع کیا تو مہاجر و انصار کے دو کیمپ بن گئے تھے۔ اور وہ آپس میں لڑنے لگے تھے انصار نے نتیجہ نکالا تھا کہ ہم نے علیؑ کو چھوڑنے میں شدید غلطی کی ہے انصار کی اکثریت بیعت حضرت ابی بکر پر نادم تھی اور انہیں افسوس تھا کہ علیؑ اس وقت کیوں موجود نہ ہوئے۔

۳۔ حضرت ابوبکر کی پارٹی نے محسوس کرنا شروع کر دیا تھا کہ انصار لوگوں کو حکومت کے خلاف علی ابن ابی طالب کی حمایت کے لیے اُبھارتے ہیں۔

۴۔ قریش میں چند آدمی خاص طور پر انصار کے خلاف تھے، وہ اس مخالفت کی آگ کو خاص طور پہ ہوا دے رہے تھے۔ مثلاً سہیل بن عمرو، حرث بن ہشام، عکرمہ بن ابی جہل۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے رسول اللہؐ کے خلاف خصوصیت سے جنگوں میں حصہ لیا تھا اور آخر شکست خوردہ ذہنیت سے اسلام قبول کیا تھا۔ اور یہ سب وہ تھے جنہیں انصار سے ان جنگوں میں اذیتیں پہنچی تھیں اور وہ اپنے دلوں میں انصار سے کینہ رکھتے تھے۔

سہیل بن عمرو کو جنگ بدر میں مالک بن دخشم نے قیدی بنایا تھا۔ حرث بن ہشام کو جنگِ بدر میں عمرہ بن عمرو نے مجروح کیا تھا۔ عکرمہ بن ابی جہل کے باپ کو عفرہ کے دونوں بیٹوں نے قتل کیا تھا اور زیاد بن لبید نے اس کی زرہ اتاری تھی۔

۵۔ ابوسفیان جیسے لوگوں نے حکومت کے خلاف لوگوں کو بھڑکانا شروع کر دیا تھا۔

۶۔ کچھ لوگوں نے یہ خطرناک عذر پیدا کر دیا تھا کہ موجودہ حاکم جائز نہیں۔ لہٰذا ہم ان کو زکوٰۃ نہ دیں گے۔

۷۔ کچھ لوگ حصولِ اقتدار کے لیے حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر چکے تھے۔

ان حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے عربوں کو جنگ و جدل کے مشغلہ میں لگا دینا اور انہیں مالِ غنیمت کے دھندہ میں مصروف کر دینا ضروری تھا۔

عربوں کی دو خصوصیتوں جبلّتِ جدلیہ اور مالِ غنیمت کی طمع سے حکومت نے فائدہ اٹھایا

اربابِ اقتدار یہ اچھی طرح سے جانتے تھے کہ جبلتِ نزاعیہ یا جدلیہ (Pagnacity Instinct) یعنی لڑنا اور دوسرے مالِ غنیمت لوٹنا عربوں کی دو نمایاں خصوصیتیں ہیں۔ لہٰذا حکومت کو مشکلات درپیش ہیں۔ ان کا واحد حل یہی ہے، ان لوگوں کو مدینہ سے باہر بھیج دیا جائے تاکہ ان کو یہ دونوں موقعے مل جائیں۔ دل کھول کر لڑ بھی لیں اور جی بھر کر مالِ غنیمت سے بھی لطف اندوز ہو جائیں۔ چنانچہ عربوں کو مصروفِ جنگ و جدل کرنے کے لیے منکرینِ زکوٰۃ کو مرتد قرار دیا گیا۔ ان کا مال مالِ غنیمت بنا اور ان کے زن و فرزند لونڈی اور غلام بنا لیے گئے

جنگ کی یہ مشغولیت جلد ختم ہوگئی تو فاتح افواج کو مدینہ میں آنے کا موقعہ ہی نہ دیا اور انہیں سیدھا ایران اور روم کی لڑائیوں پر روانہ کر دیا گیا، عام لام بندی ہوئی۔ اب وہ خلافت کے حق و ناحق ہونے کی بحث بھی بھول گئے انصار و مہاجر کی مخالفت بھی ختم ہو گئی۔ ابوسفیان جیسے خود غرض لوگوں کو بھی اپنی اولاد کو فتوحات کے دروازہ سے قصر حکومت میں پہنچانے کا موقعہ مل گیا۔ مخالفتیں اور بغاوتیں بھی ختم ہوگئیں۔ اور مال غنیمت نے سب کے منہ پر مہرِ سکوت لگا دی ۔ یہ فوج کشی ایک سیاسی تدبیر تھی جس سے ہنگامی حالات میں قائم ہونے والی متزلزل حکومت کو ہر دلعزیزی اور استحکام حاصل ہوا۔

انسانی حاکمیت کی لڑائیوں کی غرض و غایت

حضرت ابی بکر کی خلافت میں جن لڑائیوں کا آغاز ہوا ان کی حقیقی اغراض یہ تھیں :۔

۱۔ لوگوں کو حکومت پر تنقید اور تبصرہ کا موقعہ نہ دیا جائے۔ اور ان کی نکتہ چینی کی زبان پر مہرِ سکوت ثبت کر دی جائے۔

۲۔ ارباب حکومت عوام کی نظروں میں ہر دلعزیز ہو جائیں اور ان کے مذہبی اور ملکی وقار کا سکہ عوام کے دلوں میں بیٹھ جائے۔

۳۔ مال غنیمت سے لوگوں کی زبان بندی کر دی جائے۔ اور وہ ذاتی مفاد کے پیش نظر دینی و مذہبی نفع و نقصان کو سوچ ہی نہ سکیں۔

۴۔ جو لوگ جاہ طلب اور حصولِ اقتدار کے خواہاں ہیں انہیں حصولِ اقتدار کے مواقع بہم پہنچائے جائیں اور اس طرح ان کے ذریعہ برسرِ اقتدار پارٹی کو مضبوط کیا جائے۔

۵۔ ان ساری تدابیر سے حکومت کو محفوظ اور مستحکم کر لیا جائے

۶۔ اس ہنگامہ آرائی میں حزبِ اختلاف کی طرف لوگوں کو متوجہ ہی نہ ہونے دیا جائے۔

بعض مورخین نے اُن اغراض سے اختلاف کیا ہے اُن کے دلائل پر نقد و تبصرہ

۱۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اسلام نے یک لخت عرب کی ساری فطرت بدل کر انہیں اتنا بلند و برتر کر دیا تھا کہ وہ جبلت سے بدل کر اور مالِ غنیمت کی طمع میں جنگ و جدل میں پڑنے والے نہیں تھے۔ ان مورخین کا یہ نظریہ حقائق کے خلاف ہے۔ چنانچہ علامہ مشرقی فرماتے ہیں :-

"اسلام اور قرآن نے عربوں کی جبلت اور طینت کو نہیں بدلا تھا۔ وہ عادتیں اور خصلتیں جو ان کی فطرت میں ہزار در ہزار برس پہلے سے چلی آتی تھیں کس طرح چشم زدن میں ان سے رخصت ہو کر اپنا نقش پا نہ چھوڑتیں۔ وہ ملی اوصاف جو قرون اور صدیوں پہلے ان کے مٹی میں خمیر ہو چکے تھے ان کے طبعی میلانِ کار کو کیسے بے اثر چھوڑ دیتے۔ قرآن اور اسلام

کی تعلیم سے عرب اپنی ظاہری عبادات اور رسومات کو بدل سکتے تھے۔ اپنے آبائی روایات اور اعتقادات کو بادی النظر میں بدل سکتے تھے۔" (تذکرہ مقدمہ صـ۶: صـ۶۸)

اسلام کے لانے کے بعد بھی مالِ غنیمت کی طمع میں عرب ممتاز تھے۔ غزوۂ حنین ۸ھ میں واقعہ ہوا تھا۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کو شکست مالِ غنیمت کے شغف کی وجہ سے ہوئی۔ کیونکہ مسلمان غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ صحیح بخاری میں غزوۂ حنین کے ذکر میں ہے۔ فاقبلوا المسلمون علی الغنائم واستقبلونا بالسهام۔ یعنی پس مسلمان غنیمت پر ٹوٹ پڑے اور کافروں نے ہم کو تیروں پہ رکھ لیا۔

حنین زمانۂ رسالت کے آخری غزوات میں سے ایک غزوہ ہے کیا اس سے عربوں کے مالِ غنیمت کے جذبہ میں فرق معلوم ہوتا ہے کیا اس لحاظ سے ان کی طینت میں کوئی نمایاں تغیر دکھلائی دیتا ہے

جناب رسالتمآبؐ نے خالد بن ولید کو بنو جذیمہ کی طرف محض تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا اور خاص طور سے ہدایت کر دی کہ لڑنا نہیں۔ بنو جذیمہ مسلمان ہو گئے۔ کلمہ پڑھنے لگے۔ لیکن مالِ غنیمت کے لالچ میں حضرت خالد نے ان کو قتل کرا دیا۔ اور مالِ غنیمت لوٹ لیا۔ جب وہ واپس آئے تو جناب رسالتمآبؐ ان پر بہت ناراض ہوئے۔ تین دفعہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ اے خدا

خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے بری ہوں[۱]

اس واقعہ کے بعد حضرت خالد کے قتل مالک بن نویرہ پر غور کیجئے۔ کیا اس واقعہ سے عربوں کے لوٹ مار کے شغف میں کوئی کمی محسوس ہوتی ہے؟ کیا ان کی جبلت جدلیہ میں کوئی تغیر ہے؟

۲۔ کہا جاتا ہے کہ رومی اور ایرانی سلطنتوں کے پاس حضرت ابوبکر سے زیادہ ذرائع موجود تھے۔ افواج اور اسلحہ زیادہ تھے۔ وہ ان حالات میں ہر دلعزیزی کے لیے ان دونوں سلطنتوں کے لڑانے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔

زمانہ رسالت میں اسلامی حکومت کے ذرائع بھی بہت بڑھ چکے تھے۔ خیبر کی فتح کے بعد مسلمانوں میں ایک عظیم الشان معاشی انقلاب آچکا تھا۔ خیبر کی فتح سے مسلمانوں کو مال کثیر ہاتھ لگا تھا۔ اور خیبر کی فتح سے مرعوب ہو کر جو یہودی نوآبادیاں تیما، فدک اور وادی القریٰ مسلمانوں کے ہاتھ آئی تھیں بہت زرخیز تھیں۔ گویا علوی سیاست سے جو مفاد اسلامی سلطنت کو پہنچا تھا اس سے حضرت ابوبکر فائدہ اٹھا رہے تھے۔

جناب رسالت مآب نے مسلمانوں میں ایک ایسا جذبہ پیدا کر دیا تھا کہ وہ قلت میں بھی کثرت کو شکست دے سکتے تھے۔ اور بے سروسامانی میں بھی کثیر الاسلحہ افواج پر غالب آتے تھے۔ جیسا کہ

---

[۱] تاریخ طبری الجزء الثالث صد ۱۲۴، سیرۃ النبی شبلی حصہ اول جلد اول ص ۴۳۸۔

غزوات زمانہ رسالت سے ظاہر ہے۔ حضرت ابوبکر کو رسالت مآب کے اس پیداکردہ جذبہ پر بھروسہ تھا۔ جس کے پیش نظر انہوں نے یہ اقدام کیا۔

سرکار رسالت کے زمانہ میں غزوۂ تبوک میں اگرچہ لڑائی نہ ہوئی تھی مگر فوجی مظاہرہ سے مسلمانوں کی جرأتیں بڑھ چکی تھیں۔ اور حضرت ابوبکر کو اس کا احساس تھا اور یہی احساس اس جرأت کا موجب ہوا۔ ذرائع کی فراوانی کے باوجود رومی اور ایرانی سلطنتوں میں اندرونی خلفشار تھا یہی امر حملہ کی جرأت کا باعث ہوا۔

ممالک خارجہ میں لشکرکشی کا موجب سیاسی مصالح تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر کا مہم شام میں خالدبن سعیداموی کو سرداری کی پیشکش فرمانا اور ان کے گھر پر علم بھیجنا ان کی مخالفت کو دور کرنے کے لیے تھا۔ اور اسی طرح ابوسفیان کی اولاد کو جنہیں سرکار رسالت نے ذمہ دارانہ فرائض سپرد کرنا کبھی گوارا نہ کیا مہم شام میں شامل کرنا اس مخالفت کے ازالہ کے لیے تھا جس پر وہ کمربستہ تھا۔ جسے علیؑ نے دشمن اسلام سمجھ کر ٹھکرایا تھا۔ اس کی اولاد کو ان مہمات میں فوجی مناصب پر سرفراز فرمانا اور پھر مفتوحہ علاقہ پر مسلط کرنا ان اغراض کو نمایاں کر رہا ہے جو حضرت ابوبکر کی خارجہ حکمت عملی میں پنہاں تھیں۔

مہمات عراق

اندرونی خلفشار اور مخالفتوں کو دبانے کے بعد حضرت ابوبکر نے اپنے لشکروں کو عراق و شام کی فتح

کے لیے روانہ کیا۔ خالد بن ولید محرم سنہ ۱۲ھ (۶۳۴ء) کو عراق کی مہم کے لیے مامور ہوئے اور قعقاع بن عمرو ان کے اسسٹنٹ مقرر ہوئے۔ ان دونوں جرنیلوں کو حکم ہوا کہ سرحدِ ایران کے مشہور مقام رملہ کی طرف سے عراق پر فوج کشی کریں۔ دوسری طرف سے عیاض بن غنم اور عبدالغوث حمیدی مامور ہوئے کہ منیح کے مقام کی طرف سے حملہ کریں۔

خالد بن ولید نے رملہ کے گورنر کو لکھا کہ یا تو مسلمان ہو جاؤ ورنہ جزیہ ادا کرو۔ اگر ان دونوں شرطوں میں سے تمہیں کوئی منظور نہیں تو سمجھ لو تم پر وہ قوم حملہ آور ہوگی جو موت کی اس طرح شیدائی ہے جس طرح تم لوگ زندگی کو عزیز سمجھتے ہو۔ رملہ کے گورنر نے یہ خط کسریٰ ایران کی مرکزی حکومت کو بھیج دیا اور خود لڑائی کی تیاریاں کرنے لگا۔ شاہِ ایران نے اس خط کو پڑھ کر اپنی فوجوں کو بھی لڑائی کے لیے حکم دے دیا۔

کاظمہ کی لڑائی

مسلمانوں اور ایرانیوں میں سب سے پہلی ٹکر کاظمہ کے مقام پر ہوئی۔ رملہ کا گورنر ہرمز قتل ہوا۔ اور ایرانیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ خالد کی طرف سے مثنیٰ بن حارثہ ان کے تعاقب پر مامور ہوا۔

جنگِ ثنیٰ

کاظمہ میں شکست کھانے کے بعد شاہِ ایران نے ایک تازہ دم فوج مسلمانوں کے خلاف بھیجی۔ اس فوج کا کمانڈر قارن تھا۔ خالد مقابلہ کے لیے ثنیٰ کے مقام پر پہنچے۔ گھمسان کا رن پڑا۔ ہزاروں ایرانی تہ تیغ کر دیے گیے۔ قارن مارا گیا اور ایرانی افواج شکست

کھا کر پسپا ہوئیں۔

ولجہ کی لڑائی

کسریٰ نے دو نامور جرنیلوں "اندوزگر" اور "بہمن جادویہ" کی کمانڈ میں مسلمانوں کے مقابلہ میں فوجیں روانہ کیں۔ ولجہ کے مقام پر لڑائی ہوئی۔ ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی۔ اندوزگر مارا گیا اور بہمن نے راہ فرار اختیار کی۔ اسی اثنا میں عیسائی عرب ایرانی جرنیل "جابان" کے ماتحت مقابلہ کے لیے آ ڈٹے، مگر مسلمانوں نے انہیں بھی شکست دے کر بھگا دیا۔

الیس کی لڑائی

جابان عرب عیسائیوں کو لے کر پھر میدان میں آ ڈٹا لیکن اس نے الیس کے مقام پر منہ کی کھائی اور راہ فرار اختیار کی۔

تسخیر حیرہ

حیرہ عراق کے عرب رئیسوں کا مرکز تھا۔ خالد حیرہ کی طرف بڑھے۔ اہل حیرہ نے بغیر لڑے صلح کر لی۔ ان کے سردار عمرو بن عبد المسیح نے ایک لاکھ نوّے ہزار درہم جزیہ ادا کیا۔ گرد و نواح کے رئیسوں نے بھی ایسی ہی شرائط پر صلح کر لی۔ اور بیس لاکھ درہم ادا کرنا منظور کیا۔

خالد کا کسریٰ اور رؤسائے ایران کے نام خط

خالد نے ان فتوحات کے بعد شاہِ ایران اور سرداران ایران کے نام خط لکھا کہ تم لوگ ہماری اطاعت قبول کر لو ورنہ ہماری تلواریں جنگ کے لیے بے چین ہیں۔ شاہ ایران "اردشیر" اس خط کے پہنچنے سے پہلے مر چکا تھا اور ایران میں خانہ جنگی (Civil war)

شروع ہو چکی تھی مگر مسلمانوں کے اس اعلانِ جنگ پر ان کی باہمی جنگ بند ہو گئی۔ انہوں نے متحدہ طور پر امیر فرخ زاد کو بادشاہ تسلیم کرلیا۔ اور مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریاں شروع کردیں۔ اس لیے مسلمانوں کو پھر عراق کی مہم کو شروع کرنا پڑا۔

جنگ انبار خالد انبار پر حملہ آور ہوا تو وہاں کے حاکم "شیرزاد" نے شہر کے گرد ایک گہری خندق کھود رکھی تھی۔ مسلمانوں نے اپنے اونٹ ذبح کر کے خندق میں ڈال دیے اور اس طرح خندق پُر کر کے شہر میں داخل ہوئے۔ شیرزاد نے مقابلہ کی تاب نہ لا کر صلح کرلی۔

عین التمر کی لڑائی انبار کو فتح کر کے مسلمان عین التمر پر حملہ آور ہوئے ایرانیوں نے عیسائی عربوں کو مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے آگے کر دیا۔ مگر انہیں شکست ہوئی اور عین التمر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا

دومۃ الجندل کی فتح دومۃ الجندل شمالی عراق میں ہے۔ عیاض بن غنم اس کی فتح کے لیے مامور ہوئے تھے یہاں التمر کی لڑائی سے فارغ ہو کر خالد ان کی کمک کے لیے پہنچ گئے وہاں کا حاکم اکیدر شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ لیکن اس کا ساتھی "جودی" مقابلہ کرتا رہا مگر اسے بھی شکست ہوئی اور وہ لڑائی میں مارا گیا۔ لیکن جب خالد عین التمر میں لوٹ آئے تو پھر اہلِ شہر باغی ہو گئے۔ خالد نے پھر انہیں شکست دی اور اسی طرح مضیح کے قبیلوں نے شکست کھائی۔

جنگِ فراض اس جنگ میں عیسائی عربوں، ایرانیوں اور رومیوں نے

متحد ہوکر مسلمانوں کا مقابلہ کیا مگر انہیں شکست فاش ہوئی اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

مہماتِ شام

حضرت ابوبکر نے فتح شام کے لیے چار لشکر روانہ کیے ابو عبیدہ بن الجراح کو حمص روانہ کیا۔ عمرو بن عاص کو فلسطین پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ یزید بن ابی سفیان کو سیاسی مصلحت کی بنا پر شام بھیجا شرجیل بن حسنہ کو اردن روانہ کیا۔

جنگِ اجنادین ۲۸ جمادی الاول ۱۳ھ ۳۱ جولائی ۶۳۴ء

اس لڑائی میں مسلمانوں کی فوج کی تعداد چالیس ہزار تھی اور رومی فوج ایک لاکھ چالیس ہزار۔ اجنادین کے مقام پر جنگ ہوئی۔ آخر اس جنگ میں رومیوں کو شکست ہوئی اور انہوں نے بیت المقدس کی راہ لی۔ اس لڑائی میں تین ہزار مسلمان کام آئے۔ ہرقل نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے دو لاکھ چالیس ہزار فوجیوں کو وادیٔ یرموک میں بھیجا۔ مسلمانوں کے چاروں لشکر دشمن کی کثرت دیکھ کر متحد ہو گئے۔ دونوں فوجیں واقوصا کے مقام پر جمع ہوئیں۔ خالد بھی کمک لے کر یرموک پہنچ گئے۔

جنگِ یرموک

اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد چھتیس ہزار تھی۔ مسلمانوں کے چاروں لشکروں نے خالد کی سرداری میں متحد ہوکر لڑائی شروع کی۔ خالد نے لشکر کو چالیس دستوں میں تقسیم کرکے مناسب مقامات پر تعین کردیا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ رومیوں کے

پاؤں اکھڑ گئے۔ اور وہ واپس بھاگ پڑے ان کے پیچھے پہاڑ تھا۔ اس لیے
وہ پریشان ہو کر دریا کی طرف پلٹے۔ اس طرح ہزاروں رومی دریا میں غرق ہوئے
اس جنگ میں ایک لاکھ بیس ہزار رومی دریا میں ڈوبے تین ہزار مسلمان میدان جنگ میں کام آئے
جنگ جاری تھی کہ حضرت ابوبکر کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عمر نے خلیفہ
ہوتے ہی خالد کو معزول کر دیا اور ابو عبیدہ بن الجراح کو فوج کا کمانڈر مقرر کیا

سوالات

۱۔ ثابت کرو کہ حضرت ابوبکر کے زمانے میں حکومت کو
مخالفت سے بچانے کے لیے عربوں کو جنگ و جدل
میں معروف کر دینا ضروری تھا۔ ان اسباب کو بھی
بیان کرو جو اختلال سلطنت کا سبب تھے۔

۲۔ عربوں کی وہ دو خصوصیتیں کیا تھیں جن سے ارباب
حکومت نے فائدہ اٹھایا۔

۳۔ صدر اول یعنی زمانہ خلفائے ثلاثہ کی لڑائیوں کے
اغرض و مقاصد کیا تھے ؟

۴۔ بعض مورخوں نے ان اغراض سے اختلاف کیا ہے

ؔ تاریخ طبری

ان کے دلائل لکھ کر اس پر تنقید کرو۔

۵۔ مہم عراق پر روشنی ڈال کر کاظمہ، ثنیٰ اور ولجہ کی لڑائیوں کے واقعات بیان کرو۔

۶۔ الیس کی لڑائی اور تسخیر حیرہ کو بیان کر کے لکھو۔ کہ حیرہ کے سردار نے صلح پر کس قدر جزیہ کی رقم ادا کی؟

۷۔ خالد بن ولید نے شاہِ ایران اور سردارانِ ایران کو اپنے خط میں کیا لکھا؛ اس خط سے انسانی دماغ کیا اثر لے گا؟

۸۔ جنگِ انبار میں مسلمانوں نے کس طرح فتح حاصل کی؟

۹۔ دومۃ الجندل کس طرح فتح ہوا؟

۱۰۔ واقعہ جنگِ فراض بیان کرو۔

۱۱۔ مہم شام کے لیے حضرت ابوبکر نے کن کن لوگوں کی سرداری میں لشکر روانہ کیے۔ اور ہرقل نے ان کے مقابلہ میں کس قدر فوج روانہ کی۔ اور مسلمانوں نے اس مہم کے لیے کیا پروگرام مرتب کیا؟

۱۲۔ اجنادین کی لڑائی اور اس کا نتیجہ لکھ کر بتلاؤ

کہ اس جنگ میں کتنے مسلمان کام آئے؟

۱۲۔ جنگِ یرموک میں مسلمانوں کی تعداد کیا تھی؟ خالد نے لشکروں کو کس طرح ترتیب دیا۔ اس جنگ میں کس قدر مسلمان کام آئے اور کتنے رومی مارے گئے؟

۱۴۔ جنگ جاری تھی کہ کیا اہم واقعہ پیش آیا۔ اور اس کا مہم شام پر کیا اثر پڑا؟

چودہواں باب

حضرت ابوبکر کی آخری علالت حضرت عمر کو سلطنت سپرد کرنا اور آپ کی وفات

آخری علالت جمادی الثانی ۱۳ھ میں حضرت ابوبکر بیمار ہوئے۔ پندرہ دن بخار میں مبتلا رہے بڑھاپے میں بیماری سے آپ بہت کمزور ہو گئے تھے۔ جب آپ کو اپنی زندگی کی امید نہ رہی تو آپ کو اپنے جانشین کے تقرر کی فکر دامنگیر ہوئی۔ ان کے بر بنائے رفاقت ازلانے میں جو خدمات حضرت عمر نے انجام دی تھیں وہ ان کے پیش نظر تھیں اس لیے انھوں نے اپنے خفیہ معاہدہ کے مطابق اقتدار اعلیٰ ان کے سپرد کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

حضرت ابوبکر کا حضرت عمر کے لیے وصیت نامہ جب حضرت ابوبکر دنیا سے انتقال فرمانے لگے تو حضرت عثمان کو تنہائی میں بلا کر وصیت نامہ لکھوانے لگے

لفظ امابعدہی فرمایا تھا کہ بے ہوش ہو گئے۔ حضرت عثمان نے خود لکھ دیا "میں نے تم پر عمر کو خلیفہ کیا"۔ حضرت ابوبکر جب ہوش میں آئے تو پڑھوایا۔ سنکر کہا، اللہ اکبر تم ڈر گئے کہ میں ختم نہ ہو جاؤں۔ حضرت عثمان نے کہا ہاں[1]

پھر حضرت ابوبکر نے وہ وصیت نامہ اپنے غلام اور حضرت عمر کے ساتھ لوگوں کی طرف بھیجا۔ حضرت عمر ڈنڈا لیے لوگوں سے کہہ رہے تھے خلیفہ رسولؐ کا حکم سنو اور مان لو۔[2]

حضرت عمر وہ وثیقہ لے کر لوگوں کے پاس گئے تو ایک شخص نے پوچھا اے حفصہ کے باپ اس میں لکھا کیا ہے؟ کہا معلوم نہیں، لیکن سب سے پہلے اس حکم کا ماننے والا میں ہوں۔ اس شخص نے کہا تم کو نہ معلوم ہو، لیکن خدا کی قسم میں جانتا ہوں۔ کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ پار سال تم نے ان کو خلیفہ بنایا اس سال انہوں نے تم کو خلیفہ بنا دیا[3]

حضرت عمر کے تقرر سے مسلمانوں کی پریشانی

یہ عجیب بات ہے کہ جب حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو خلیفہ بنایا تو تمام مسلمانوں میں اضطراب و بیقراری کی لہر دوڑ گئی۔ ساری تاریخ کا مطالعہ کیجئے کسی خلیفہ کے تقرر پر خواہ وہ خلفائے اربعہ سے ہو یا خلفائے بنی امیہ یا خلفائے بنی عباس سے مسلمان

---

[1] طبری جلد ۴ صہ۵۲۔ [2] طبری جلد ۴ صہ۵۲ کامل جلد ۲ صہ۱۶۲
[3] کتاب الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ صہ۲۳ طبری جلد ۴ صہ۵۲

اس قدر پریشان نہیں ہوئے جس قدر حضرت عمر کے خلیفہ بننے پر ہوئے ہیں

حضرت طلحہ کے تاثرات

حضرت طلحہ جو عشرہ مبشرہ سے ہیں حضرت عمر کے تقرر کی خبر سن کر حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہا تم نے حضرت عمر کو لوگوں کا حاکم اور اپنا خلیفہ بنا دیا ہے۔ حالانکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ جب تم موجود تھے تو مسلمانوں نے ان کے ہاتھ سے کیا کیا مصیبتیں جھیلیں۔ پھر جب تم اپنے پروردگار کے پاس جاتے ہو اور ان کو میدان خالی ملتا ہے تو وہ کیا کچھ نہ کر ڈالیں گے۔ خدا تم سے تمہاری رعیت کے بارے میں ضرور ہی سوال کرے گا[۱]

مہاجرین و انصار کا وفد اور ان کی فریاد

مہاجرین و انصار کو جب خبر ملی کہ حضرت عمر خلیفہ بنا دیئے گئے تو وہ سب کے سب دوڑے ہوئے حضرت ابوبکر کے ہاں آئے اور فریاد کرنے لگے۔ کہا ہم دیکھتے ہیں کہ تم نے ہم پر عمر کو خلیفہ مقرر کر دیا ہے۔ حالانکہ تم ان کو خوب پہچانتے ہو۔ اور ان کے سب بوائق (سختیوں) سے بھی اچھی طرح واقف ہو جو تمہارے زمانہ میں وہ کرتے تھے۔ پھر جب تم ان کو خلیفہ بنا کر چلے جاؤ گے تو وہ کیا کچھ نہیں کر ڈالیں گے۔ تم اللہ سے ملو گے اور وہ تم سے اس کی باز پرس کریگا تو اس کو کیا جواب دو گے؟[۲]

---

[۱] کتاب الامامۃ والسیاستہ صہ۳۲

طلحہ وزبیر کا اظہارِ خیال

طلحہ وزبیر نے حضرت ابوبکر سے کہا جب تم عمر کو ہم پر باوجود اس کی سخت مزاجی کے خلیفہ مقرر کرتے ہو تو اپنے پروردگار کو کیا جواب دو گے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ طلحہ نے کہا تم ہم پر فظ غلیظ (تند مزاج) کو خلیفہ بنانے ہو جب تم اپنے پروردگار سے ملو گے تو اس کو کیا جواب دو گے۔ اس پر حضرت ابوبکر نے اپنے لوگوں سے کہا۔ تم لوگ ذرا مجھے سہارا تو لگا دینا۔ لوگوں نے ان کو بٹھایا تو کہا۔ تم مجھے خدا سے ڈراتے ہو۔ جاؤ میں خدا کو جواب دے دوں گا۔ کہ میں نے اس شخص کو ان کا حاکم بنایا جو تیرے اہل میں سب سے اچھا تھا[۱]

حضرت ابوبکر کی وفات

۲۲ جمادی الاخری ۱۳ھ کو (مطابق ۲۲ اگست ۶۳۴ء) پیر کے دن ۶۳ سال کی عمر میں مغرب اور عشا کے درمیان حضرت ابوبکر نے انتقال کیا[۲]

حضرت ابوبکر کی اولاد

حضرت ابوبکر کے تین صاحبزادے تھے۔ عبداللہ بن ابی بکر جن کی ماں قتیلہ تھیں، عبدالرحمن بن ابی بکر جن کی ماں ام رومان تھیں اور محمد بن ابی بکر جن کی ماں اسما بنت عمیس تھیں۔ ان کے علاوہ تین بیٹیاں تھیں۔ ام المومنین بی بی عائشہ جو رسول اللہ کے عقد میں آئیں۔ وہ ام رومان کے بطن سے تھیں۔ اسماء جو حضرت زبیر کی زوجہ تھیں قتیلہ کے شکم سے تھیں اور ام کلثوم حبیبہ بنت خارجہ سے پیدا ہوئیں

---

[۱] تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۲۶۹ ، [۲] تاریخ ابوالفدا ، صفحہ ۵۳ تاریخ خمیس

حضرت ابوبکر کے عمّال

حضرت ابوبکر کی طرف سے مندرجہ ذیل حضرات گورنر تھے:۔

مکہ کے گورنر ۔ عتاب بن اسید
طائف کے گورنر ۔ عثمان بن العاص
یمامہ کے گورنر ۔ ایک مرد انصاری
عمان کے گورنر ۔ حذیفہ بن محض
بحرین کے گورنر ۔ علاء بن الحضرمی
شام کے گورنر ۔ خالد بن ولید

بصرہ کے گورنر ۔ سوید بن قطبہ
صنعاء کے گورنر ۔ مہاجر بن ابی امیہ
خولان کے گورنر ۔ یعلیٰ بن امیہ
جند کے گورنر ۔ معاذ بن جبل
حضرموت کے گورنر ۔ زیاد بن لبید
زبید کے گورنر ۔ ابوموسیٰ اشعری
جرش کے گورنر ۔ عبداللہ بن ثور
نجران کے گورنر ۔ جریر بن عبداللہ بجلی [1]

---

[1] تاریخ ابن الواضح و تاریخ خلافت اسلامیہ

سوالات

۱۔ حضرت ابوبکر کی آخری علالت کے حالات بیان کرو۔

۲۔ حضرت ابوبکر کی آخری وصیت کیا تھی اور وہ کس طرح مرتب کر کے لوگوں کے پاس بھیجی گئی اور لوگوں نے بغیر پڑھے اس وصیت سے کیا سمجھا؟

۳۔ حضرت عمر کو خلیفہ بنانے کا لوگوں پر کیا اثر پڑا؟

۴۔ اس واقعہ پر حضرت طلحہ کے تاثرات بیان کیجئے۔

۵۔ مہاجرین اور انصار کا جو وفد حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے کیا فریاد کی؟

۶۔ تقرر حضرت عمر پر طلحہ و زبیر نے کیا خیال ظاہر کیا اور حضرت ابوبکر نے اس کا کیا جواب دیا؟

۷۔ حضرت ابوبکر کی وفات بیان کر کے ان کے ازواج و اولاد کے متعلق لکھو۔

۸۔ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں کس صوبہ کا کون گورنر تھا

پندرھواں باب

حضرت ابوبکر کی سلطنت کو جمہوری سلطنت نہیں کہہ سکتے

انتخاب حضرت ابوبکر کے انتخاب کی پوری داستان تاریخ کی معتبر اور مستند کتابوں میں موجود ہے۔ اور اس پر ایک ہلکی سی نظر ڈالنے والا بھی اس حقیقت کو سمجھ سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر کے جس انتخاب کا شور برپا کیا جاتا ہے وہ دراصل سرے سے کوئی انتخاب ہی نہ تھا۔

ہم اس چیز پر کوئی بحث کرنا نہیں چاہتے کہ حضرت سرورِ کائنات کے انتقال کے وقت سارا عرب مسلمان ہو چکا تھا۔ اور جمہوری دستور کے مطابق پورے ملک کی رائے عامہ خلیفہ کے انتخاب میں لی جانی چاہیئے تھی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اگر یہ ممکن نہیں تھا تو کم از کم تمام قبائل شیوخ کے ووٹ لے لیے جاتے۔ یہ بھی نہ سہی تو تمام مہاجرین و انصار کو ایک جگہ جمع کر کے ان میں الیکشن کرا لیا جاتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے جمہوریت کا کوئی اصول نہیں برتا گیا۔ بلکہ انصار کے صرف دو قبائل بنی اوس اور بنی خزرج کے

لوگ (حضرت عمر کی پارٹی کے تیور بدلے دیکھ کر) چپ چاپ مدینہ سے
میل دور سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور انہوں نے یہ چاہا کہ آپس
فیصلہ کر کے سلطنت اسلامی پر انصار کا قبضہ کرا دیا جائے۔ اس حد تک
واقعہ پر حقیقت بین نگاہیں ڈالی جائیں اور حد درجے عقیدت سے کام
جائے تو اطمینان سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ جمہوریت نہیں تھی بلکہ ایک
تھی جو انصار کی جانب سے حصول حکومت کے لیے ہو رہی تھی
(Democracy) نہیں تھی بلکہ کھلی (Consprinacy)
کی جا رہی تھی۔ اتفاقاً اس کی خبر حضرت عمر کو لگ گئی اور آپ نے اس
کو ناکام بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ آپ حضرت ابوبکر کو ہمراہ لے کر تمام
مدینہ سے نکل کر سقیفہ روانہ ہوئے۔ راستہ میں ابو عبیدہ بن الجراح ل
چنانچہ ان کو بھی ہمراہ لے لیا گیا۔ اور تینوں حضرات سقیفہ پہنچ گئے۔ اگر
عمر اور حضرت ابوبکر جن کو آج بڑے شد و مد سے علمبردار جمہوریت قرار د
ہے۔ واقعی جمہوریت پسند ہوتے تو یہ دونوں حضرات لازماً انصار کو مش
کہ مدینہ چلو۔ وہاں تمام مہاجرین و انصار جمع ہوں گے اور ہم سب مل کر
انتخاب کریں گے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اور اس طرح جمہو
کے اصول کو پس پشت ڈال دیا گیا۔

یہی نہیں۔ بلکہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق نے اس م
تقریریں فرمائیں وہ جمہوریت کے تمام اصولوں کے منافی تھیں۔ ان حضرا
اسلام کے لیے انصار کی خدمات کا اعتراف فرماتے ہوئے یہ اعلا

"آپ جس سلطنت پر قبضہ کرنے کی فکر کر رہے ہیں، وہ رسول اللہ نے بنائی تھی اور وہی اس کے مالک تھے۔ ان کے انتقال کے بعد یہ سلطنت ان کے ورثا کو ملنا چاہیئے۔"

چونکہ بنی اوس اور بنی خزرج میں چشمک تھی اور حضرت سعد بن عبادہ بنی خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لیے بنی اوس ان کو خلیفہ بنانے کے خلاف تھے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی اس دلیلِ وراثت نے بنی اوس کے ہاتھوں میں ایک حربہ دے دیا تھا۔

حضرت بشیر بن سعد انصاری بھی حسد کی بنا پر اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے وراثت کے مسئلہ کو پوری قوت سے اچھال دیا۔ بات معقول تھی لوگوں کی سمجھ میں آ گئی چنانچہ حضرت ابوبکر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا "وارث" مان کر آپ کی بیعت کر لی گئی۔

پورا واقعہ تاریخ کی معتبر کتابوں میں موجود ہے۔ تاریخ طبری کا تو اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے جس کا جی چاہے اس میں اس واقعہ کو پڑھ سکتا ہے

اس واقعہ کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کا جمہوری انتخاب نہیں ہوا بلکہ آپ صرف اس لیے خلیفہ مان لیے گیے کہ آپ رسول اللہ کے عزیز قریب ہونے کی حیثیت سے رسولؐ کے "وارث" تسلیم کر لیے گئے۔

خلافت کا فیصلہ اس جمہوری انتخاب سے نہیں ہوا جس کی ذاتی شرط اہلیت ہوا کرتی ہے۔ بلکہ وراثت کی بنیادوں پر ہوا جو سرے سے اصولِ

جمہوریت کے منافی ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ بعد میں سارے عربوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت تو یہ کسی جمہوری انتخاب کے نتائج کے سامنے سر جھکا دینے کا نتیجہ نہ بلکہ یہ اس قبائلی نظم وضبط کا نتیجہ تھا۔ جس کے عرب شدت سے تھے۔ حضرت ابوبکر قریش کے ممتاز سرداروں میں شمار کیے جاتے۔ آپ کا سن شریف بھی کافی تھا، شیوخ قبائل سے آپ کے گہرے تھے اور ان سب کے مجموعی نتیجہ میں آپ کی بیعت ہوجانا کسی طرح محل تعجب نہیں۔ اس بیعت عمومی کا تعلق جمہوریت سے نہیں نظم وضبط سے تھا اور اس قبائلی عادت کو کسی حالت میں جمہوریت نہیں کہا جاسکتا

حضرت ابوبکر جمہوری حکمران سے زیادہ آمر تھے

حضرت ابوبکر دورِ حکومت

تمام واقعات اس امر کے شاہد ہیں کہ آپ جمہوری حکمران نہیں تھے۔ بلکہ کو زیادہ سے زیادہ ایک آمر سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔

لشکر اسامہ خلیفہ مقرر ہونے کے بعد آپ نے پہلا کام یہ کیا کہ لشکر کو تمام اہالیان مدینہ کی رائے کے برخلاف شام کی جانب روانہ کردیا۔ اور اس معاملہ میں حضرت عمر کے سے مشیر باتدبیر کی بات نہیں مانی۔ جمہوریت پر یہ پہلی ضرب تھی جو آپ نے عاید فرمائی۔

ارتدادی زلزلہ آپ کے عہدِ خلافت کا آغاز ہوتے ہی عرب میں ارتداد کی وبا عام ہوگئی۔ جمہوریت میں آزادیٔ عقائد جوام

حقوق میں شمار کی جاتی ہے۔ اگر حضرت ابوبکر ایک جمہوری حکمران ہوتے
۔ ان لوگوں سے جنہوں نے اسلام ترک کر دیا تھا کوئی تعرض نہ فرماتے۔ بلکہ
یدہ وضمیر کی آزادی عطا کرتے ہوئے امن وسکون کی زندگی بسر کرنے
یکن آپ نے جمہوریت کے ایک بنیادی اصول کو توڑتے ہوئے مرتدین
ف اعلان جنگ کر دیا۔ اور خالد بن ولید کی شکل میں ان کے سامنے
یا موت" کی انتہائی غیر جمہوری شرط پیش کر دی۔ طلیحہ بن خویلد سجاع
کذاب اور مرتدین کے دوسرے لیڈر تلوار کے سپرد کر دیے گئے۔ بستیوں
لگا دی گئی۔ لوگ زندہ جلا دیے گئے، مرتدین کو کنویں میں گرا کر اوپر سے
ل کیا گیا اور ان پر ایسی سختی کی گئی کہ آخر سب کو توبہ کر کے دوبارہ
قبول کرتے ہی بنی۔ ہم پوچھتے ہیں کہ جمہوریت کے کس قاعدہ سے یہ
ی جاسکتی ہے اور اگر حضرت ابوبکر کو جمہوری حکمران مان لیا جائے تو
سختیوں اور سزاؤں کا کوئی جواز تلاش کیا جا سکتا ہے۔

ین زکوٰۃ | اسی زمانے میں مسلمانوں کے ایک طبقہ نے جو اس "انتخاب
خلافت" میں شریک نہیں تھا حضرت ابوبکر کو زکوٰۃ دینے
کار کر دیا حضرت ابوبکر جمہوریت پسند حکمران ہوتے تو اس طبقہ سے بھی
ں نہ کرتے، اس لیے کہ جمہوریت کے مسلمات میں یہ چیز شامل ہے کہ:۔

"No Taxation without Representa

یعنی اگر انتخاب حکومت میں حصہ نہ دیا جائے تو رعایا بھی ٹیکس دینے
ور نہیں ہے۔" مالک بن نویرہ کے ساتھیوں سے انتخاب خلافت

میں کوئی مشورہ نہیں لیا گیا تھا۔ اس لیے جمہوری اصولوں کے مطابق وہ ٹیکس
کرنے سے انکار کر سکتے تھے لیکن حضرت ابوبکر چونکہ جمہوریت اور اس
قاعدوں کے قائل نہیں تھے۔ اس لیے مانعین زکوٰۃ پر لشکر کشی کا حکم دے
اور اس لشکر کشی کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ مالک کا پورا قبیلہ تلوار کی بھینٹ چڑھ
گیا۔ بلکہ کچھ ایسے ناگفتہ بہ واقعات بھی وجود میں آئے جن کی بنیاد پر حضرت
تک خالد بن ولید سے ناراض ہو گئے۔ میں ان واقعات کی تفصیل میں نہیں
چاہتا۔ اس لیے کہ ان واقعات کا تذکرہ مسلمانوں کی تاریخ پر ایک بدنما داغ
لیکن یہ بات پورے وثوق سے عرض کر سکتا ہوں کہ جمہوریت کے کسی اص
سے ان واقعات کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

شہنشاہیت یا امپیریلزم

حضرت ابوبکر کے عہد میں عراق پر مثنیٰ بن حا
شیبانی اور اس کے ساتھیوں نے چھاپے
شروع کیا۔ جب ایرانیوں نے اپنے املاک کے تحفظ کے لیے مقاومت کر
چاہی تو حضرت ابوبکر نے ایرانیوں کی آزادی کا احترام نہ کرتے ہوئے ان
خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ جمہوری اعتبار سے ایک غیر ملک کی آزادی
پہ کھلا ہوا حملہ بالکل غلط تھا۔ لیکن اس کے بعد جب ہم ان خطوط پہ نظر ڈا
ہیں جو حضرت ابوبکر نے مختلف قبائل عرب کو اس جنگ میں حصہ لینے
لیے روانہ فرمائے تھے تو جمہوریت کی ساری نمائش کا خاتمہ ہو جاتا
آپ نے ان خطوط میں تمام قبائل کو عراق کی جنگ میں شامل ہونے کی ترغ
یہ کہہ کر دی ہے کہ اگر تم جنگ میں مارے گئے تو جنت پاؤ گے۔ اور

ب رہے تو عراق میں بے اندازہ دولت ہے، زمینیں بہت زرخیز ہیں فصل
عمدہ ہوتی ہے اور یہ سب چیزیں تمہارے ہاتھ آجائیں گی۔ ایک دوسرے
کی دولت پر لالچ بھری نگاہیں ڈالنا اور اس ملک کے باشندوں کو محض اس
غلام بنالینا کہ ان کی دولت سے فائدہ اٹھایا جائے شہنشاہیت یا امپریلزم
سکتا ہے۔ لیکن جمہوریت نہیں کہا جاسکتا۔ ایران، شام اور مصر کی فتح میں
یہی صورت رونما رہی اور یہ اعتراض غلط نہیں ہے کہ اسلام کے نام پر عرب
پریلزم کو پھیلا دیا گیا۔

جمہوریت پسندی کا تقاضا اب سوال یہ ہے کہ کیا بڑے سے بڑا جمہوریت پسند مسلمان جو آزادی اقوام اور آزادی عقائد
کا حامی ہو اور معاشی استحصال کو برا جانتا ہو، اس کی جرأت کرسکتا ہے کہ عراق و ایران
شام و مصر کی فتوحات پر اعتراض کرے یا اس امپریلزم کی مذمت کرے! صحیح
جمہوریت پسندی کا تقاضا تو یہی ہے کہ جمہوریت کے شیدائی ان اسلامی
فتوحات کی جن کے نتیجہ میں مختلف قوموں کی سیاسی، معاشی بلکہ مذہبی آزادی کا
خاتمہ ہو گیا مذمت کریں۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ پرستارانِ جمہوریت ہرگز ایسا نہیں
کریں گے بلکہ ان شخصیتوں کو کہ جنہوں نے ان کے پسندیدہ اصول جمہوریت کی کبھی
کوئی پرواہ نہیں کی ہمیشہ رضوان اللہ علیہم کے لقب سے یاد کرتے رہیں گے۔

حیرت انگیز روش ان مسلمان داعیانِ جمہوریت کی روش بھی واقعی خوب ہے۔ ایک طرف تو وہ خلافت راشدہ کو نمونہ جمہوریت
قرار دینے پر مصر ہیں اور دوسری طرف اس عرب امپریلزم اور فتوحات ملکی پر بھی ناز

کرتے ہیں جسے جمہوریت کا کوئی اصول جائز نہیں قرار دے سکتا۔

حضرت ابوبکر اور جمہوری اصول

اگر حضرت ابوبکر کے برسرِ اقتدار آنے کو جمہوری انتخاب مان بھی لیا جائے اور اس اعتبار سے آپکی حکومت کو جمہوری حکومت ہونے کا سرٹیفکیٹ عطا کر دیا جائے تب بھی حضرت عمر کی حکومت کو جمہوری قرار دینا حد درجہ مشکل ہوگا۔ حضرت عمر کا الیکشن نہیں ہوا۔ آپ کی نامزدگی کے سلسلہ میں عوام تو کیا خواص سے بھی مشورہ نہیں کیا گیا۔ بلکہ آپ صرف اس بنیاد پر خلیفہ ہو گئے کہ حضرت ابوبکر نے آپ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا جمہوری اصول سے یہ نامزدگی بالکل غلط ہے۔ اگر حضرت ابوبکر کو جمہوری اصولوں کا پاس ہوتا تو آپ قوم کو اپنا حکمران چننے کا آزادانہ موقع عنایت فرما دیتے لیکن چونکہ آپ موجودہ دور کے جمہوریت پسندوں یا ان کے مزعومات سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے آپ نے تمام جمہوری اصولوں کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے حضرت عمر کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔

کیا جمہوریت پسند حضرات حضرت عمر کی خلافت سے انکار کی جرأت کر سکتے ہیں؟

کیا جو علمائے اسلام جمہوریت کے بہت بڑے داعی و نقیب بنے نظر آتے ہیں وہ یہ ہمت کر سکتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کے اس غیر جمہوری اقدام پر اعتراض کریں۔ یا ایک ایسے خلیفہ کی خلافت ماننے سے انکار کر دیں جس کا باقاعدہ انتخاب نہیں تھا

تھا۔ بلکہ جسے خلافت محض نامزدگی کی بنیاد پر حاصل ہوئی تھی۔
ہمیں یقین ہے کہ اس سوال کا جواب محض نفی میں ہوگا،

حضرت ابوبکر کو جمہوریت کی خامیوں کا عرفان تھا

حضرت ابوبکر ایک ہوش مند سیاست دان کی حیثیت سے انتخاب کے نقصانات اور جمہوریت کی خامیاں خوب جانتے تھے۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنی حکومت کے محض اڑھائی سال کے بعد جمہوری انتخاب کی اجازت نہیں دی اور خود اپنی مرضی سے خلیفہ مقرر کر گئے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

یہاں ایک اعتراض ضرور کیا جا سکتا ہے کہ خلفاء صحابہ کرام سے مشورہ کرتے تھے۔ لیکن محض حکمرانِ وقت کا کسی سے مشورہ کرنا کسی حکومت کو جمہوری قرار نہیں دے سکتا۔ سلاطین اور شہنشاہ بھی اپنے وزراء اور درباریوں سے مشورہ کرتے ہیں۔ آمرین (ڈکٹیٹرز) بھی اپنے افسروں اور دوستوں سے مشورہ کرتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ مشورہ ان کی حکومت کو جمہوری ہونے کی سند نہیں دلا دیتا۔ ہر عقلمند حکمران اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرتا ہے۔ اس لیے اگر خلفائے راشدین بھی اپنے ساتھیوں، دوستوں اور بہی خواہوں سے مشورہ کرتے نظر آتے ہیں تو محض اس مشورہ کی بنیاد پر ان کو جمہوری حکمران ہونے کا یا ان کی حکومت کو جمہوری حکومت ہونے کا سرٹیفکیٹ نہیں دیا جا سکتا۔

(ماخوذ جمہوریت و اسلام)

سوالات

۱۔ کیا ہم حضرت ابوبکر کے انتخاب کو انتخاب کہہ سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟

۲۔ اس موقعہ پر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے کیا تقریریں فرمائیں؟ کیا وہ اصول جمہوریت کے منافی تو نہیں تھیں؟

۳۔ ثابت کرو کہ حضرت ابوبکر کی خلافت کا فیصلہ اس جمہوری انتخاب سے نہیں ہوا۔ جس کی ذاتی شرط اہلیت ہے۔ بلکہ وراثت کی بنیادوں پر ہوا جو سراسر جمہوریت کے منافی ہے۔

۴۔ حضرت ابوبکر ایک جمہوری حکمران نہیں تھے۔ زیادہ سے زیادہ ایک آمر تھے، اسے لشکر اسامہ کے واقعہ سے ثابت کرو۔

۵۔ حضرت ابوبکر نے فتنہ ارتداد کو جس طرح فرو کیا اس سے ثابت کرو کہ وہ جمہوری حکمران نہیں تھے۔ بلکہ ایک آمر تھے۔

۶۔ منکرین زکوٰۃ سے حضرت ابوبکر نے کیا سلوک کیا

کیا یہ سلوک جمہوریت کے منافی نہیں تھا ؟

۷۔ کیا حضرت ابوبکر کی خارجہ حکمت علی انہیں ایک شہنشاہ ثابت کر رہی ہے یا جمہوری حکمران ؟

۸۔ کیا جمہوریت پسند احباب صدر اول کی فتوحات کی مذمت کریں گے ؟ جو جمہوریت کا تقاضا ہے یا انہیں پسند فرمائیں گے اور فاتحین کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کریں گے جو جمہوریت کے منافی ہے ۔

۹۔ اس معاملہ میں مسلمانوں کی جیرت انگیز روش کیا ہے؟

۱۰۔ اگر حضرت ابوبکر کی حکومت کو جمہوری مان بھی لیا جائے تو کیا حضرت عمر کی حکومت کو جمہوری کہہ سکتے ہیں ؟ جب کہ حضرت ابوبکر نے جمہوری اصولوں کو پس پشت ڈال کر حضرت عمر کو خلیفہ نامزد کیا۔

۱۱۔ کیا جمہوریت پسند احباب حضرت عمر کی حکومت سے انکار کی جرأت کر سکتے ہیں ؟

۱۲۔ ثابت کیجئے کہ حضرت ابوبکر کو جمہوریت کی خامیوں کا عرفان تھا ۔

۱۳۔ کیا صحابہ سے مشورہ جمہوریت کی دلیل ہو سکتا ہے ؟

سلسلۂ حفاظت و صیانت مذہب شیعہ

شیعہ طلباء، شیعہ طالبات اور شیعہ افراد کے لیے

مسلمانوں کی تاریخ، دور خلفائے ثلاثہ

(۲)

خلیفۃ المسلمین حضرت عمر

جمادی الثانی ۱۳ھ تا ذی الحجہ ۲۳ھ

مطابق

اگست ۶۳۴ء تا نومبر ۶۴۴ء

دس برس دو مہینے

سولھواں باب

جہاد، بروئے قرآن و سنت

اور

ملکی فتوحات اور ان کے وجوہ و نتائج

اسلام امن و صلح کا مذہب ہے

لفظ اسلام سے ظاہر ہے کہ اسلام سلامتی اور امن کا مذہب ہے، اسی لیے سرکارِ رسالت کی حدیث میں مسلم کی تعریف یہ ہے کہ مسلم وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے با امن شہری سلامت اور محفوظ رہیں۔ اسلامیات میں ایک اصطلاح ایمان ہے، یعنی امن کے اصول اور صاحبِ ایمان کو مومن کہتے ہیں جس کے معنی امن سے رہنے والا (Peaceful) ہیں۔ اسلام کا آخری نبی جو پیغامِ امن لے کر آیا رسولِ امین کہلاتا ہے اور جس سرزمین پر یہ پیامِ امن نازل ہوا اسے بلد الامین یعنی پُرامن شہر کہتے ہیں۔ جس کی شان یہ ہے کہ جو بھی اس پُرامن شہر میں داخل ہوا امن میں آ گیا۔ پیمبرِ امن کے پاس پیامِ امن لانے والے فرشتے کو روح الامین (Spirit of Peace

کہتے ہیں۔ جس محترمہ بی بی کے شکمِ اطہر سے پیمبرِ امن کی ولادت ہوئی۔ اس کا اسمِ گرامی آمنہ ہے۔ یعنی امن و امان والی بی بی۔ پیمبرِ امن کے والد کا نام عبداللہ ہے۔ قرآن کی اصطلاح میں عبداللہ اسے کہتے ہیں، جس پر شیطان مسلط نہ ہو سکے۔ جیسا کہ آیۂ مبارکہ ان عبادی لیس لک علیہم سلطان (اے شیطان) تحقیق میرے بندوں پر تجھے غلبہ نہیں شیطانی تسلط ہی فتنہ و فساد کا سبب ہے۔ جس مربی کی گود میں پیمبرِ امن نے پرورش پائی، اس کا نام عمران (ابوطالب) ہے۔ اور عمرانیت امن پر منحصر ہے۔ جس دایہ نے پیمبرِ امن کو گودی میں کھلایا وہ ام ایمن ہے اور اس پیمبرِ امن کے جانشین کا لقب امیرالمومنین ہے۔ یعنی پرامن انسانوں کا سردار، ان توضیحات کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام دنیا میں سلامتی اور امن کی فضا پیدا کرنے کے لیے آیا ہے۔ اس میں جنگ و جدل کی اجازت جسے جہاد کہتے ہیں یا تو دفاع و حفاظت کے لیے ہے یا بطور قصاص کے ہے۔ تیسری کوئی صورت نہیں اسلام مدافعانہ جنگ (Defencive war) کا حامی ہے اور جارحانہ اقدام (Offencive war) کا مخالف ہے۔

اسلام جبر و تشدد سے اشاعت مذہب کا حامی نہیں

اسلام میں جبر و تشدد سے تبلیغ مذہب کرنا بالکل منع ہے۔ ہمارے اس دعویٰ کے اثبات کے لیے قرآن کی یہ آیت کافی ہے:-

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ (پارہ ۳ سورۂ بقرہ آیت رکوع ۱)

"یعنی دین کے معاملہ میں جبر و اکراہ نہیں۔ ہدایت گمراہی سے (نمایاں طور پر) ظاہر ہو گئی ہے۔"

ہاں کفارِ مکہ سے جو جہاد کا حکم قصاص لینے کے لیے ہے، وہ اس آیت میں ہے:-

واقتلوھم حیث ثقفتموھم واخرجوھم من حیث اخرجوکم والفتنة اشد من القتل۔ (پارہ ۲ سورۃ البقرآیت رکوع ۲۴)

"یعنی قتل کرو تم ان کو جہاں پاؤ اور ان کو ان کے گھروں سے نکال دو جس طرح انہوں نے تم کو گھروں سے نکالا اور فتنہ قتل سے زیادہ بُرا ہے"

ان دونوں آیتوں میں تضاد نہیں اور نہ ہی دوسری آیت پہلی آیت کی ناسخ ہے۔ جیسا کہ مسلمان مفسرین نے اپنی ناسمجھی کی وجہ سے لکھ دیا ہے ان آیتوں میں ناسخ و منسوخ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دونوں آیتیں بذات خود اپنے اپنے مقام پر قائم ہیں۔ اور درست ہیں۔

پہلی آیت میں اسلام کا یہ اصول بیان ہوا ہے کہ اسلام جبر و تشدد سے مذہب کی نشر و اشاعت کا حامی نہیں۔ اس کے زیر سایہ تمام مذاہب کو آزادئ خیال حاصل ہے۔ وہ تلوار سے مذہب پھیلانا نہیں چاہتا بلکہ امن و سکون میں دلائل عقلیہ و براہین قاطعہ سے تبلیغ مذہب کا حامی ہے جب وہ عقلی طور پر اس ہدایت کو جو گمراہی سے نمایاں طور پر ظاہر ہو چکی ہے ثابت کر سکتا ہے تو پھر اسے جبر و اکراہ اور تشدد کی کیا ضرورت ہے۔

دوسری آیت صاف بتلا رہی ہے کہ وہ جو منافقہ کی اجازت دے رہا ہے وہ بدلہ کے طور پر ہے۔ اور کفاران قریش کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے سرکار رسالت اور مسلمانوں کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ حکم ہوتا ہے کہ جس طرح انہوں نے تمہیں نکالا تھا اب تم بھی ان کو نکال دو۔ اس میں اگر جدال و قتال کی نوبت آ جائے تو کچھ ہرج نہیں۔ کیونکہ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو یہ فتنہ پیدا کریں گے اور فتنہ و فساد کے قائم رہنے سے بہتر ہے کہ ان فتنہ پردازوں کو قتل کر دیا جائے اور فتنہ کی اس طرح بیخ کنی کر دی جائے۔ دراصل ان سے تو پہلے سے ہی جنگی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ اس حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے عیسائی مورخین کہتے ہیں کہ غزوۂ بدر کا سبب یہ تھا کہ ابوسفیان کے تجارتی قافلہ پر جو شام سے آ رہا تھا حملہ کر دیا گیا۔ حالانکہ بلا وجہ حملہ نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ ایک طرف سے قریش مکہ، مدینہ پر حملہ کرنے والے تھے، دوسری طرف ابوسفیان تیس سواروں کے ساتھ ہزار آدمیوں کے قافلہ کو لیے شام سے اسباب تجارت لا رہا تھا۔ جس میں سامانِ جنگ بھی تھا اور اس قافلہ کے تجارتی منافع سے مسلمانوں کے تباہ کرنے کی سکیم بھی بن چکی تھی۔ اس طرح مسلمانوں کے دو طرف سے گھر جانے کا اندیشہ تھا۔ نیز ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ان سے حالتِ جنگ پہلے سے قائم ہو چکی تھی۔

ان دونوں آیتوں کی تفسیر بالرائے سے اور انہیں ناسخ منسوخ قرار دینے سے اسلام کے مخالف یورپین مورخین اعتراض کرتے اور کہتے ہیں کہ جب تک رسول عسکری طور پر کمزور تھے اور قریش ان پر غالب تھے کہہ دیا کہ دین میں

زبردستی نہیں اور جب کفار قریش کمزور ہو گئے تو کہہ دیا کہ ان کو تم مارو جہاں ان کو پاؤ۔ بہرکیف اسلام میں جنگ کی اجازت یا تو قصاص کی صورت میں ہے یا دفاع کی صورت میں ہے۔

اس سلسلہ میں خالق عالم نے یہ بھی فرمایا ہے :-

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ

(الانفال آیت ۳۹ پ ۹ رکوع ۱۹)

"ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سب کا سب خالص اور اللہ کے لیے ہو جائے۔"

اس آیت سے بھی ظاہر ہے کہ جدال و قتال رفع فتنہ و فساد کے لیے ہے۔ جب دین فتنہ و فساد سے آزاد ہو جائے اور مسلمانوں کو اللہ کی عبادات بجا لانے میں رکاوٹ نہ رہے تو پھر جدال و قتال کا نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر نے کہا کہ یہ کیفیت رسول اللہ کے زمانہ میں تھی، جب اسلام کمزور تھا، آدمی اپنے مذہب کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو جاتا تھا، لوگ اس کو قتل کر دیتے تھے، اب جب اسلام ترقی کر گیا تو کوئی فتنہ نہیں رہا۔[1]

قرآن مجید کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک پڑھ جائیے آپ کو کہیں بھی یہ حکم نہیں ملے گا کہ غیر ملک کے مشرکوں پر مجبوراً

---

[1] سیرۃ النبی حصہ اول جلد ۲ ص ۔ لفظ طبع گلاں

یہودیوں اور عیسائیوں پر اور کافروں پر حملہ کردو۔ اس لیے کہ انہوں نے مسلمانوں پر چڑھائی نہیں کی تھی۔ انہیں قتل نہیں کیا تھا، انہیں جلاوطن نہیں کیا تھا۔

ہاں سورۃ انفعال میں جو یہ ارشاد ہے کہ ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے وہاں بھی مراد کفار قریش ہی ہیں۔ جنہوں نے پہلے اذیتیں دی تھیں مصیبتوں میں مبتلا کیا تھا کیونکہ اس آیت سے پہلے یہ آیت ہے :-

قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَنتَهُوا يُغْفَرْ لَهُم مَّا قَدْ سَلَفَ وَإِن يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ۔

(الانفعال آیت ۳۸ پ ۹ ، رکوع ۱۹)

اے رسولؐ ان کافروں سے کہہ دے کہ اگر وہ اپنے افعال سے باز آجائیں تو جو گزر چکا ہے وہ معاف کر دیا جائے گا۔ اور اگر پھر انہیں حرکتوں کو دہرانے لگیں گے تو اگلے لوگوں کا جو طریق جاری ہو چکا ہے وہی ان کے ساتھ برتا جائے گا۔ باز آجانے سے یہی مطلب ہے، اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت نہ کریں۔

اس آیت سے بھی دفاعی جنگ کا حکم نکلتا ہے۔ جارحانہ اقدام کا اس آیت میں اشارہ تک نہیں ہے۔

مدافعانہ جنگ

قرآن حکیم نے سب معاملات میں تحمل و برداشت کی تعلیم دی ہے۔ مگر ایسے حملے کے برداشت کرنے کی تعلیم نہیں دی جو دین اسلام کو مٹانے یا مسلمانوں کے حقوق یا ان کی

آزادی کو سلب کرنے کے لیے کیا جائے۔ اس معاملہ میں تو اس نے سختی کے ساتھ حکم دیا کہ جو کوئی بھی تمہارے انسانی حقوق چھیننے کی کوشش کرے تم پر ظلم و ستم ڈھائے، جائز ملکیتوں سے تم کو بے دخل کرے، تمہاری طاقت کو مٹانے کی خفیہ یا علانیہ تدبیریں کرے اور اس وجہ سے تمہارا درپئے آزار ہو کہ تم مسلمان ہو تو اس کے فتنہ سے ہرگز غفلت نہ کرو۔ اسے ایسی سخت سزا دو کہ وہ یا تو راہِ راست پر آ جائے یا پیوندِ خاک ہو جائے۔ یہی "مدافعانہ جنگ" ہے یہی اسلامی جہاد ہے اور ہر مسلمان پر فرداً فرداً فرض ہے۔[1]

عہدِ نبوی کا ہر غزوہ اور ہر سریہ مدافعانہ تھا

جو لڑائیاں سرکارِ رسالت کے زمانے میں لڑی گئیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ "غزوہ" اس جنگ کو کہتے ہیں جس میں حضور نے بنفسِ نفیس شرکت فرمائی۔ "سریہ" اس جنگ کو کہتے ہیں جس میں حضور نے خود شمولیت نہیں فرمائی بلکہ کسی شخص کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا۔ غزوات کی تعداد ۲۶ اور سریوں کی تعداد ۳۷ ہے۔ ان میں سے ایک غزوہ کو بھی آپ جارحانہ اقدام نہیں کہہ سکتے۔ سرکارِ رسالت نے کفار، مشرکین اور یہودیوں سے لڑائیاں لڑیں، مگر اس وقت جب حضور کو معلوم ہوا کہ دشمن آمادۂ پیکار ہے جب تک مخالفوں نے ابتدا نہ کی آپ نے جنگ شروع نہیں کی۔ اور جب دشمن نے صلح کرنی چاہی

[1] اسلامی سیاست کا ابتدائی مطالعہ ص۶۱ شائع کردہ پاکستان حسینی مشن راولپنڈی

آپ نے اس کی دعوت کو قبول کیا۔ اور فوراً صلح کرلی۔ آپ کے صلح پسندانہ
رویہ کی بہترین مثال صلح حدیبیہ ہے۔ بعض مسلمان جو اس کی مصلحتوں سے
آگاہ نہیں تھے وہ اس صلح کی شرائط پر حضور کی نبوت میں شک کرنے
لگے تھے اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار بھی کر دیا تھا۔ مگر حضور نے ان شرائط
پر اس لیے صلح کرلی تھی تاکہ آپ پر جارحانہ حملہ کا الزام نہ آجائے۔ موتہ
کے حاکم نے جو جارحانہ اقدام کیا تھا حضور نے اتنی ہی اس کو سزا دے
دی تھی۔ اور مسلمانوں کو یہ سبق دیا تھا کہ اگر کوئی بلا وجہ تمہارے ملک پر حملہ
کرے تو پھر تم بھی اس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دینا۔ یہ مدافعانہ
جنگ ہو گی۔

اسلامی جہاد ملک گیری، معاشی استحصال، طمع مال وزر و تشدد سے اشاعتِ مذہب کیلئے نہیں	اسلام میں جوع الارض ممنوع ہے

اسلامی جہاد کی غرض ملک گیری، طمع مال وزر اور تشدد سے مذہب پھیلانا
نہیں۔ علامہ شبلی نے اسلامی جہاد کی توضیح ان الفاظ میں کی ہے :-

اسلام کا اصلی مقصد تبلیغ دعوت ہے۔ اب اگر کوئی قوم
اس دعوت کی سدِ راہ نہ ہو تو اسلام کو نہ تو اس سے جنگ ہے
اور نہ اس کے رعایا بنانے کی ضرورت ہے۔ صرف معاہدۂ
صلح کافی ہے۔ جس کی بہت سی مثالیں اسلام میں موجود ہیں
لیکن جب کوئی قوم خود اسلام کی مخالفت پر کمربستہ ہو، اور

اسکو مٹا دینا چاہے تو اسلام کو مدافعت کے لیے ہاتھ میں تلوار لینی پڑتی ہے اور اس کو اپنے زیر اثر رکھنا پڑتا ہے[1]

خلفائے ثلاثہ کی لڑائیاں اس معیار پر پوری نہیں اترتیں

جب ہم خلفائے ثلاثہ کے زمانے کی لڑائیوں کو اسلامی جہاد کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں تو وہ پوری نہیں اترتیں۔ اس لیے ہم ان فتوحات کی تاریخ کو اسلامی تاریخ نہیں کہیں گے بلکہ مسلمانوں کی تاریخ کہیں گے۔ ان جنگوں کے نتائج کا اسلام ذمہ دار نہیں بلکہ مسلمان ذمہ دار ہیں۔

جہاد کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

چونکہ جہاد کے متعلق بہت غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے حکومت صدر اول کی لڑائیوں کی وجہ سے یہ لفظ بہت بدنام ہو چکا ہے لہٰذا اس پہ تفصیلی بحث بہت ضروری ہے۔ امور مندرجہ ذیل قابل غور ہیں:۔

۱۔ وہ جہاد جس کی تحریص قرآن شریعت میں ہے اور جس کی تفصیل و تشریح جناب علی مرتضیٰ نے نہج البلاغہ میں کی ہے، کب ضروری ہے اور اس کے اصول کیا ہیں؟

۲۔ جناب رسول خدا کے جہاد قرآنی اصول کے مطابق تھے، اور اسی طرح حضرت علیؑ کے جہاد تھے۔

---

[1] سیرۃ النبی حصہ اول جلد اول صہ

۳۔ خلافت صدر اول کی لڑائیاں سیاسی وجوہ کی بنا پر حصولِ غنیمت و مملکت کے لیے تھیں، مذہب کے لیے نہ تھیں۔

۴۔ ان لڑائیوں کی وجہ سے تبلیغِ اسلام میں بہت رکاوٹ ہوئی

۵۔ فتوحات اور توسیعِ مملکت جو خلافت صدرِ اول کے وقت میں ہوئیں اسلام اور مسلمانوں کے لیے بہت ضرر رساں تھیں[1]

خلفائے ثلاثہ کے زمانے کی جنگوں کے اغراض

۱۔ قیام و استحکام سلطنت جسے ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

۲۔ معاشی استحصال اور طمع مال و زر۔ چنانچہ یہ بات ان خطوط سے ظاہر ہے جو حضرت ابوبکر نے عراق کی جنگ میں شمولیت کی ترغیب کے لیے قبائلِ عرب کو لکھے ہیں۔ جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

۳۔ اربابِ اقتدار کی غرض ان جنگوں سے ہر دلعزیزی حاصل کرنا تھا۔

۴۔ ملک کی اندرونی مشکلات سے مایوس ہو کر قوم کو بیرونی مہمات میں لگا کر شہرت حاصل کرنا۔

فتوحات کے ضرر رساں پہلوؤں پر دعوتِ فکر

مسلمانوں کی صدرِ اول کی فتوحات کے دلفریب پہلوؤں کو تو آپ تمام تاریخ نویس اور سوانح نگار

---

[1] مسلمانوں کے مذہب پر مختلف غیر اسلامی ثقافتوں کے اثرات از سلطان القلم آغا محمد سلطان مرزا دہلوی صفحہ ۵۹ و صفحہ ۶۰۔ شائع کردہ پاکستان حسینی مشن راولپنڈی۔

حضرات سے سنتے ہی رہتے ہیں۔ مگر ہم آپ کو مزر رساں پہلوؤں پر توجہ فرمانے کی دعوت دیتے ہیں۔ سلطان القلم آغا محمد سلطان مرزا تحریر فرماتے ہیں :-

فتوحات و توسیع مملکت سے جو خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان میں سے چند کا شمار ہم کرتے ہیں :-

۱۔ ساری قوم میں غرور و پندار پیدا ہو جاتا ہے۔

۲۔ اول تو یہ غرور پندار خود ہی قابلِ نفرت شے ہے۔ اس کے ساتھ ہی اور اس کے نشہ میں فاتح اقوام اپنی مفتوحہ اقوام پر ظلم و زبردستی کرنے لگتی ہیں۔ جس سے رعایا میں اس کے خلاف نفرت کا جذبہ پھیل جاتا ہے۔ انگریزوں کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ رومیوں اور عربوں کے حالات ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں۔

۳۔ حکمرانِ سلطنت کو اپنی طاقت پر بے جا انحصار ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنے اندرونی اور بیرونی معاملات میں اپنے تئیں بالکل محفوظ سمجھنے لگتا ہے۔ یہ حالت افراد کے لیے تو ہے خطرناک، بادشاہوں کے لیے بہت ہی زیادہ ہولناک ہے۔ انسان کی زندگی کا گر تو یہ ہے کہ وہ اپنے ماحول سے اس طرح چوکنا رہے جیسے وحشی جانور جال کے قریب دانہ کھاتے وقت چوکنا رہتا ہے۔ اور چاروں طرف خطرے کے امکان کو دیکھتا رہتا ہے۔ اگر وہ دو دانے لگاتار بغیر سر اٹھائے ہوئے کھائیگا تو یا تو اپنے تئیں جال میں مقید پائے گا یا شکاری کتوں

کو اپنے اوپر سوار دیکھے گا۔

۴۔ وہ قوم جو دوسروں پر فوج کشی کرتی ہے ہمیشہ کے لیے ان اقوام کو اپنا دشمن بنا لیتی ہے۔ تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں اس عام ناراضگی سے مسلمانوں کو اب تک نقصان ہو رہا ہے۔ ان کے علاوہ یونانیوں، رومیوں، جرمنوں اور انگریزوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ دنیائے قدیم میں اشوری سلطنت کی مثال نہایت قابلِ عبرت ہے۔

۵۔ مسلمانوں کے مذہب سے جو لوگوں کو تنفر ہوا اس کا سب سے بڑا سبب یہی تھا۔

۶۔ مسلسل فوج کشی سے ساری دنیا ان کی سپاہی بن جاتی ہے اور سپاہیانہ ذہنیت ہر فرد میں سرایت کر جاتی ہے۔ اس ذہنیت کی چند خصوصیات یہ ہیں:۔

غرور بے جا، جہل مرکب یعنی جاہل ہونا۔ اور اپنے آپ کو سب سے زیادہ عاقل سمجھنا، اور کسی کی بات نہ ماننا۔ انسانی جان کی بے قدری، ہر وقت خون بہانے پر آمادہ رہنا۔ لڑائی اور تنازعات کو پسند کرنا۔ مذہب کی طرف سے بے رخی، موت کے خیالات کی طرف سے لاپرواہی، قساوت قلب، فوج کشی کے ایام میں عیش و عشرت کے مشغلوں پر پابندی تھی، اب فوج سے آنے کے بعد یہ لوگ عیش و عشرت کی طرف اس

طرح لپکتے ہیں جیسے بھوکا بھیڑیا اپنے شکار کی طرف جھپٹتا ہے۔

۷۔ ان فتوحات کے بعد مفتوحہ ممالک سے اس قدر عیش و عشرت کے سامان آجاتے ہیں کہ اوپر کے طبقہ کا ہر فرد ان میں منہمک ہوجاتا ہے

۸۔ عوام الناس کو ان جنگہائے عظیم کے بعد قحط، گرانی اور بیروزگاری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۹۔ باہر کے ہر قسم کے نظریات، معتقدات اور رسم و رواج رکھنے والے لوگ ملک میں آکر قوم میں مل جاتے ہیں۔ اس طرح قومی اور مذہبی اور تمدنی خصوصیات قوم سے چلی جاتی ہیں۔ مذہب پر خاص طور سے اس کا برا اثر پڑتا ہے۔

۱۰۔ وسعت سلطنت کی وجہ سے انتظام ملکی خراب ہوجاتا ہے مرکز کی طرف سے معقول اور مؤثر دباؤ نہیں رہتا اور صوبوں کی بغاوت شروع ہوکر طوائف الملوکیت پر منتج ہوتی ہے اورنگزیب کی فتوحات دکن اس کی نمایاں مثال ہے۔ اور جب یہ انحطاط شروع ہوا تو پچاس برس کے اندر صوبہ اودھ، صوبہ بنگال اور صوبۂ دکن کی بغاوتیں شروع ہوگئیں۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں کو ہندوستان میں قدم جمانے کا موقع مل گیا۔

۱۱۔ جنگ کی مشغولیتیں حکمرانوں کو رعایا کی طرف سے لاپرواہ بنا دیتی ہیں۔ رعایا میں بددلی پھیل جاتی ہے۔ ہمیشہ جنگ ہائے بیرونی اور ترقی اندرونی متناسب معکوس میں رہتی ہیں (یعنی

جب بیرونی جنگوں میں لوگ مصروف ہو جاتے ہیں تو اندرونی ترقی رُک جاتی ہے،

۱۱۔ ایسے سخت اور ظالمانہ قانون جاری کرنے پڑتے ہیں کہ جس سے رعایا میں بد دلی پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسری جنگِ عظیم میں ہر ایک نے ہندوستان کے جلدی میں مرتب کیے ہوئے قانون و قوانین کا اثر دیکھا ہوگا۔ آخر کار انگریزوں کو ہندوستان چھوڑنا ہی پڑا اس کے علاوہ :۔

۱۲۔ فاتح اقوام میں تنازعہ اقتدار شروع ہو جاتا ہے اور اس جنگ اقتدار میں ملکی نظم و نسق میں اضمحلال آجاتا ہے۔

۱۴۔ جنگِ اقتدار میں اہم شخصیتوں کے خلاف ضد و عناد بڑھ جاتا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ میں کوئی فاتح جرنیل یا بانیٔ سلطنت ایسا نہیں ملے گا جو معزول نہ ہوا ہو یا موت کے گھاٹ نہ اتارا گیا ہو۔ یا اس کی زندگی قید خانہ میں نہ گزری ہو۔

۱۵۔ بے مروتی اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ بیٹے تاجدار باپ کو نظر بند کرتے نظر آئیں گے۔ اور بھائی بھائیوں کو موت کے گھاٹ اتارتے دکھلائی دیں گے۔

ہم نے جن خرابیوں کا ذکر کیا وہ آپ کو مسلمانوں کی تاریخ میں قدم قدم پر نظر آئیں گی۔ مسلمانوں نے ممالک کو ضرور فتح کیا۔ مگر وہ مفتوح

لہ مسلمانوں کے مذہب پر غیر اسلامی ثقافتوں کے اثرات ص۱۰۵ تا ص۱۱۲ شائع کردہ پاکستان حسینی مشن راولپنڈی

قوموں کی تہذیب و تمدن کے غلام ہو گئے۔

سوالات

۱۔ ثابت کیجئے کہ اسلام صلح و امن کا مذہب ہے۔
۲۔ اسلام میں جہاد کی اجازت کن کن اغراض کے لیے ہے
۳۔ اسلام جبر و تشدد سے اشاعتِ مذہب کا حامی نہیں اسے قرآنِ مجید کی آیات سے ثابت کیجئے۔ کیا جہاد کے متعلق قرآنِ مجید کی دونوں آیتوں میں تضاد ہے؟ اس کے خلاف استدلال کیجئے۔
۴۔ ثابت کیجئے کہ بدر کی لڑائی جارحانہ اقدام نہیں تھا بلکہ مدافعانہ جنگ تھی۔
۵۔ جہاد کے متعلق دونوں آیتوں کی تفسیر بالرائے اور انہیں ناسخ منسوخ قرار دینے سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟
۶۔ ثابت کیجئے کہ جہاد دفع فتنہ و فساد کے لیے ہے۔
۷۔ ثابت کیجئے کہ عہدِ نبوی کا ہر غزوہ اور ہر سریہ مدافعانہ تھا۔ اس پہ صلح حدیبیہ اور جنگِ موتہ سے روشنی ڈالیے۔
۸۔ ثابت کیجئے کہ اسلامی جہاد کی غرض ملک گیری

طمع زر و مال اور تشدد سے مذہب کی اشاعت نہیں
ہے۔

۹۔ ثابت کیجئے کہ خلفائے ثلاثہ کے زمانے کی جنگیں
اسلامی جہاد کے معیار پر پورا نہیں اترتیں۔

۱۰۔ خلفائے ثلاثہ کے زمانے کی جنگوں کے اغراض و
مقاصد کیا تھے ؟

۱۱۔ مسلمانوں کی فتوحات کے اخلاقی مضر رساں پہلوؤں
کو بیان کیجئے۔

۱۲۔ مسلمانوں کی فتوحات کے تمدنی اور سیاسی مضر رساں
پہلوؤں کو واضح کیجئے۔

۱۳۔ سپاہیانہ ذہنیت کی خصوصیات کیا ہیں۔ اس کے
مضر رساں پہلوؤں پر روشنی ڈالیئے۔

۱۴۔ جنگِ اقتدار کے برے نتائج کو بیان کیجئے۔

سترھواں باب

حضرتِ عمر

حزبِ اقتدار کے نمائندہ کی خصوصیات

۱۔ آپ خاندان عدی سے تھے اور عدی تیم کے حقیقی چچا تھے۔ تیم کی اولاد سے حضرتِ ابوبکر تھے۔

۲۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ جنابِ رسالتمآب سے نویں پشت میں ملتے ہیں۔ شجرۂ نسب اس طرح بیان کیا گیا ہے:

عدنان – معد – نزار – مضر – الیاس – مدرکہ – خزیمہ – کنانہ – نضر – مالک – فہر – غالب – لؤی – کعب

کعب:
- عدی – زراح – قرط – عبداللہ – ریاح – عبدالعزیٰ – نفیل
  - نفیل – خطاب – حضرت عمر
  - نفیل – عمرو – زید – سعید
- مرہ
  - تیم – سعد – کعب – عمرو – عامر – ابوقحافہ – ابوبکر
  - کلاب – قصی – عبد مناف – حضرت ہاشم – حضرت عبدالمطلب
    - حضرت عبداللہ – حضرت محمد صلعم
    - حضرت [illegible] – حضرت [illegible]

یہ شجرہ نسب علامہ شبلی کے لکھے ہوئے شجرۂ نسب سے مختلف ہے
انہوں نے اپنے ممدوح کا شجرۂ نسب اس طرح لکھا ہے :۔
حضرت عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبد اللہ
بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک [1]
جس سے معلوم ہوا کہ لوی بن غالب بن فہر نہیں بلکہ لوی بن فہر تھا یعنی
فہر لوئ کا دادا نہیں بلکہ باپ تھا۔
علامہ شبلی نے سیرت النبی میں سرکار رسالت کا شجرہ نسب اس طرح
لکھا ہے :۔
(سرکار رسالت) محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف
بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک [2]
اس میں اسی لوی کو جسے الفاروق میں فہر کا بیٹا قرار دیا ہے فہر کا پوتا لکھ
دیا ہے۔
علامہ ابوالفدا نے اس طرح لکھا ہے :۔
فہر کا لڑکا غالب ہوا اور غالب کا لڑکا لوی [3]۔
علامہ دیار بکری نے لکھا ہے۔ غالب کے بیٹے لوی کا فرزند کعب تھا [4]
علامہ طبری نے لکھا ہے۔ کعب ابن لوی ابن غالب ابن فہر ابن مالک [5]

---

[1] الفاروق مطبوعہ کانپور ۱۸۹۹ء جلد ۱ ص ۲۳ ۔ [2] سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۱۱۶
[3] تاریخ ابوالفدا جلد ۱ ص ۱۰۷ ۔ [4] تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۱۰۲
[5] تاریخ طبری جلد ۲ ص ۱۸۶ مطبوعہ مصر

کتاب سبائک الذہب میں جو نسب عرب میں مخصوص کتاب ہے حضرت عمر کا شجرہ نسب اس طرح ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک

اس سلسلہ میں زیادہ تاریخی تنقید کو ہم نظر انداز کرتے ہیں۔

اب دیکھنا ہے کہ قریش سے عرب کی کونسی جماعت مراد ہے۔ اس میں محققین علم الانساب اور مورخین ملک عرب میں شدید اختلاف ہے ایک جماعت کا خیال ہے کہ صرف جناب قصیٰ کی اولاد اور نسل قریش ہے، دوسری جماعت کہتی ہے کہ ان کے بزرگ فہر کی پوری نسل قریش ہے۔

اس اختلاف کا اثر یہ ہوگا کہ اگر صرف جناب قصیٰ کی اولاد قریش ہے تو ان کے بھائیوں اور بزرگوں کی اولاد خاندان قریش سے خارج ہو جائے گی۔ اور اگر فہر کی اولاد قریش سمجھی جائے تو ان کے بزرگ فہر کی پوری نسل قریش ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ ابن عبدالبر جو نسب کے بہت بڑے ماہر اور مورخ و ادیب ہیں لکھتے ہیں:

عرب کے لوگوں کو قصیٰ بن کلاب نے جمع کیا، اس وجہ سے وہ سب قریش کہے گئے، تقریش کا معنی اچھی طرح جمع کرنا ہے اور قصیٰ کو (قریش) خوب جمع کرنے والا کہتے ہیں، انہی کے بارے

لہ سبائک الذہب ص۶۳ و ۲۴ (ماخوذ "حضرت عمر" شائع کردہ ادارہ اصلاح کھجوہ)

میں شاعر نے کہا ہے کہ تمہارے باپ قصیٰ کو لوگ جمع کرنے والا
(قریش) کہتے تھے ۔ اُن ہی کے ذریعہ سے اللہ نے فہر کے
قبیلوں کو جمع کیا۔[1]

تاریخ نویسی میں دو مورخ بہت معتبر خیال کیے جاتے ہیں۔ ایک علامہ
ابن اثیر جزری اور علامہ طبری اس سلسلہ میں علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا
ہے :۔

لوگوں کا بیان ہے کہ جب عرب کو قصیٰ نے جمع کیا۔ تب ان
لوگوں کو قریش کہنے لگے التقرش کا معنی جمع ہونا ہے۔ اور دوسرے
لوگوں کا قول ہے کہ جب قصیٰ حرم کے سردار ہوئے اور بہت
اچھے اچھے کام کیے تو لوگ ان کو قرشی کہنے لگے اور پہلی مرتبہ
یہ نام انہی قصیٰ کا رکھا گیا۔ اور یہ لفظ اجتماع سے نکلا ہے
یعنی قصیٰ میں اچھی صفتیں جمع تھیں ، اس سے ان کو قریش کہنے
لگے۔[2]

علامہ طبری نے لکھا ہے :۔

خاندان بنی امیہ کے مشہور خلیفہ عبدالملک بن مروان نے
محمد بن جبیر سے پوچھا کہ قریش کا یہ نام کب سے پڑا۔ اس نے
کہا کہ جب سے یہ لوگ الگ الگ رہنے کے بعد حرم میں
اکٹھے ہو گئے۔ کیونکہ تقرش کا معنی تجمع ہے (یعنی جمع ہونا) اس

---

[1] عقد فرید جلد ۲ ص۳۰۔ [2] تاریخ کامل ج ۲ ص ۱۰۔

جواب پر خلیفہ عبدالملک نے کہا میں نے تو آج تک یہ نہیں سنا بلکہ یہ سنتا آتا ہوں کہ قصی کو قریشی کہتے تھے۔ اور ان سے پہلے کسی کا نام قریش ہوا ہی نہیں تھا۔[1]

اس کے بعد ہی یہ لکھا ہے:-

جب قصی حرم (مکہ معظمہ) میں آکر مقیم ہوئے اور اس پر غالب آئے اور وہاں بڑے اچھے اچھے کام کیے تو سب لوگ ان کو قریشی کہنے لگے۔ لہٰذا وہی پہلے شخص ہیں جو اس نام سے پکارے گئے۔[2]

طبری کی ان روایات کو علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی لکھا ہے[3]
عبدالملک والی روایت کو علامہ ابن حجر جیسے جلیل الشان محدث نے بھی لکھا ہے[4]

عبدالملک کا یہ قول کہ قصی کے پہلے کسی شخص کا نام قریش ہوا ہی نہیں اس اختلاف میں بہت کچھ فیصلہ کن ہے۔ کیونکہ یہ اموی خلیفہ حالات عرب سے پوری طرح واقف تھا۔ بہر حال اگر "قریش" قصی اور ان کی اولاد کو کہتے ہیں تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر دونوں قریش میں سے نہیں تھے۔ یہ حدیث جو سرکار رسالت کی طرف منسوب کی جاتی ہے، کہ میری خلافت یا حکومت کے اہل صرف قریش ہیں، ان پر صادق نہیں آتی۔

---

[1] تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۸۱، [2] تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۸۱، [3] تفسیر درمنثور سیوطی جلد ۶ صفحہ ۳۹۵
[4] فتح الباری پارہ ۱۴ صفحہ ۳۰۲ مطبوعہ دہلی۔

صاحب کنز العمال نے اس حدیث کو اس طرح نقل کیا ہے۔

ما بعد - یا معشر قریش! فانکم اهل هذا الامر مالم تعصوا الله ۔ اے قریش والو! اس خلافت کے مستحق تم لوگ ہی ہو جب تک تم اللہ کی نافرمانی نہ کرو۔[1]

اس سے ظاہر ہے کہ خلافت کے لیے صرف قرشی ہونا ہی کافی نہیں بلکہ شرط یہ ہے کہ جب تک تم خدا کی نافرمانی نہ کرو۔ اور خدا کی نافرمانی نہ کرنے کو عصمت کہتے ہیں۔ پس خلافت کے لیے قریشی ہونے کے ساتھ عصمت بھی ضروری ہے۔

قریش کے متعلق دوسرا گروہ کہتا ہے کہ فہر کی اولاد "قریش" ہیں مگر قریش ہونے پر بھی حضرت ابو بکر اور عمر رسول اللہ کے خاندان سے دور پڑتے ہیں۔ سلسلۂ نسب کعب پر ملتا ہے۔ حضرت عمر نویں پشت میں اور حضرت ابو بکر آٹھویں پشت میں ملتے ہیں۔ البتہ آپس میں وہ قریب کے رشتہ دار ہیں۔ کعب کے ایک بیٹے عدی کی اولاد حضرت عمر تھے اور دوسرے بیٹے مرہ کی اولاد حضرت ابو بکر تھے۔

اس سے زیادہ ہماری اس کتاب میں حضرت عمر کے خاندان کو بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے اور نہ ہم اسے موزوں سمجھتے ہیں۔ جو حضرات ان کے خاندانی حالات کو تفصیل سے جاننا چاہیں وہ ان کتابوں کا مطالعہ کریں۔ (۱) سبائک الذہب علامہ سویدی (۲) معارف ابن قتیبہ دینوری ص ۳۷

---

[1] کنز العمال جلد ۶ ص ۱۹۸

مطبوعہ مصر) (۳) شرح ابن ابی الحدید جلد۲ صـ۱۲۲، ۲۵ (۴) تفسیر وحیدی۔ (۵) تفسیر طبری۔

۳۔ حضرت عمر اور ان کا خاندان دین جاہلیت پر تھا۔ اور وہ اپنے قبیلہ کے بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔

۴۔ زمانہ جاہلیت میں حضرت عمر کا پیشہ دلالی تھا۔ یعنی بیچنے والے اور خریدنے والے کے درمیان معاملہ کرایا کرتے تھے۔ علامہ وحیدالزماں خان نے لکھا ہے: "کان عمر فی الجاہلیۃ مبرطشا" یعنی دور جاہلیت میں حضرت عمر دلال تھے۔[1]

مولوی شبلی نے لکھا ہے: "سن رشد کو پہنچ کر ان کے باپ خطاب نے ان کو جو خدمت سپرد کی وہ اونٹوں کا چرانا تھا۔ یہ شغل اگرچہ عرب میں معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ قومی شعار تھا۔ لیکن خطاب نہایت بے رحمی کے ساتھ ان سے سلوک کیا کرتے تھے۔ تمام تمام دن اونٹ چرانے کا کام لیتے اور جب کبھی تھک کر وہ دم لینا چاہتے تو سزا دیتے۔ جس میدان میں حضرت عمر کو یہ مصیبت انگیز خدمت انجام دینی پڑتی تھی۔ اس کا نام "ضجنان" تھا۔ جو کہ معظمہ سے قریب قدید سے ۱۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ خلافت کے زمانہ میں ایک دفعہ حضرت عمر کا گزر ادھر ہوا تو ان کو نہایت عبرت ہوئی۔ آب دیدہ ہو کر فرمایا۔ اللہ اکبر ایک وہ زمانہ تھا کہ میں یہاں نمدے کا کرتا پہنے ہوئے اونٹ چرایا کرتا

---

[1] انوار اللغۃ پارہ ۲ صـ۳۳

تھا اور تھک کر بیٹھ جاتا تھا اور باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا تھا اور آج یہ دن ہے کہ خدا کے سوا میرے اوپر اور کوئی حاکم نہیں[1]

ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا خاندانی پیشہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر سر پر اٹھا کر لانا اور اسے ایندھن کے طور پر بیچنا تھا عرب میں کوئی پیشہ عیب نہیں سمجھا جاتا تھا۔

عمرو عاص مصر میں حضرت عمر کی طرف سے گورنر تھے جب حضرت عمر کو معلوم ہوا کہ عمرو عاص مصر میں بڑی دولت پیدا کر رہے ہیں۔ تو ایک شخص محمد بن مسلمہ کو ان کے ہاں بھیجا کہ جا کر نصف پر قبضہ کر لیں اور نصف عمرو عاص کے لیے چھوڑ دیں۔ محمد بن مسلمہ پہنچے، تو عمرو عاص نے کہا:۔

"خدا اس دن پر لعنت کرے جب میں ابن خطاب کی طرف سے مصر کا گورنر مقرر کیا گیا۔ خدا کی قسم میں نے عمر کو بھی دیکھا ہے اور ان کے باپ کو بھی۔ کہ ہر ایک کے جسم پر بھدے کپڑے کی ایسی مختصر عبا تھی جو ان کے گھٹنوں تک بھی نہیں پہنچتی تھی اور اسوقت دونوں کے سروں پر جلانے کی لکڑیوں کا ایک گٹھڑ رہتا تھا۔ اس وقت میرا باپ ریشم و دیبا کی گھنڈیاں لگی ہوئی عبا استعمال کرتا تھا[2]"

۵۔ آپ اسلام اختیار کرنے سے پہلے اسلام کے شدید ترین دشمنوں

---

[1] طبقات ابن سعد۔ الفاروق ص۲۵۔ [2] ازالۃ الخفا مقصد۲ ص۱۸۳

میں سے ایک تھے۔ آپ مشہور دشمن اسلام ابوجہل کے بھانجے ہیں
۶۔ آپ نے دعوت اسلام سے سات سال بعد اسلام اختیار کیا[1]
عام طور پر یہ مشہور ہے کہ ان کے اظہار اسلام سے کفار قریش دب
گئے۔ اور ان کی وجاہت کی وجہ سے مرعوب ہو گئے۔ یہ بات مشہور
ہی ہے حقیقت سے اسے کوئی واسطہ نہیں اور واقعات کے
بالکل خلاف ہے۔ آپ نے نبوت کے ساتویں سال اسلام
اختیار کیا۔ یہی وہ سال ہے جس میں سرکار رسالت شعب ابی طالب
میں محصور ہوئے اور کفار نے آپ کا معاشی مقاطعہ کیا۔ گویا ان کے
اسلام لانے کے بعد سرکار رسالت کی مکی زندگی کا شدید ترین دور
شروع ہوا۔ حضور متواتر تین برس شعب ابی طالب میں محصور رہے
وہ وہ مصائب برداشت کیے کہ جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے
ہوتے ہیں۔ اسلام کی ورق گردانی پر ہمیں کوئی ایسا ریکارڈ نہیں ملا جس
میں کسی مشہور صحابی کی امداد کا ایسے نازک دور میں تذکرہ ہو۔
۷۔ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں آپ کا چوتھا نمبر ہے۔
ہجرت کی کہانی اس طرح پر ہے کہ جب مدینہ منورہ کے ایک
معزز گروہ نے اسلام قبول کر لیا، اس لیے آنحضرت نے حکم
دیا کہ جن لوگوں کو کفار کے ستم سے نجات نہیں مل سکتی وہ مدینہ
کو ہجرت کر جائیں۔ سب سے پہلے ابوسلمہ پھر حضرت بلال

---

[1] ازالۃ الخفا مقصد ۲ ص ۱۸۳، شرح ابن الحدید ص ۱۰۰۱

پھر حضرت عمار یاسر نے ہجرت کی۔ ان کے بعد حضرت عمر نے بیس آدمیوں کے ساتھ مدینہ کا قصد کیا[۱] حضرت عمر کے رعب و دبدبہ اور شوکت کی کہانیاں سننے کے بعد اس واقعہ کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔ آنحضرت نے فرمایا: "جن لوگوں کو کفار کے ستم سے نجات نہیں مل سکتی وہ مدینہ کو ہجرت کر جائیں۔" حضرت عمر نے کیوں ہجرت کی کیا آپ کو بھی آپ کے رعب و دبدبہ اور شوکت و وجاہت کے باوجود کفار کے ستم سے نجات نہیں مل سکتی تھی؛ کیا آپ کے ماموں ابوجہل نے بھی آپ کی مدد نہ کی۔

۸۔ مکہ میں جب سرکار رسالت نے صحابہ میں عقد مواخات قائم یعنی ایک دوسرے کو بھائی بھائی بنایا تو حضرت عمر کو حضرت ابوبکر کا بھائی بنایا اور علی مرتضیٰ کو اپنا بھائی قرار دیا[۲] پھر جب مہاجر و انصار کے درمیان مدینہ میں بھائی چارہ قرار دیا تو حضرت عمر کو عتبان بن مالک کا بھائی قرار دیا[۳]

۹۔ حضرت عمر نے سرکار رسالت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ سیدہ فاطمہ کی شادی مجھ سے کر دیں۔ آپ نے (غصہ و رنج میں) ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ تب حضرت عمر حضرت ابوبکر کے پاس واپس آئے[۴]

---

[۱] الفاروق ص۳۵ [۲] طبری [۳] الفاروق
[۴] کنزالعمال جلد ۷ ص۱۱۳

۱۰۔ حضرت عمران لوگوں میں سے تھے جو اُحد کے دن بھاگ گئے تھے مگر خدا نے ان کو معاف کر دیا[1] حضرت عمر کا خود ارشاد ہے کہ غزوۂ اُحد میں ہم لوگوں نے ہزیمت اٹھائی تو میں نے فرار اختیار کیا۔ یہاں تک کہ پہاڑ پر چڑھ گیا۔ وہاں میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں اس طرح اچکتا پھرتا تھا جس طرح پہاڑ پر پہاڑی بکری اچکتی ہے۔[2]

۱۱۔ صلح حدیبیہ میں حضرت عمر کو سرکارِ رسالت کی رسالت میں شک ہوا۔ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں:۔

صلح حدیبیہ کے دن میرے دل میں خطرۂ عظیم گزرا اور میں نے رسول اللہ کے ساتھ ایسے مقابلہ کی بے باکانہ باتیں کیں، کہ اس سے پہلے کبھی نہیں کی تھیں۔ چنانچہ رسول اللہ کے پاس جا کر میں نے کہا، آپ پیغمبر برحق نہیں؟ آنحضرت نے فرمایا کہ بیشک ہوں۔ میں نے کہا۔ کیا ہم حق پر اور ہمارے مخالف باطل پر نہیں ہیں؟ آنحضرت نے فرمایا کہ بے شک ہیں۔ میں نے کہا، تو پھر ہم کیوں ایسی حقارت اور مذلت گوارا کریں۔ اور اس طرح سے صلح کر کے واپس ہوں۔ آنحضرت نے فرمایا۔ اے خطاب کے بیٹے! میں خدا کا رسول ہوں۔ اور بغیر اس کے حکم

---

[1] انساب الاشراف علامہ بلاذری۔ [2] تفسیر درمنثور سیوطی جلد ۲ صفحہ ۸۸ تفسیر طبری جلد ۴ صفحہ ۹۰۔ کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۳۸۔

کے کچھ نہیں کرتا۔ وہی میرا حامی و مددگار ہے۔ اور وہ میرے کام کو ضائع نہیں کرے گا۔[1]

۱۲۔ خیبر کی لڑائی میں حضرت عمر اور ان کے ساتھی بھاگ گئے تھے آنحضرت کی خدمت میں جب حاضر ہوئے حضرت عمر کی فوج کہہ رہی تھی کہ ہمارے سردار حضرت عمر نے بزدلی دکھائی۔ اور حضرت عمر کہتے تھے کہ یا حضرت ہماری فوج نے ہی نامردی کی[2]

۱۳۔ حضرت ابو قتادہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ حنین میں صحابہ بھاگ گئے تو میں بھی ان کے ساتھ بھاگا۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ بھاگنے والوں میں حضرت عمر بھی ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا، لوگوں کا کیا حال ہے۔ کہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت عمر نے فرمایا۔ کیا کیا جائے خدا کا حکم یہی تھا۔ پھر سب بھاگنے والے رسول اللہ کے پاس گئے[3]

۱۴۔ سریہ ذات السلاسل میں جو کہ آٹھ ہجری میں ہوا سردار لشکر عمرو عاص تھے اور حضرت عمر اور حضرت ابو بکر ان کے ماتحت بھیجے گئے[4]

۱۵۔ حضرت عمر مکہ معظمہ میں بھی سرکار رسالت کے ساتھ رہے اور مدینہ منورہ میں بھی۔ کہتے ہیں کہ انہیں ۱۹ سال تک سرکار رسالت کی صحبت میں رہنے کا موقعہ ملا۔ خدا معلوم کیا مصلحت تھی کہ نہ تو سرکار رسالت نے انہیں کسی سریہ میں سردار لشکر بنا کر بھیجا نہ کبھی مدینہ سے

---

[1] مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۶۷ [2] تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۹۳۔ [3] صحیح بخاری پ ۱۷ صفحہ ۵۵ کتاب المغازی۔ [4] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۰۴

باہر تشریف سے جانے پر اپنی قائم مقامی کا موقعہ دیا۔ اور نہ ہی کسی ذمہ داری کو ان کے سپرد کیا۔ حالانکہ دوسرے صحابہ کرام کو ایسے موقعے ملتے رہے

۱۶۔ سنہ ۳ھ میں حضرت عمر کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کی صاحبزادی حضرت حفصہ رسول اللہ کے عقد میں آئیں[1]

۱۷۔ جب سرکار رسالت نے اسامہ ابن زید کی کمانڈ میں لشکر روانہ کرنا چاہا، آپ اسامہ کے ماتحت تھے۔ مگر آپ نے جانے سے انکار کر دیا۔

۱۸۔ وقت رحلت جناب رسالتمآب نے کاغذ و قلم دوات طلب کیا تاکہ ایسا وثیقہ لکھ دیں کہ آپ کے بعد امت گمراہ نہ ہو۔ آپ نے دینے سے انکار کیا۔

۱۹۔ آپ نے سرکار رسالت کے جنازہ میں شرکت نہیں کی۔ اور آپ اس وقت سقیفۂ بنی ساعدہ میں خلافت کے قضیہ میں مصروف جدوجہد تھے۔

۲۰۔ خلافت حضرت ابی بکر آپ کی سر توڑ جدوجہد کا نتیجہ تھی۔

۲۱۔ آپ چوٹی کے سیاست دان تھے۔ دنیوی سیاست میں ان کے پایہ کا کوئی دوسرا آدمی نظر نہیں آتا۔

۲۲۔ آپ حضرت ابو بکر کے دور خلافت میں خلیفۃ المسلمین ابوبکر کے مشیر اعظم اور دست راست تھے اور امور سیاسیہ میں کرتا دھرتا تھے۔

---

[1] الفاروق صہ ۲۸

۲۳۔ آپ کو سیاسی جوڑ توڑ میں پوری پوری مہارت تھی۔ آپ ہمیشہ بارسوخ اور صاحبِ اثر لوگوں کو اپنی طرف کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

۲۴۔ آپ نے شام کی حکومت بنی امیہ کے خاندان میں منتقل کی۔ اور اپنے زمانۂ خلافت میں مسلمانوں کو باہر بھیج کر ان کی توجہ دولت ثروت اور حکمرانی کی طرف مبذول کرائی۔

۲۵۔ آپ کے زمانۂ سلطنت میں بہت سے ممالک میں فوج کشی ہوئی اور آپ نے بہت سے علاقے فتح کیے۔

۲۶۔ آپ اکثر مشکلات میں حضرت علی کی طرف رجوع کرتے۔ اور جب حلّالِ مشکلات مشکلوں کو حل کر دیتے تھے تو فرماتے تھے۔ لولا علی لھلک عمر۔ اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے۔

۲۷۔ آپ نے اپنے دورِ سلطنت میں بہت سی باتیں ایسی رائج کیں جو زمانۂ رسالت میں نہیں تھیں۔

سوالات

۱۔ حضرت عمر کے شجرہ کی وضاحت کر کے بتلایئے۔ کہ کتب عامہ میں جو شجرہ ملتا ہے اس سے حضرت کون سی پشت میں رسول اللہ سے ملتے ہیں؟

۲۔ قریش سے عرب کی کون سی جماعت مراد ہے۔ کیا حضرت عمر قریش میں سے تھے۔ اس کے متعلق خلیفہ عبدالملک کا نظریہ بیان کیجئے۔

۳۔ کیا خلافت کے لیے قریشی ہونا کافی ہے یا کوئی اور شرط بھی اس کے ساتھ ضروری ہے۔

۴۔ قبل نبوت سرکار رسالت حضرت عمر اور ان کے خاندان کا کیا مذہب تھا؟

۵۔ حضرت عمر اور ان کے خاندان کا کیا پیشہ تھا؟

۶۔ کیا حضرت عمر قبل اسلام اسلام کے دشمن تھے آپ نے کب اسلام قبول کیا اور ان کے اسلام سے کوئی خاص تقویت اسلام کو حاصل ہوئی۔

۷۔ حضرت عمر کے واقعہ اُحد اور صلح حدیبیہ کے متعلق حالات بیان کرو۔

۸۔ غزوۂ حنین و خیبر میں حضرت عمر کی کیا پوزیشن تھی؟

۹۔ کیا رسول اللہ نے اپنی زندگی میں حضرت عمر کو کوئی ذمہ دار عہدہ دیا؟

۱۰۔ جیش اسامہ میں حضرت عمر کی کیا پوزیشن تھی؟

۱۱۔ قضیۂ قرطاس کو بیان کیجئے۔ اور کیا حضرت عمر نے رسول اللہ کی تجہیز و تکفین میں کوئی حصہ لیا۔ اگر نہیں تو کیوں؟

۱۲۔ خلافت حضرت ابوبکر میں حضرت عمر نے کس طرح حصہ لیا؟

اٹھارہواں باب

حضرت عمرؓ کا ابتدائی دورِ سلطنت

آغازِ سلطنت اور حضرت عمرؓ کی دعا عنانِ حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد حضرت عمرؓ نے بالائے منبر جا کر جو کچھ کہا وہ یہ تھا :-

خداوند! میں درشت خو ہوں مجھے نرم دل کر، میں کمزور ہوں، مجھے قوت دے اور میں بخیل ہوں مجھے سخی فرما۔[1]

حضرتِ ابوبکرؓ کی خلافت کے متعلق حضرت عمرؓ کی رائے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت حضرت عمرؓ کی جدوجہد کا نتیجہ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت حضرت عمرؓ نے کی تھی۔ اور پھر دوسروں کو سیاسی تدابیر سے اور سختی سے اس کی طرف کھینچا تھا۔ آپ اسے جمہوری سلطنت کہیں یا شخصی بہرطور اس کے کرتا دھرتا حضرت عمرؓ ہی تھے۔ مگر اس بیعت کے متعلق خود ممدوح نے ان الفاظ میں اظہارِ خیال فرمایا ہے :-

---

[1] طبقات ابن سعد، تاریخ احمدی ص ۱۲۶ و ۱۲۰۔

فلا یغترن امرءٌ ان یقول انما کانت بیعۃ ابی بکر فلتۃ وتمت الا و انھا قد کانت کذالک لکن اللہ وقی شرھا۔

کوئی شخص اس دھوکے میں نہ پڑے کہ کہنے لگے کہ ابوبکر کی بیعت تو ناگہانی طور پر ہو گئی اور پوری ہو گئی۔ یہ صحیح ہے کہ وہ اسی طرح ہوئی لیکن اللہ نے اس کے شر سے سب کو بچا لیا۔[۱]

حضرت عمر کے اس ارشاد کی شرح

اس جملہ کی شرح میں علامہ ابن حجر مکی نے لکھا ہے

انہ لم یکن مع ابی بکر حینئذ من المھاجرین الا عمر و ابوعبیدۃ۔ اسوقت جماعت مہاجرین سے حضرت ابوبکر کی بیعت سوائے حضرت عمر اور ابو عبیدہ کے کسی نے نہیں کی۔[۲]

علامہ جوہری نے لغت کی مشہور کتاب صحاح میں حضرت عمر کے اس ارشاد کی تصریح اس طرح کی ہے:

فلتۃ سے مراد وہ امر ہوتا ہے جو اچانک بغیر غور و فکر کے ہو جائے۔ ابوبکر کی بیعت اسی طرح واقع ہوئی کیونکہ اس کے متعلق مسلمانوں سے بالکل مشورہ نہیں کیا گیا۔ بلکہ ناگہانی ہو گئی۔ جس میں نہ لوگوں کی رائیں دیکھی گئیں نہ

---

[۱] صحیح بخاری مطبوعہ مطبع احمدی صـ ۱۰۰۹

[۲] فتح الباری پ ۲۸ صـ ۳۶۸

ان کو اس میں غور و خوض کا موقعہ دیا گیا۔ بلکہ اس طرح کر لی گئی جس طرح کوئی چھینی، اچکی اور غصب کی ہوئی چیز ہوتی ہے[1]

حضرت عمر کا پہلا کارنامہ حضرت خالد کی معزولی

حضرت عمر نے خلیفہ ہوتے ہی سب سے پہلے جو کام کیا وہ یہ تھا کہ خالد بن ولید کو معزول فرمایا۔ اور ۱۴ھ میں شہر بصرہ کے بنیاد ڈالنے کا حکم دیا۔[2]

حضرت خالد کی معزولی بہت بڑا امر تھا۔ حضرت عمر نے بغیر مسلمانوں کی رائے اور مشورہ کے خالد کو معزول کر دیا۔ اس امر میں ہماری یہ غرض نہیں کہ ہم خالد کی بے جا حمایت کریں یا حضرت عمر پر نکتہ چینی پسند کریں۔ بلکہ یہ دکھلانا مطلوب ہے کہ جو بات جیسے ہے ویسے ہی بیان کی جائے۔

حضرت عمر نے جو کچھ اپنی ذاتی رائے یا اجتہاد سے کیا اسے ان ہی کا فعل کہا جائے۔ اس کو جمہوریت کا نام دے کر لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا نہ کیا جائے۔ حضرت عمر نے خالد کے متعلق حضرت ابو بکر کی خلافت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ مگر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ عمر خالد کی بے اعتدالیوں کی وجہ سے مدت سے ناراض تھے۔ بے شک حضرت عمر نے خالد کی

---

[1] شرح نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد ۱ صـ۱۲۷

[2] تاریخ ابن الوردی و تاریخ احمدی صـ۱۲۷

بے اعتدالیوں کی وجہ سے انہیں معزول کیا۔ اس میں وہ حق بجانب تھے
مگر مادی سیاست کے لحاظ سے جس کے وہ علمبردار تھے اس کا ایک
اور اثر پڑا۔ سیاست ربانی کا ذکر نہیں۔ سیاستِ مادیہ میں ممالک کے
فاتح جرنیلوں اور سلطنت کے معماروں کی بے اعتدالیوں کو ان کے
عسکری اور سیاسی کارناموں کی وجہ سے نظرانداز کر دیا جاتا ہے
مگر حضرت عمر نے حضرت خالد کی معزولی میں اس سیاسی اصول کو
اس طرح نظرانداز نہیں فرمایا جس طرح حضرت ابوبکر فرما چکے تھے
اور اس کا اثر مسلمانوں کی سیاسی تاریخ پر پڑا۔ مسلمانوں کی تاریخ میں
کوئی فاتح جرنیل یا معمار سلطنت خواہ وہ محمد بن قاسم ہو یا موسیٰ بن
نصیر یا ابومسلم خراسانی ایسا نہیں گزرا جو موت کے گھاٹ نہ اتارا
گیا ہو یا قید و بند کے مصائب میں مبتلا نہ رہا ہو۔ یا حکومت کا
معتوب نہ ہوا ہو۔

ہم حضرت خالد بن ولید کی معزولی کو سیاستِ ربانیہ کے لحاظ
سے بنظرِ تحسین دیکھتے اور حضرت عمر کی بارگاہ میں تحسین کا خراج پیش
کرتے۔ اگر وہ حضرت خالد پر ان کی معزولی کے بعد باقاعدہ مقدمہ
چلاتے اور ان کی مختلف بے اعتدالیوں کی بالخصوص مالک بن نویرہ
کے قتل اور انکی زوجہ پر تسلّط کی باقاعدہ انکوائری فرماتے اور ان
کے مجرم ثابت ہونے پر ان پر شرعی قانون کے احکام جاری
کیے جاتے۔

حضرت عمر کا خطبہ اور حضرت امام حسینؑ کا ارشاد

حضرت عمر منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، ناگہاں حضرت حسینؑ بن علی علیہم السلام نے کھڑے ہو کر کہا کہ میرے باپ کے منبر سے نیچے اترو۔ حضرت عمر نے فرمایا، بے شک یہ تمہارے باپ ہی کا منبر ہے میرے باپ کا نہیں ہے، بھلا صاحبزادے یہ تو بتلاؤ تم نے کس کے حکم سے ایسا کہا۔ یہ سن کر حضرت علی بولے، واللہ کسی نے حسینؑ کو اس بات کے کہنے کا حکم نہیں دیا۔[۱]

بعض علمائے علم رجال نے اسی روایت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے :-

حضرت امام حسینؑ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت عمر کے ہاں گیا۔ دیکھا کہ وہ منبر پر خطبہ دے رہے ہیں، تو میں بھی منبر پر چڑھ گیا، اور ان سے کہا کہ میرے باپ کے منبر سے اتر آیئے اور اس منبر پر جا کر بیٹھیے کہ جو آپ کے باپ کا ہو حضرت عمر نے کہا کہ میرے باپ کا تو کوئی بھی منبر نہیں ہے یہ کہہ کر وہیں مجھے بھی بٹھلا لیا۔ اور جب اس سے اترے تو مجھے بھی اپنے ساتھ گھر لیتے گئے۔ وہاں پہنچ کر مجھ سے پوچھنے لگے کیوں بھائی یہ بات آپ کو کس نے سکھلائی تھی۔ میں نے

---

[۱] تاریخ الخلفا سیوطی بروایت ابن عساکر بسند صحیح و تاریخ احمدی صفحہ ۱۲۷ صواعق محرقہ صفحہ ۱۰۵

کہا خدا کی قسم کسی نے بھی نہیں، تب حضرت عمر بولے میرا باپ آپ پر فدا ہو جائے آپ کبھی کبھی میرے ہاں آیا کریں۔ اس پر میں ایک دن ان کے ہاں گیا۔ مگر معلوم ہوا کہ معاویہ ان کے پاس ہیں اور وہ دونوں تخلیہ میں کچھ کر رہے ہیں حضرت عمر کے بیٹے دروازہ پر ہیں۔ وہ بھی اندر نہیں جا سکے بلکہ پلٹ آئے تو میں بھی پلٹ آیا۔ اس کے کچھ دنوں بعد حضرت عمر مجھ سے ملے تو کہا آپ میرے ہاں آئے نہیں؟ میں نے کہا میں آیا تو تھا مگر آپ اور معاویہ تنہائی میں کچھ کر رہے تھے۔ تو میں بھی عبداللہ ابن عمر کے ساتھ واپس آ گیا۔ حضرت عمر نے کہا کہ میرے لڑکے سے زیادہ آپ کا حق مجھ پر ہے۔ کیونکہ ہم لوگوں کے سروں کا ایک ایک بال تک صرف خدا کے فضل اور آپ کے طفیل میں ہی پیدا ہوا ہے[1]

حضرت عمر نے اس قول میں اعتراف فرمایا ہے کہ ان کی خلقت ان کا گوشت پوست اور ہر نعمت ان ہی حضرات سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے طفیل ملی ہے۔

خلافت کے متعلق حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت عمر کا مکالمہ

حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر ابن الخطاب

---

[1] اصابہ جلد ۲ صفحہ ۱۵، ازالۃ الخفا جلد ۲ صفحہ ، تہذیب الکمال و کنز العمال جلد صفحہ ۱۰۵

اوران کے لعبض اصحاب شعروسخن کا ذکر کر رہے تھے۔ کوئی کسی کا مداح تھا کوئی کسی کو ترجیح دیتا تھا۔ اور کوئی کسی کو۔ اسی اثنا میں مَیں بھی وہیں پہنچا حضرت عمر نے مجھے دیکھ کر فرمایا۔ لو اس فن کے سب سے بڑے ماہر آگئے۔ پھر مجھ سے ارشاد کیا۔

حضرت عمر۔ اے ابن عباس! تم کس کو ملک الشعرا سمجھتے ہو؟

حضرت عبداللہ ابن عباس۔ زہیر بن ابی سلمیٰ کو۔

حضرت عمر۔ ان کا کوئی شعر استدلال کے طور پر پڑھو۔

عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے چند اشعار پڑھے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ بہت خوب کہا ہے۔ میرے علم میں ان سے اچھے اشعار کسی کے نہیں ہیں۔ اس کے بعد آپ نے یوں گفتگو شروع کی۔

حضرت عمر۔ ابن عباس تم جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کس بات نے تم کو امر خلافت سے محروم رکھا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے اس کا جواب دینا خلاف مصلحت سمجھا اور کہا۔

حضرت عبداللہ بن عباس۔ "اگر میں نہیں جانتا تو آپ مجھے آگاہ کریں۔"

حضرت عمر۔ قوم نے اس بات سے کراہت کی کہ نبوت اور خلافت دونوں تم میں جمع ہوں اور تم اس پر خوش ہو کر اتراتے پھرو۔ چنانچہ قوم نے حق بجانب کیا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس۔ اگر آپ اجازت دیں اور خفا نہ ہوں تو میں بھی

کچھ عرض کردں۔"

حضرت عمر۔ "ہاں کہو"

حضرت عبداللہ بن عباس۔ آپ کا یہ فرمانا قابل نظر ہے۔ کہ قوم خلافت کے اختیار کرنے میں حق بجانب تھی۔ اس لیے کہ اگر قوم خلافت کو خدا کی مرضی کے موافق اختیار کرتی تو بلاشبہ حق بجانب ہوتی۔ نیز آپ کا یہ فرمانا بھی قابلِ نظر ہے کہ قوم نے ہم میں نبوت اور خلافت کے جمع ہونے سے کراہت کی۔ دیکھیے اللہ تعالیٰ قوم کی کراہت کا وصف اپنے کلام میں ان الفاظ سے فرماتا ہے۔

ذَالِکَ بِاَنَّھُمْ کَرِھُوا مَا اَنْزَلَ اللہُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَھُم (چونکہ انھوں نے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا تھا اس سے کراہت کی لہٰذا ان کے اعمال اکارت گئے)

حضرت عمر۔ افسوس! اے ابنِ عباس خدا کی قسم تمہاری نسبت مجھے ایسی باتوں کی خبریں پہنچائی گئی ہیں جن کو کریدکر تمہاری منزلت اپنے دل سے زائل کرنا پسند نہیں کرتا۔

حضرت عبداللہ بن عباس۔ آپ فرمائیں تو سہی۔ اگر درحقیقت وہ باتیں حق پر مبنی ہیں تو میری منزلت ضائع ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

حضرت عمر۔ میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ خلافت ہم سے بہ ظلم و حسد لی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس۔ اے مسلمانوں کے امیر ظلم کا مفہوم تو ہر واقف

و ناواقف پرروشن ہے۔ رہا حسد۔ پس ابلیس نے حضرت آدم پر کیا اور ہم آدم ہی کی اولاد ہیں ہمیں محسود ہونا چاہیئے۔

حضرت عمر۔ افسوس اے بنی ہاشم! تمہارے دل میں حسد اور کینے کے سوا کچھ نہیں ہے اور حسد اور کینہ بھی ایسا کہ جو مٹ نہیں سکتا۔

حضرت عبداللہ بن عباس۔ اے مسلمانوں کے امیر۔ بس! ان لوگوں کے دلوں کو کینے اور حسد سے منسوب نہ کیجئے جن کو آیۂ تطہیر کی رو سے خدا نے ہر برائی اور خباثت سے پاک وصاف فرمایا ہے اور غور کیجئے کہ خود رسول اللہؐ کا قلب بھی قلوب بنی ہاشم میں سے ہے

حضرت عمر۔ (بگڑ کر) اے ابن عباس میرے پاس سے ہٹ جاؤ۔

جب میں نے اٹھنے کا قصد کیا تو انہوں نے بمقتضائے شرم پھر مجھے بٹھایا اور فرمایا۔

حضرت عمر۔ اے ابن عباس، واللہ میں تمہارے حقوق کی رعایت ملحوظ رکھوں گا۔ اور تمہاری خوشی کا خواہاں رہوں گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس۔ اے مسلمانوں کے امیر! تم پر اور کل مسلمانوں پر میرا حق ہے۔ جس نے اس کو ملحوظ رکھا مصیب ہوا اور جس نے اس کو ضائع کیا۔ خطا کی[1]

حضرت عمر کے دورِ حکومت میں طبعی واقعات

طاعون اسلام میں پہلا طاعون حضرت عمر کے زمانۂ خلافت

[1] تاریخ ابن جریر طبری، تاریخ کامل ابن اثیر جزری، تاریخ احمدی ص۱۳۰ تا ص۱۳۲

میں طاعون عمواس تھا[۱]

طاعون و قحط ۱۸ھ میں مدینہ منورہ اور حجاز میں قحطِ عظیم کی شکایت پیدا ہوئی۔ اور شام میں طاعون نمودار ہوا۔ جس سے پچیس ہزار آدمی مر گئے[۲]

زلزلہ اسلام میں پہلا زلزلہ وہ تھا جو بزمانہ حضرت عمرؓ ۲۰ھ میں محسوس ہوا[۳]

حضرت خالد بن ولید کا انتقال ۲۱ھ میں مسلمانوں کے جرنیل حضرت خالد بن ولید کا انتقال ہوا[۴]

ترویج تراویح و حرمت متعہ حضرت عمر اول وہ شخص ہیں جنہوں نے نماز تراویح کا حکم دیا اور متعہ کو حرام کر دیا[۵]

اولیات حضرت عمر حضرت عمر اول وہ شخص ہیں جنہوں نے گھوڑوں کی زکوٰۃ وصول کی اور شراب نوشی کی حد اسّی کوڑے مقرر فرمائی۔ اور متعہ کو حرام کر دیا[۶] حضرت عمر پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے تراویح کو رائج کیا۔ حضرت عمر پہلے وہ شخص ہیں جنہوں

---

[۱] اوائل سیوطی، تاریخ احمدی ص۱۲۸ [۲] تاریخ ابو الفدا، تاریخ احمدی ص۱۲۸ [۳] محاضرۃ الاوائل، تاریخ احمدی ص۱۲۸ [۴] تاریخ ابو الفدا و تاریخ احمدی ص۱۲۸ [۵] حج الکرامہ نواب صدیق حسن خاں و تاریخ احمدی ص۱۲۹ [۶] تاریخ الخلفا سیوطی، تاریخ احمدی ص۱۲۹ و ص۱۳۰

نے متعہ حرام کیا۔ حضرت عمر پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے نماز جنازہ کے لیے لوگوں کو چار تکبیرات پر جمع کیا۔ حضرت عمر پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے دُرّہ ایجاد کیا۔ یہاں تک کہ یہ مثل مشہور ہو گئی کہ عمر کا دُرّہ تم لوگوں کی تلواروں سے بھی زیادہ مہیب ہے۔ آپ نے مسجد نبوی کو گرا کر اسے وسیع کیا اور فرش پختہ سنگریزوں کا لگوایا۔ آپ نے یہودیوں کو حجاز سے نکال کر شام کے ملک میں بھیجا اور یہود نجران کو کوفہ میں بھیجا۔ آپ ہی نے مقام ابراہیم اس جگہ قائم کیا جہاں آج کل ہے[1]

سوالات

۱۔ حضرت عمر نے اپنی سلطنت کی ابتدا جس دعا سے کی تھی اسے واضح طور پر بیان کیجیے۔

۲۔ حضرت عمر نے اپنے زمانۂ حکومت میں حضرت ابوبکر کی بیعت و خلافت کے متعلق کیا اظہارِ خیال فرمایا ہے۔ اس سے آپ کیا نتیجہ نکالتے ہیں؟

۳۔ حضرت عمر کی اس رائے کی شرح علامہ ابن حجر مکی نے کس طرح کی ہے اور شارح نہج البلاغہ علامہ ابن ابی الحدید نے اس پر کس طرح روشنی ڈالی ہے؟

---

[1] تاریخ الخلفا اردو ترجمہ ص ۹۵

۴۔ حضرت عمر کے خالد بن ولید کو معزول کرنے کے متعلق وضاحت کیجئے۔

۵۔ حضرت عمر کے منبر پہ خطبہ فرمانے پر حضرت امام حسین علیہ السلام نے کیا فرمایا۔ اس سلسلہ میں حضرت عمر اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی جس جس طرح گفتگوئیں ہوئی ہیں انہیں بیان کر کے حضرت عمر نے جس طرح فضیلت سرکار محمدؐ و آلِ محمدؐ کا اعتراف فرمایا ہے اسے بیان کیجئے۔

۶۔ حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت عمر کی خلافت کے متعلق گفتگو لکھیے۔ اس کی ابتدا کس طرح ہوئی اور پھر کس نے کس انداز سے خلافت کا ذکر چھیڑا اور پھر اس مضمون پر کس طرح بحث ہوئی اور اس کا نتیجہ کیا ہوا؟

۷۔ حضرت عمر کے عہدِ حکومت میں کیا کیا طبعی واقعات پیش آئے؟

۸۔ حضرت عمر نے کس امر کو رائج کیا جو رسول اللہ کے زمانہ میں رائج نہیں تھا اور کس چیز کو حرام کیا جو دورِ رسالت میں حلال تھی؟

۹۔ حضرت عمر کے اولیات کو بیان کیجئے۔ یعنی ان امور کو بیان کیجئے جو پہلے نہیں تھے۔ اور حضرت عمر نے انہیں رواج دیا۔

انیسواں باب

حضرت عمر کے زمانے کے ملکی فتوحات

حضرت عمر کے دورِ سلطنت میں ملکی فتوحات بہت ہوئی ہیں۔ اس زمانہ میں مسلمانوں نے عراق، ایران، شام، فلسطین اور مصر جیسے ممالک فتح کیے۔

فتح عراق

عرب ایک بنجر ملک تھا، اس لیے وہاں کی معاشی حالت عراق اور ایران سے بہت پست تھی۔ عربوں کی نگاہیں جب عراق اور ایران کے لہلہاتے ہوئے کھیتوں پر پڑتی تھیں اور عراق و ایران کے باشندوں کو ان سرزمینوں کی زرخیزی سے مالا مال دیکھتے تھے، تو وہ چاہتے تھے کہ ان سرسبز علاقوں پر تسلط جما کر اقتصادی برتری حاصل کریں برسرِ اقتدار حکومت یہ چاہتی تھی کہ مسلمانوں کی توجہ اندرونی معاملات سے ہٹا کر بیرونی ممالک کی طرف منتقل کر دے۔ اس لیے عربوں کی اقتصادی برتری کی خواہش سے فائدہ اٹھا کر حضرت ابوبکر نے عراق کی مہم شروع کی تھی۔ چنانچہ عراق میں فتوحات کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ جب حضرت ابوبکر نے خالد بن ولید کو عراق سے ہٹا کر شام کی مہم پر بھیج دیا تو

وہ نصف فوج اپنے ہمراہ لے گئے تھے اور نصف فوج پر مثنیٰ بن حارثہ کو اپنا قائمقام مقرر کر گئے تھے۔

بابل کی جنگ

خالد کی روانگی پر ایرانیوں نے ایک زبردست فوج ہرمز کی کمانڈ میں مسلمانوں کے مقابلے کے لیے روانہ کی۔ بابل کے مقام پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ زبردست لڑائی کے بعد مسلمانوں نے ایرانیوں کو پسپا کر دیا۔ مگر مثنیٰ نے یہ محسوس کیا کہ عراق پر پورے طور پر تسلط کے لیے یہ فوج کافی نہیں ہے۔ اس لیے وہ بشیر بن خصاصیہ کو اپنی جگہ مقرر کر کے مزید کمک حاصل کرنے کے لیے مدینہ پہنچے۔ ان دنوں حضرت ابوبکر بیمار تھے۔ مثنیٰ نے انہیں مہم عراق کے حالات سے آگاہ کیا۔ انہوں نے حضرت عمر کو بلا کر اس سلسلہ میں گفتگو کی اور انہیں صورت حالات کی اہمیت کو ذہن نشین کر کے فہمائش کی کہ مثنیٰ کی پورے طور پر امداد کی جائے۔ چنانچہ ان کی وفات کے بعد جب حضرت عمر نے سلطنت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی تو ابو عبید ثقفی کی قیادت میں عراق کی مہم کے لیے مزید لشکر روانہ کیے۔

نمارق و کسکر کی لڑائیاں

جس زمانہ میں مثنیٰ بن حارثہ شیبانی مدینہ میں تھے ایرانی اپنے باہمی جھگڑے ختم کر کے مجتمع ہو گئے اور انہوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس سلسلے میں پوران دخت تخت سلطنت پر بیٹھی

اور رستم ایرانی سلطنت کا نائب السلطنت اور ایران کے لشکروں کا کمانڈر ان چیف مقرر ہوا اور اس نے تمام ایران سے لشکر اکٹھے کر کے دو فوجیں مسلمانوں کے خلاف روانہ کیں۔ ایک فوج کا سپہ سالار نرسی تھا، اور دوسری کا جابان، جابان کے ماتحت فوج نے نمارق کے مقام پر ڈیرے ڈال دیے اور نرسی کی فوج کسکر میں خیمہ زن ہوئی۔ مثنیٰ حیرہ پہنچ کر جنگی تیاریوں میں مصروف تھے کہ ایک ماہ بعد ابو عبیدہ بھی کمک لیے ہوئے حیرہ آ پہنچے۔ پہلی جنگ نمارق پر ہوئی جس میں ایرانی سردار جابان گرفتار کر لیا گیا۔ یہ ایرانی فوج شکست کھا کر نرسی کی فوج سے جا ملی جو کسکر میں مقیم تھی۔ پھر دوسری لڑائی سقاطیہ کے مقام پر ہوئی جس میں ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی۔

مروحہ کی لڑائی اور مسلمانوں کا شدید جانی نقصان

ایرانیوں کی اس شکست کی خبر جب کمانڈر ان چیف رستم کو پہنچی تو اس نے ایک تازہ دم فوج بہمن بن جادویہ کی کمانڈ میں روانہ کی۔ یہ فوج کوفہ کے قریب مروحہ کے مقام پہ مسلمانوں سے نبرد آزما ہوئی۔ مسلمانوں نے فرات کو عبور کر کے ایرانی فوجوں پہ دھاوا بول دیا۔ مگر جہاں مسلمان دریا کو عبور کر کے پہنچے وہ جگہ ناہموار تھی اس لیے اچھی طرح لڑ نہ سکے۔ ایرانی فوج کے آگے ہاتھیوں کی قطار تھی، عربی گھوڑے جنہوں نے کبھی ہاتھی نہیں دیکھے تھے خوفزدہ ہو گئے۔ ابو عبیدہ نے گھوڑے سے اتر کر اپنی فوج کو پیدل ہو کر ہاتھیوں پر حملہ کرنے کا حکم

دیا۔ اس حملہ میں ابو عبیدہ مارے گئے۔ سردار کی موت سے مسلمانوں میں بددلی پھیل گئی۔ اس اضطراب کو دیکھ کر بنی ثقیف کے ایک فوجی عبداللہ نے فرات کا پُل توڑ دیا۔ اب مسلمانوں کے لیے لڑائی کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی مگر دشمن پر مسلمان فوجیں غلبہ نہ پاسکیں۔ مثنیٰ نے فوراً پُل تعمیر کرایا اور اپنی فوجوں کو لوٹ آنے کا حکم دیا۔ اس جنگ میں چار ہزار مسلمان مارے گئے۔ صرف تین ہزار مسلمان زندہ بچے[1] اس جنگ کو جسر (پل) کی لڑائی بھی کہتے ہیں اس جنگ میں مثنیٰ خود بھی بُری طرح زخمی ہوئے۔ مسلمانوں کی خوش قسمتی سمجھئے کہ ایران کے پایۂ تخت مدائن میں بغاوت ہوگئی اور بہمن بن جادویہ کو مدائن واپس جانا پڑا۔

جنگِ بویب
رمضان ۱۳ھ نومبر ۶۳۴ء

جب جنگِ جسر کی شکست اور مسلمانوں کے کثیر تعداد میں مارے جانے کی خبر مدینہ پہنچی تو حضرت عمر کو بہت صدمہ ہوا۔ انہوں نے فوج کے مزید دستے مختلف سرداروں کی قیادت میں روانہ کیے۔ اس فوج میں جریر بن عبداللہ بھی شامل تھے مسلمانوں کی فوجیں خفان کے مقام پر خیمہ زن ہوئیں۔ ادھر بہمن مدائن میں امن قائم کرکے پھر مسلمانوں کے مقابلے میں آ ڈٹا۔ مثنیٰ خفان سے روانہ ہوکر فرات کے غربی کنارے بویب کے مقام پر آ پہنچے۔ ایرانیوں نے

---

[1] تاریخ خلافت اسلامیہ ص ۱۰۲

دریا عبور کر کے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ سخت جنگ ہوئی۔ طرفین کے کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ ایرانی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ان کا سردار مہران مارا گیا۔ ایرانی فوج بھاگ نکلی اور اس بھاگ دوڑ میں انہوں نے پل کا رخ کیا جسے مسلمان پہلے ہی بند کر چکے تھے۔ جب ایرانیوں کے لیے فرار کا کوئی راستہ نہ رہا تو وہ مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ وہ سینکڑوں کو مارتے اور خود مرجاتے تے۔ مسلمانوں کا بے حد جانی نقصان ہوا جس کا مثنیٰ کو بہت افسوس تھا اور وہ دشمن پر راہِ فرار بند کر دینے پر مدتوں متاسف رہے[1] آخر مسلمانوں کو فتح ہوئی اور ایک لاکھ ایرانی مارے گئے[2]۔ مفتوحہ علاقوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ بہت سا مالِ غنیمت اور اناج کے ذخائر مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ اس جنگ کے بعد مثنیٰ بخار میں مبتلا ہوئے اور ان کا انتقال ہو گیا۔

جنگِ قادسیہ
محرم ۱۴ھ مطابق ۶۳۵ء

ساسانی دربار پوران دخت کی سلطنت اور رستم کی قیادت سے تنگ آ چکا تھا۔ کیونکہ اس عہد میں ایرانی مملکت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ اس لیے ایرانی درباریوں نے یزدجرد کو سلطنت کے لیے پسند کیا۔ یہ ایرانی شاہزادہ شیرویہ کے قتلِ عام میں بمشکل اپنی جان بچا سکا تھا۔ اس وقت یہ اکیس سالہ ہونہار نوجوان تھا نہایت دانا و زیرک تھا۔ اسے بادشاہ بنا کر ایران کے اعیانِ سلطنت ایران کے

---

[1] تاریخ اسلام سید عبدالقادر مرحوم ص ۲۲۵ [2] تاریخ خلافت اسلامیہ ص ۱۰۳

ان علاقوں کو پھر سلطنت ایران میں شامل کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہو
گئے۔ جو صحرائی عربوں کے قبضہ میں جا چکے تھے۔ یزدجرد نے ایرانی سرحدوں
کو مضبوط کر کے عربوں کے خلاف جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ حضرت عمرؓ
کو زبیر کو قبضہ میں لانے کا موقعہ مل گیا۔ وہی زبیر جو حضرت ابوبکرؓ کے
قیام خلافت کے وقت علیؓ کے ساتھ حزب اختلاف میں تھے
چنانچہ جو مزید فوجیں اس وقت ایرانیوں کے مقابلہ میں روانہ کی گئیں۔ وہ
حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کی کمانڈ میں
تھیں اور سعد بن ابی وقاص ان افواج کے سپہ سالار تھے۔ سعد کی
فوج نے پہلے زرود میں مقام کیا۔ پھر شراف پہنچے۔ یہاں مثنیٰ کے بھائی
معنیٰ بن حارثہ ان سے آملے۔ اس وقت اسلامی لشکر کی کل تعداد تیس
ہزار تھی۔ سعد نے نہایت موزوں فوجی پوزیشن اختیار کی۔ قادسیہ کے
مقام پر ڈیرے ڈال دیئے جو موجودہ کوفہ سے ۳۵ میل پر اور حیرہ سے
تین میل پر ایسی جگہ واقعہ تھا جہاں مدائن اور حیرہ کی سڑکیں گزرتی تھیں اس
کے مشرقی سرے پر دریائے فرات کی ایک نہر تھی اور مغرب کی
طرف خندق شاپور جسے شاپور نے دفاع ملکی کے لیے بنوایا تھا
فوج کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے اس طرح لشکروں کو مرتب کیا کہ
سرزمین ایران ان کے سامنے تھی۔ اور عرب کے بیابان ان کی پشت
پر تھے۔ اس میں فوجی مصلحت تھی کہ اگر مسلمانوں کو فتح ہو تو وہ وسیع
پیمانہ پر ایران میں آگے بڑھ سکیں اور اگر خدانخواستہ شکست ہو جائے

وہ پہاڑوں میں پناہ گزین ہو سکیں۔ اس فوج میں چودہ سو صحابی تھے۔

عرب وفد دربارِ ایران میں

سب سے پہلے سعد بن ابی وقاص نے چودہ آدمیوں کا ایک وفد جن میں مغیرہ بن شعبہ، معنی بن حارثہ، نعمان بن مقرن، عاصم بن عمر تمیمی اور عدی بن سہیل بھی تھے کسریٰ یزدجرد کے دربار میں روانہ کیا۔ وفد جب شاہی دربار میں پہنچا، ترجمان کے ذریعہ گفتگو ہوئی۔ یزدجرد نے کہا

یزدجرد کی تقریر

"تم لوگوں نے ہمارے علاقے میں شورش پیدا کر دی ہے۔ ہم ہمیشہ تمہیں حقیر سمجھتے تھے تمہارے لوگ ہمارے ملک میں تجارت یا گداگری کے لیے آیا کرتے تھے۔ یا بھوک کے مارے ہمارے ہاں آباد ہو جاتے تھے۔ تم سوسمار کا گوشت کھاتے اور اونٹ کا دودھ پیتے تھے۔ تمہارا کام آپس میں لڑائی جھگڑا تھا۔ اب تم ہمارے علاقہ پر قبضہ کر بیٹھے ہو۔ یہاں کے میوے اور کھانے کھا کر موٹے ہو گئے ہو۔ یاد رکھو اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔"

مغیرہ بن شعبہ کا جواب

جو تم کہتے ہو سب سچ ہے۔ اللہ نے ہمارے حال پر رحم فرمایا۔ اور ہم پر ایک نبی مبعوث فرمایا۔ اس نے ہمیں ہدایت فرمائی اور اللہ کی برکتیں ہمارے شاملِ حال ہوئیں۔ اب دنیا کو ہدایت کرنا ہمارا فرض ہے۔ پس اب یا تو تم سب مسلمان ہو جاؤ یا ٹیکس دینا قبول کرو۔ یا پھر تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔

یہ سن کر یزدجرد طیش میں آیا اور اس نے کہا اگر بین الاقوامی قانون اجازت دیتا تو میں تم سب کو قتل کر دیتا۔ اب جاؤ اور میدانِ جنگ میں مقابلہ کے لیے آؤ۔

شدید جنگ رستم ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ساتھ قادسیہ پہنچا۔ ابتدا میں رستم جو مسلمانوں کی فوج سے خائف تھا ٹالم ٹول کرتا رہا اور سفیروں کے ذریعہ صلح کی گفتگو جاری رہی۔ آخر محرم ۱۴ھ کو لڑائی شروع ہوئی۔ پہلے دن ایرانی کامیاب رہے، دوسرے دن مسلمان ڈٹ کر لڑے اور اس دن ایرانی سردار بہمن اور ایرانی شاہزادہ براز مارے گئے تیسرے دن مسلمانوں نے ہاتھیوں کو نیزوں سے اندھا کر دیا اور ان کی سونڈیں تلواروں سے کاٹ دیں۔ ہاتھی خوفزدہ ہو کر دوڑ پڑے ایرانی صفیں درہم برہم ہو گئیں۔ دن رات گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ چوتھے روز مسلمانوں نے شدید حملہ کیا۔ ان کا سپہ سالار رستم مارا گیا۔ ایرانی فوج بھاگ کھڑی ہوئی مسلمانوں کو فتح ہوئی۔

طرفین کا نقصان اس جنگ میں تیرہ ہزار مسلمان کام آئے اور ایک لاکھ ایرانی قتل ہوئے۔[۱]

مالِ غنیمت اس جنگ میں بیشمار مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ سپہ سالار رستم کی نعش سے جو جواہرات اتارے گئے ان کی مالیت ستر ہزار اشرفی تھی۔ جواہرات، اسلحہ، زیورات، گھوڑے بہ تعداد کثیر مسلمانوں

[۱] تاریخ اسلام سید عبدالقادر مرحوم صفحہ ۲۱۱

کے ہاتھ لگے۔

جنگِ قادسیہ کے نتائج

۱۔ قادسیہ کی جنگ سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے اور ایرانیوں کی کمر ہمت ٹوٹ گئی۔

۲۔ عربوں کی فوجی طاقت کی دھاک بیٹھ گئی۔

۳۔ قادسیہ کی فتح سے مسلمانوں کے تمول میں بہت اضافہ ہو گیا۔

۴۔ اس تمول سے مسلمانوں میں بہت سی اخلاقی برائیاں آگئیں۔ مال دنیا کی محبت بڑھ گئی اور باہمی رقابت پیدا ہو گئی۔ جب فتح قادسیہ کے بعد حضرت عمر کی نظر زر و جواہر کے ڈھیروں پر پڑی تو آپ نے فرمایا "جہاں دولت آتی ہے وہاں حسد و رقابت بھی آجاتے ہیں۔" مسلمانوں میں ایسا انقلاب آیا اور یہ انقلاب ان فتنوں کا باعث ہوا جنہوں نے حضرت علیؓ کو چین سے حکومت کرنے کا موقعہ نہ دیا۔

۵۔ عرب اور ایرانی تمدن کا تصادم ہوا جس سے اسلامی سادگی رخصت ہو گئی اور ایرانی تجمل نے مسلمانوں کی تہذیب کو تباہ کر دیا۔

۶۔ حضرت عمر نے بصرہ اور کوفے کے شہر بسائے اور عرب عراق میں آکر آباد ہو گئے۔

فتح بابل

جنگِ قادسیہ میں بہمن اور رستم مارے گئے۔ دو ایرانی سردار ہرمزان اور فیروزان باقی ایرانی سپاہ کو لے کر بابل پہنچے عرب لشکروں نے قعقاع بن عمرو تمیمی کی قیادت میں ان کا تعاقب کیا۔

ایرانی مقابلہ کی تاب نہ لائے۔ ہرمزان اپنی ریاست اہواز کی طرف بھاگ گیا اور فیروزان نے نہاوند کی راہ لی۔ سعد بن ابی وقاص مفتوحہ علاقے کے انتظام میں مصروف ہو گئے۔ بہرہ کے شہر پر تیسری بار مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا بابل سے ایرانی صدر مقام مدائن صرف تیس میل تھا۔

مدائن مدائن اس زمانہ میں ایرانی حکومت کا صدر مقام تھا۔ یہ شہر دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر آباد تھا۔ مشرقی آبادی طیسیفون کہلاتی تھی۔ اس میں شاہی محلات تھے۔ شہنشاہِ ایران کا سفید محل کاخِ کسریٰ تھا جس کی خوش منظر اور بلند محراب طاق کسریٰ کہلاتی تھی۔ اور بہت دور دراز فاصلہ سے دکھائی دیتی تھی۔ اسی حصۂ شہر میں ایرانی مقتدر امرا آباد تھے۔ مغربی آبادی سلوسیہ تھی۔ اس میں بہت عالیشان عمارتیں تھیں۔ اس حصہ کو یونانیوں نے آباد کیا تھا۔ اس حصہ کے استحکام کے لیے جانب شرق جھیل بنا کر خندق کھود دی گئی تھی جس سے یہ شہر مضبوط و مستحکم ہو گیا تھا۔ عرب ان دو شہروں کو مدائن یعنی دو شہر کہتے تھے۔ ان کے استحکام کا یہ عالم تھا کہ ۷ھ ۶۲۸ء میں رومی فوجوں نے اس پر حملہ کیا تھا اور اسے فتح نہیں کر سکے۔

فتح مدائن سعد بن ابی وقاص نے قادسیہ میں دو ماہ قیام کر کے بہرۂ شیر کی طرف پیش قدمی کی۔ راستے میں بہت سی بستیوں کو تاخت کر کے بہرۂ شیر پہنچے۔ سعد بن ابی وقاص کا خیال تھا کہ جب تک مدائن فتح نہیں ہوتا۔ عراق کی مہم سر نہیں ہوتی۔ یزدجرد نے مدائن کی حفاظت کے انتظامات شروع کر دیے تھے۔ سعد نے مدائن پر حملہ کر دیا پہلی معرکہ آرائی

سلوسیہ میں ہوئی۔ اس مقام پر شہنشاہ ایران کی ماں خود فوجوں کو کمان کر رہی تھی مسلمانوں کی بہادری سے مرعوب ہو کر یزدجرد نے پیغام بھیجا کہ عرب دریائے دجلہ کے مغربی کنارے پہ قبضہ رکھیں اور یہ علاقہ ہمارے پاس رہنے دیں۔ اس سے دریائے دجلہ دونوں حکومتوں کے درمیان حد فاصل رہیگا مگر اس شرط کو عرب سپہ سالار سعد نے منظور نہ کیا۔ ایرانیوں نے مقابلہ کی تاب نہ لاکر سلوسیہ کو خالی کر دیا۔ اور طیسیفون میں قلعہ نشین ہو گئے۔ اور انہوں نے دجلہ کے تمام پلوں کو توڑ دیا یزدجرد نے عربوں کے بڑھتے ہوئے حوصلے دیکھ کر اپنے خاندان کو حلوان بھیج دیا۔ یہ مقام مدائن سے سو میل کے فاصلہ پر پہاڑوں میں واقع ہے۔ شاہ ایران اپنے خزائن اور نقد و جنس کو بھی دور دراز مقامات میں منتقل کرنا چاہتا تھا۔ کہ سعد نے حملہ کر دیا۔ عربوں نے نہایت دلیری سے دجلہ کو عبور کیا۔ صفر ۱۶ھ مارچ ۶۳۷ء کو طیسیفون پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

مدائن کے غنائم | مدائن سے بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ جواہرات، سونا، چاندی، سونے چاندی کے جانوروں کے بت مثلاً سونے کا ایک گھوڑا تھا جس میں یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ چاندی کی ایک اونٹنی جو موتی اور ہیروں سے مرصع تھی گذشتہ بادشاہوں کی تلواریں، نادر روزگار قالین، المختصر کونسی چیز تھی جو مسلمانوں کے ہاتھ نہ آئی۔

نادر روزگار قالین نوبہار یا فرش بہار | مال غنیمت میں ایک

نادرِ روزگار قالین "نو بہار" یا "فرشِ بہار" تھا۔ اس پر موسمِ بہار کے پھولوں اور طیور کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ اس کی زمین سونے کی تھی، سبزہ زمرد کا جدولیں تکھراج کی تھیں۔ یہ قالین بھی مالِ غنیمت میں مدینہ پہنچا۔ بعض کرام چاہتے تھے کہ اس زمانہ کی صنعت کے شاہکار قالین کو نادرِ روزگار یادگار کے طور پر محفوظ رکھا جائے مگر حضرت عمر نے اسے ٹکڑے ٹکڑے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ بعض یورپین مورخوں نے حضرت عمر کے اس اقدام کی کی ہے اور کہا ہے کہ حضرت عمر میں صنعت و حرفت کی اقدار کا احساس تھا ورنہ وہ ایسی نادرِ روزگار چیز کو اس طرح معدوم نہ فرماتے۔ انہیں ایسا کرنا چاہیئے تھا۔ ان کے جواب میں بعض خوش عقیدہ مسلمانوں نے جنہیں حضرت عمر سے بہت مذہبی عقیدت ہے اس اعتراض کا جواب عجیب و غریب سے دیا ہے۔ لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ خسرو پرویز نے چونکہ سرکارِ رسالت کے خط کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے یہ اس گستاخی کا جواب تھا، سلطنت ایران کے ٹکڑے کیے جانے کی دلیل تھی۔ جس سے عربوں قومی وقار میں اضافہ ہوگیا۔ اعتراض کا یہ جواب ایک خطابی نکتہ ہے۔ اس کے نکات حضرات علمائے کرام اپنے خطبات میں بیان کر کے سامعین محو کر لیا کرتے ہیں۔ مگر ایک مورخ کا ایسی باتیں لکھنا مورخانہ شان طرح شایان نہیں۔ درحقیقت یہ اقدام حضرت عمر کے تدبر اور رفعت سیاست کی دلیل ہے۔ جواب دینے والوں نے خطابی نکتہ بیان کر دیا حضرت عمر کی فیاضی اور نفسیاتی مہارت پر نظر نہیں کی۔ حضرت عمر عرب

ِت کے نباض تھے اور اہلِ عرب کو مالِ غنیمت سے جو شغف تھا اس
ے خوب واقف تھے ان کو صنعت کی قدر دانی سے بڑھ کر ان جانباز
تالیفِ قلب کا زیادہ احساس تھا جو اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر
لکِ خارجہ میں لڑ رہے تھے، ان کی حوصلہ افزائی نہایت ضروری تھی
ں وہ باتیں ہیں جن سے حضرت عمرؓ نے ایک دبدبہ اور ہر دلعزیزی حاصل کی
اور وہ آسمانِ سیاست پر مہر و ماہ بن کر چمکے۔ بعض مورخین نے قالین کے
ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے متعلق لکھا ہے کہ ایسا حضرت علیؓ کے مشورہ
کیا گیا جو قطعاً خلافِ واقعہ ہے۔

جلولا کی فتح

مدائن کو خالی کرنے کے بعد ایرانی فوج جلولا پہنچی۔ ایرانی امراء نے مہم عراق میں عربوں سے آخری فیصلہ کن لڑائی لڑنے کے لیے جلولا میں جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ شہر کے اردگرد خندق کھود کر چاروں طرف لوہے کے کانٹے بچھا دیئے۔ کسریٰ یزدجرد نے مہران رازی کی سپہ سالاری میں حلوان سے مزید فوج روانہ کی۔ سعد نے جلولا پر حملہ کے لیے بارہ ہزار فوج ہاشم بن عتبہ کی کمان میں روانہ کی اور خود مدائن کے نظم و نسق میں مصروف رہے۔ مسلمانوں کی فوج نے جلولا کا محاصرہ کر لیا۔ چونکہ محصورین کے پاس سامانِ رسد کافی تھا اس لیے محاصرہ طولانی ہو گیا۔ آخر مسلمانوں نے تنگ آ کر ایک دن جلولا پر دھاوا بول دیا۔ اس حملہ میں قعقاع سب سے آگے تھے۔ ایرانی بھی دل کھول کر لڑے مگر آخر شکست کھائی۔ اس جنگ میں ایک لاکھ ایرانی مارے گئے۔ اور تین کروڑ کا مالِ غنیمت

مسلمانوں کے ہاتھ آیا[1] جب یہ خبر حلوان پہنچی تو یزدجرد نے حلوان سے راہ فرار اختیار کی، مسلمانوں نے حلوان پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ اور اسے سرحد کی حفاظت کے لیے فوجی چوکی قرار دیا۔

معرکہ تکریت حضرت سعد بن وقاص مدائن کے انتظامات میں مصروف تھے کہ انہیں اطلاع ملی کہ علاقہ موصل کے رومی اور عربی عیسائی قبیلے لڑائی کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آپ نے عبداللہ بن معتم کی سرداری میں پانچ ہزار کا ایک جرار لشکر تکریت کی طرف روانہ کیا۔ دشمن شہر کے گرد خندق کھود کر مورچوں میں مقابلہ کرتے رہے۔ چوبیس مقابلوں کے بعد دشمن نے ہمت ہار دی۔ اور عرب قبائل جنگ سے تنگ آ کر مسلمان ہو گئے اور ان کی مدد سے رومیوں سے مقابلہ کیا۔ تکریت پر فتح پا کر یہ لشکر نینوا اور موصل کی طرف بڑھے لیکن تکریت کی فتح کے دبدبہ سے بغیر لڑے دونوں شہروں پر قابض ہو گئے اس طرح اور چند بستیوں اور شہروں پر بھی قبضہ ہو گیا۔

اس طرح عراق کی مہم ختم ہوئی مفتوحہ علاقہ کے غیر مسلموں پر جزیہ لگا دیا گیا۔ زرعی اراضی کاشتکاروں کے قبضہ میں ہی چھوڑ دی گئی۔

کوفہ کی آبادکاری فتح عراق کے بعد شہر مدائن کو عرب لشکروں کا ہیڈ کوارٹر قرار دیا گیا۔ مگر وہاں کی آب و ہوا عرب سپاہ کے موافق نہ تھی۔ چنانچہ ایک نئے شہر کے آباد کرنے اور اسے عرب لشکروں

---

[1] تاریخ خلافت اسلامیہ صہ ۱۰۸

کی چھاؤنی بنانے کی سکیم مرتب کی گئی۔ حضرت سلمان اور حضرت حذیفہؓ یمانی نے اس مقام کو پسند کیا جہاں کوفہ آباد ہے۔ چنانچہ وہاں شہر آباد کیا گیا۔ اور اسے مسلمان لشکروں کا صدر مقام قرار دیا گیا۔ اس میں نہایت عالیشان عمارتیں تعمیر کی گئیں اور عراق کے گورنر کے لیے ایک رفیع الشان محل تعمیر کیا گیا۔ شہر کے وسط میں ایک وسیع مسجد تعمیر ہوئی جس میں چالیس ہزار نمازیوں کے نماز پڑھنے کی گنجائش تھی۔ مسجد اور گورنر کے محل کے درمیان ایک تہ خانے میں بیت المال (خزانہ) کی تعمیر ہوئی۔ گورنمنٹ ہاؤس اور مسجد کے گرد و نواح میں چاروں طرف شاندار عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ آبادی کو مختلف محلوں میں تقسیم کیا گیا۔ اس شہر کی سڑکیں اور گلیاں نہایت کشادہ تھیں سڑک کی چوڑائی ۴۰ گز اور گلی کی چوڑائی سات گز قرار دی گئی۔ اس شہر کا نقشہ ابوالہیاج بن مالک نے تیار کیا تھا۔ محرم ۱۷ھ مطابق جنوری ۶۳۸ء کو عراق کے پہلے گورنر سعد بن ابی وقاص نے کوفہ میں نزول اجلال فرمایا۔ اسی طرح ابلہ کی آب و ہوا خراب تھی اور وہ بھی ایک حصہ کا فوجی صدر مقام تھا۔ اس جگہ بصرہ کو بسا کر فوجی چھاؤنی قرار دیا گیا۔

سوالات

۱۔ عراق پر حملہ کے کیا وجوہات ہیں؟ خالد کی مہم شام پر روانگی کے بعد عراق کی مہم کس کے سپرد ہوئی؟

۲۔ بابل کی جنگ کو بیان کرکے عراق کے متعلق حضرت ابوبکر کی ہدایت اور حضرت عمر کے عمل کو بیان کیجئے۔

۳۔ نمارق اور کسکر کی لڑائیوں کو بیان کرکے اس کے نتیجہ کو بیان کیجئے۔

۴۔ مروحہ کی لڑائی کے حالات بیان کیجئے اور بتلائیے کہ اس میں کتنے مسلمان کام آئے اور اسے جنگ جسر کیوں کہتے ہیں اور اس کا نتیجہ کیا ہوا؟

۵۔ جنگِ بویب کے واقعات بیان کرو۔ اور بتلاؤ کہ اس میں مسلمانوں کا جانی نقصان کس قدر اور کیوں ہوا۔ کس قدر ایرانی موت کے گھاٹ اتارے گئے مسلمانوں کے حق میں اس کے کیا نتائج تھے؟

۶۔ جنگِ قادسیہ کی ابتدا کس طرح ہوئی اس جنگ میں کون کون سے مشاہیر بھیجے گئے اور میدانِ جنگ کی کیا پوزیشن تھی؟

۷۔ دربار ایران میں عرب وفد کے حالات بیان کیجئے اس وفد کے سامنے یزدجرد نے کیا تقریر کی اور مغیرہ بن شعبہ نے کیا جواب دیا۔ اور اس وفد کا نتیجہ کیا ہوا۔

۸۔ قادسیہ کی جنگ کو بیان کیجئے۔ طرفین سے کس قدر تعداد کام آئی اور مال غنیمت کا کیا اندازہ تھا؟

۹۔ جنگِ قادسیہ کے نتائج بیان کیجئے۔

۱۰۔ بابل کی فتح کو بیان کیجئے۔

۱۱۔ مدائن کی اہمیت، اس کا محلِ وقوع اور اس کے دونوں حصوں اور اس کے استحکام کو بیان کرکے بتلاؤ کہ عرب اسے مدائن کیوں کہتے تھے؟

۱۲۔ فتح مدائن کے حالات بیان کیجئے اور بتلایئے کہ یہاں سے کس قدر مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور اس میں کون کون سی چیزیں قابلِ ذکر تھیں؟

۱۳۔ نادرِ روزگار قالین نوبہار یا فرش بہار کی ندرت کو بیان کرکے بتلایئے کہ حضرت عمر نے صحابہ کے مشورہ کے برخلاف اسے کس طرح تقسیم کیا؟ یورپین مورخوں نے اس پر کیا اعتراض کیا ہے۔ اور مسلمانوں نے عقیدت سے اس کا کیا جواب دیا۔ اس جواب پر مورخانہ تنقید کرکے لکھیئے کہ حضرت عمر نے اسے پارہ پارہ کرکے کیوں تقسیم کیا؟

۱۴۔ جلولا کی فتح کے حالات بیان کیجئے۔ اس میں کس قدر ایرانی مارے گئے اور کس قدر مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا؟

۱۵۔ تکریت کی فتح اور اس فتح کے اثرات بیان کیجئے۔

۱۶۔ کوفہ کی آبادکاری کی کیا وجہ تھی؟ اسکی آبادی اور حصول وغیرہ پر مفصل طور پر روشنی ڈالیے۔

بیسواں باب

تسخیرِ ایران

کیا حضرت عمر عراق سے آگے بڑھنے کے خلاف تھے؟

کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر کی رائے تھی کہ مسلمان اپنی فتوحات کو عراق تک ہی محدود رکھیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو ایک خط بھی تحریر فرما دیا تھا۔

مگر جب ہم اسے ناقدانہ نظر سے دیکھتے ہیں تو یہ خیال صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ ذرا اس خیال کی کمزوری پر غور و فکر کیجئے:۔

۱۔ حضرت عمر نے اپنے سیاسی رویہ سے عربوں پر پورا تسلط حاصل کر لیا تھا۔ وہ ایسے کمزور حکمران نہیں تھے کہ عرب عساکر ان کے کنٹرول سے باہر ہو کر جنگ کو ممالکِ خارجہ میں جاری رکھ سکیں۔ لڑائیوں کا یہ سلسلہ ان کی مرضی اور منشاء کے بغیر جاری نہیں رہ سکتا تھا۔

۲۔ عراق کے بعد ایران، شام، فلسطین اور مصر میں ان کا جنگی شغف

بتلا رہا ہے کہ ان کا فتوحات کو عراق تک محدود کرنے کے لیے اظہارِ خیال ایک سیاسی کارنامہ تھا۔ وہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ آیا عراق میں جو ہزارہا مسلمان ختم ہو گئے اس سے ان کے جنگ وجدل کے جوش اور مالِ غنیمت کے والہانہ جذبہ میں کوئی کمی تو نہیں آئی۔ اور وہ ان مسلسل جنگوں سے تنگ تو نہیں آ گئے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ قادسیہ، جلولا اور مدائن کی فتوحات اور کثیر التعداد مالِ غنیمت نے ان کی جبلتِ جدلیہ اور جبلتِ اکتساب کو تیز کر دیا ہے تو انہوں نے فتوحات کے جاری رکھنے کے لیے مسلمان بہادروں کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

ایران پر حملہ فتح عراق کے بعد مملکتِ عربیہ میں سعد بن ابی وقاص کے جنگی کارناموں سے ان کی بہادری کے چرچے عام ہوئے تو ان کے حریفوں میں سبقت لے جانے اور بڑا بننے کا جذبہ مشتعل ہو گیا۔ چنانچہ اسی جذبہ کے تحت علاء بن حضرمی کے دل میں جو حضرت عمر کی طرف سے بحرین کے حاکم تھے سعد کی رقابت بھڑک اٹھی۔ اور انہوں نے بھی شہرت اور ناموری کے جذبہ میں مرکزی حکومت سے اجازت حاصل کیے بغیر بحرین سے مسلمانوں کی فوج کشتیوں کے ذریعہ سرزمین فارس پر اتار دی۔ یہ فوج فارس کے ساحل پر اتر کر اصطخر کی طرف بڑھی۔ مگر ایک ایرانی فوج ان کے اور کشتیوں کے درمیان حائل ہو گئی۔ مجبوراً یہ فوج مرتے مارتے خشکی

کی راہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہوئی۔ مگر ایرانی مرزبان (گورنر) شہرک نے ان کا راستہ روک کر انہیں محاصرہ میں لے لیا۔ اور طاؤس کے مقام پر علاء بن حضرمی کو نظر بند کر دیا۔ جب حضرت عمر کو یہ خبر پہنچی تو آپ بہت ناراض ہوئے۔ اور علاء بن حضرمی کو معزول کر کے عتبہ بن غزوان کو جو بصرہ کا حاکم تھا حکم دیا کہ وہ محاصرہ میں آئی ہوئی فوج کا انتظام کرے چنانچہ اس نے ابو سبرہ کی سرداری میں بارہ ہزار فوج بھیجی جس نے شہرک کو شکست دے کر محصور فوج کو محاصرہ سے نکالا۔

خوزستان کی مہم سنہ ۱۷ھ ، سنہ ۳۸-۳۹ء

ایران کا جو صوبہ بصرہ سے مشرق کی طرف واقع ہے خوزستان کہلاتا ہے۔ اس صوبہ کا گورنر ہرمزان اپنے صدر مقام اہواز سے عربی سلطنت کی سرحدوں پہ حملے کرتا رہتا تھا۔ ان دنوں یزدجرد شاہِ ایران اپنی سلطنت کی شمال مشرقی سرحد پہ مرو میں قیام پذیر تھا۔ وہ بھی ایرانی سرداروں کو عربوں کے خلاف مشتعل کر رہا تھا۔ اس پر حضرت عمر نے سعد کو حکم دیا کہ وہ نعمان بن مقرن کی زیر کمان ایک فوج خوزستان روانہ کریں۔ نیز بصرہ کے حاکم کو حکم دیا کہ وہ ایک فوج سہیل بن عدی کی سرکردگی میں بھیج دے ابو سبرہ ان دونوں فوجوں کے سپہ سالار مقرر ہوئے۔

اہرمزد اور تستر یا شوستر کی فتح

نعمان نے اہرمزد (اہواز) پر حملہ کیا اور اہرمزد کو فتح کر کے مہرجان

پر قبضہ کر لیا اور پھر تستر (شوستر) کا محاصرہ کر لیا۔ اسی اثنا میں بصرہ کی فوج بھی سہیل بن عدی کی قیادت میں آن پہنچی۔ خوب لڑائی ہوئی اور محاصرہ طول پکڑ گیا تستر کے وسط سے ایک نہر گزرتی تھی۔ عرب سپاہی اس نہر کے ذریعہ شہر میں گھس گئے اور اندر جا کر شہر کے دروازے کھول دیے۔ ہرمزان نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیے کہ اسے حضرت عمر کے دربار میں بھیج دیا جائے چنانچہ اس نے وہاں پہنچ کر جان بخشی کرا لی اور دو ہزار درہم سالانہ اس کا وظیفہ مقرر ہوا۔[1]

نہاوند کی لڑائی پے در پے شکستوں کے باوجود یزدجرد بددل نہیں ہوا۔ اس نے ایرانی سرداروں کی مدد سے نہاوند میں ایک زبردست لشکر جمع کر لیا۔ حضرت عمر نے نعمان بن مقرن کی قیادت میں تیس ہزار فوج روانہ کی۔ اس فوج نے محرم ۱۹ھ میں نہاوند پر دھاوا بول دیا۔ اس قدر شدید لڑائی ہوئی کہ میدانِ جنگ میں خون پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔ یہاں تک کہ گھوڑوں کے پاؤں پھسلنے لگے۔ اس جنگ میں ڈیڑھ لاکھ ایرانی قتل ہوئے۔ سپہ سالار لشکر نعمان اس جنگ میں کام آئے۔ بالآخر مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ ساسانی عسکری قوت کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ فتح اس قدر عظیم الشان تھی کہ اسے "فتح الفتوح" کے نام سے موسوم کیا گیا۔

ایران کو کلی طور پر فتح کرنے کا ارادہ نہاوند کی لڑائی کے بعد حضرت عمر نے ایران کو پورے طور

---

[1] "تاریخ خلافت اسلامیہ" ص ۱۱۲

پر فتح کرنے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ سات سرداروں کو علم دے کر مختلف صوبوں کو فتح کرنے کے لیے روانہ کیا گیا۔

فتح ہمدان ایک ایرانی سردار فیروزان نہاوند سے شکست کھا کر ہمدان پہنچا۔ حضرت عمر نے حذیفہ کو سپہ سالار بنا کر اس کے تعاقب میں بھیجا۔ حضرت حذیفہ نے فیروزان کو گرفتار کر کے قتل کر ڈالا اہل ہمدان نے صلح کر لی مگر حذیفہ کے چلے آنے پر پھر باغی ہو گئے۔ حضرت حذیفہ نے نعیم بن مقرن کو فوج دے کر روانہ کیا۔ انہوں نے ہمدان کو فتح کر لیا۔

رے کی فتح نعیم بن مقرن نے رے پر حملہ کیا اور وہاں رستم کے بھائی اسفند یار کو شکست دے کر رے پر قبضہ کر لیا

فتح طبرستان نعیم نے ایک فوج اپنے بھائی سوید کی سرکردگی میں طبرستان روانہ کی۔ اس نے قومس پر حملہ کیا۔ وہاں کے باشندوں نے بغیر لڑے صلح کر لی۔ پھر اس نے جرجان کو فتح کیا۔ اس پر طبرستان کے حاکم نے پانچ لاکھ درہم تاوان ادا کر کے اطاعت قبول کر لی۔

فتح اصفہان عبداللہ بن عتبان اور ابوموسیٰ اشعری دس ہزار فوج کے ساتھ اصفہان کی طرف بڑھے۔ یہاں بھی ایرانیوں کو شکست ہوئی اور اصفہان کے رہنے والوں نے عربوں کی شرائط قبول کر کے صلح کر لی اور شہر کا قبضہ دے دیا۔

فتح آذربائیجان آذر بائیجان کی مہم کے لیے عتبہ بن فرقد مقرر ہوئے انہوں نے اسفندیار کو جو رَے سے فرار ہو کر یہاں پہنچا تھا گرفتار کر لیا۔ اور آذر بائیجان کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد آذربائیجان کی شمالی سرحدوں کو بھی فتح کر لیا۔ دربند کے قریب پہاڑی جنگجو قوموں نے مقابلہ کیا۔ ایک خونریز جنگ کے بعد یہ علاقہ بھی فتح ہو گیا۔ عبدالرحمٰن بن ربیعہ دربند کے حاکم مقرر ہوئے اور دربند کو فوجی چھاؤنی بنا دیا گیا۔

فتح باب باب کا شہر ایک ایسے مقام پر آباد تھا جہاں روس آرمینیا اور ایران کی سرحدیں ملتی تھیں۔ اس شہر کی فتح کے لیے سراقہ بن عمرو مقرر ہوئے۔ اس شہر کا حاکم براز تھا۔ اس نے اطاعت قبول کر لی۔ اس کے بعد بالنجر تک کا تمام علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

فتح فارس فارس کا حاکم شہرک جنگی تیاریوں میں مصروف تھا۔ عثمان بن العاص اس مہم پر بھیجے گئے۔ انہوں نے مختلف معرکوں میں شہرک کو شکست دیکر فارس کے صوبہ پر قبضہ کر لیا۔

فتح درابجرد ساریہ بن زنیم نے ایرانیوں کو شکست دے کر درابجرد پر قبضہ کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے ساریہ کو اس جگہ کا حاکم مقرر کر دیا۔

فتح کرمان وسجستان سہیل بن عدی نے کرمان کو فتح کیا اور عاصم بن عمر نے سجستان پر ایرانیوں کو شکست دے کر قبضہ کر لیا۔

سیستان اور مکران کی فتح

مسلمانوں نے سیستان کو بھی فتح کر لیا۔ حکم بن عمیر مکران پر حملہ آور ہوئے نہر سندھ کے کنارے اہل مکران سے لڑائی ہوئی۔ سندھ کے ہندو راجہ نے بھی مکرانیوں کی مدد کی مگر کفار کے یہ مشترکہ لشکر بھی عرب فوجوں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ مسلمانوں کا مکران پر قبضہ ہو گیا۔ اس طرح عرب سلطنت کی سرحدیں سندھ سے جا ملیں۔

فتح خراسان

خراسان کی فتح کے لیے احنف بن قیس مامور ہوئے انہیں یہ حکم دیا گیا کہ یزدجرد کا تعاقب کر کے اسے ختم کر دیا جائے۔ احنف نے پہلے ہرات اور پھر مرو فتح کیا۔ یزدجرد بھاگ کر مرو چلا گیا۔ احنف نے جب بلخ کا محاصرہ کیا تو وہ بھاگ کر چین کے علاقے میں چلا گیا۔ احنف نے مرو کو اپنا صدر مقام بنایا۔ اور وہاں سے فوج کو سارے ملک میں پھیلا دیا۔ اور دریائے جیحون تک تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا۔

اس طرح سارے ایران پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

عراق کی تقسیم

ایران کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ نے ایران کو بھی عراق میں شامل کر کے عراق کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اپر عراق (عراق بالائی) اور لوئر عراق (عراق زیریں) عراق بالائی کا صدر مقام کوفہ تھا اور عراق زیریں کا صدر مقام بصرہ۔ بالائی عراق کے گورنر سعد بن ابی وقاص مقرر ہوئے اور زیریں عراق کے گورنر عتبہ بن غزوان

کوفہ کی گورنری کے ماتحت باب آذربائیجان، ہمدان، رے، اصفہان، ماہ، موصل اور قلیسیہ کے علاقے تھے اور بصرہ کی گورنری کے ماتحت خراسان، سجستان، مکران، کرمان، فارس اور اہواز کے علاقے قرار دیے گئے۔

سوالات

۱۔ کیا حضرت عمر فتوحات کا سلسلہ عراق سے آگے بڑھانے کے خلاف تھے؟ یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ وہ خلاف تھے اس کی تردید عقلی طور پر کیجئے۔

۲۔ ایران پر حملہ کی کیا وجہ تھی؟ عرب فوج کس طرح محاصرہ میں آئی اور پھر اسے کس طرح محاصرہ سے نکالا گیا؟

۳۔ خوزستان کا محل وقوع بیان کرکے اس صوبہ پر حملہ کی وجوہات بتلائیے اور بتلائیے کہ حضرت عمرؓ نے اس مہم کے لیے کیا انتظامات کیے؟

۴۔ اہرمزد اور شوشتر کی فتح کے حالات بتلائیے۔ شوشتر کس طرح فتح ہوا اور اس لڑائی کا کیا نتیجہ ہوا؟

۵۔ نہاوند کی لڑائی کو بیان کرکے بتلائیے کہ اسے

"فتح الفتوح" کیوں کہتے ہیں۔ اس لڑائی میں کس قدر خونریزی ہوئی اور کس قدر ایرانی مارے گئے؟

۶۔ ایران کو کلی طور پر فتح کرنے کے لیے حضرت عمر نے کیا انتظامات کیے؟

۷۔ ہمدان اور رے کی فتح کو بیان کیجئے۔

۸۔ طبرستان کی فتح کا حال بیان کیجئے۔

۹۔ اصفہان کس طرح فتح ہوا؟

۱۰۔ آذر بائیجان کس طرح فتح ہوا؟ آذر بائیجان کے صدر مقام کو کیا اہمیت دی گئی اور یہاں کا حاکم کون مقرر ہوا؟

۱۱۔ باب کی اہمیت کو بیان کر کے تبلائیے کہ اس کے فتح سے مسلمانوں کی حکومت کو کیا فائدہ پہنچا؟

۱۲۔ فارس، درابجرد، کرمان اور سجستان کی فتوحات کو بیان کیجئے؟

۱۳۔ سیستان، مکران اور خراسان کی فتوحات کو بیان کر کے تبلائیے کہ ان فتوحات کے سلطنت عربیہ پر کیا اثرات پڑے؟

۱۴۔ فتح ایران کے بعد حضرت عمر نے عراق اور ایران کو ملا کر سارے ملک کو کن دو حصوں میں تقسیم کیا؟ اور کیا کیا انتظامات کیے؟

اکیسواں باب

فتوحات شام و فلسطین

شام و فلسطین کا کچھ حصّہ حضرت ابوبکر کے زمانے میں فتح ہو چکا تھا۔ باقی حصّہ حضرت عمر کے زمانہ میں فتح ہوا،

فتح دمشق یرموک کی شکست کے بعد رومی لشکر فحل میں جمع ہوئے اور قیصرِ روم نے ایک عظیم الشان لشکر دمشق بھیج دیا۔ حضرت عمر نے ابو عبیدہ کو سپہ سالارِ اعظم مقرر کیا اور رومیوں کے مقابلہ کے لیے شام بھیجا۔ دمشق کی زمینیں نہایت سرسبز و شاداب تھیں۔ اس کی زرخیزی اور سرسبز وادیوں کی وجہ سے اسے "عالم باغ" (GARDEN OF THE WORLD) کہتے تھے۔ اس شہر میں رومیوں کے استحکامات اس قدر زبردست تھے کہ یہ ناقابل تسخیر قلعہ تصور کیا جاتا تھا۔ ابو عبیدہ نے ایک لشکر حمص کی طرف بھیجا اور خود دمشق پر حملہ آور ہوئے۔ رومی جرنیل نسطار بن نسطوس نے جو کہ دمشق میں رومی لشکر کا سردار تھا۔ مسلمانوں کی آمد پہ دمشق کے دروازے بند کر دیے۔

اور قلعہ نشین ہو کر مسلمانوں پر تیروں سے حملہ کر دیا۔ ابو عبیدہ نے دمشق کے چاروں دروازوں پر فوج کا ایک ایک دستہ مقرر کر دیا۔ ایک دستہ عمرو بن عاص کی قیادت میں تھا، ایک دستہ خالد بن ولید کی سرکردگی میں اور ایک یزید بن ابی سفیان کے ماتحت اور ایک کی کمانڈ خود سنبھالی۔ ایک رات جبکہ رومی لشکر شراب میں مست تھا۔ رقص و سرود کی محفل گرم تھی اور رومی سپاہی رنگ رلیاں منا رہے تھے۔ خالد بن ولید نے رسوں کے ذریعہ مسلمان سپاہیوں کو دمشق کی فصیل پر چڑھا دیا۔ جنہوں نے رومی پہرہ داروں کو قتل کر کے شہر کے دروازے کھول دیئے۔ ابو عبیدہ لشکر لے کر شہر میں داخل ہو گئے۔ رومی فوج نے ناچاران شرائط پر صلح کر لی۔

۱۔ فی جریب زمین ایک جریب گندم ادا کی جائے۔

۲۔ دمشق کے باشندے اپنی جائداد اور سونے چاندی کا نصف حصہ ادا کریں۔

۳۔ ہر بالغ مرد اور زن ایک دینار ادا کرے۔

۴۔ جو لوگ شہر چھوڑ کر جانا چاہیں انہیں جانے کی اجازت ہوگی۔

یہ شرطیں شام کے دوسرے شہروں کے لیے جو بعد میں فتح ہوئے نمونہ ثابت ہوئیں۔

اس کے معاوضہ میں مسلمانوں نے وعدہ کیا کہ وہ اہل دمشق سے کسی طرح کا تعرض نہیں کریں گے۔

ابو عبیدہ نے آخری دم تک رسول اللہ سے لڑنے والے اور مجبور

سلام کا اعلان کرنے والے ابوسفیان کے بیٹے کو دمشق کا گورنر مقرر کیا۔ اور
ود فحل کی طرف روانہ ہوا۔ یزید نے گورنر ہونے کے بعد عرقہ، صیدا اور
بیل پر لشکرکشی کر کے انہیں فتح کر لیا۔ معاویہ بن ابی سفیان نے بیروت
سیدون اور لبنان کے ساحلی شہروں کو فتح کر لیا۔ فتح دمشق کے بعد گرجاؤں
کی عمارتیں بھی تقسیم ہوگئیں۔ چنانچہ سینٹ جان کے نصف حصہ میں مسجد بنائی
گئی اور صرف نصف گرجا کے طور پر استعمال ہونے لگا۔

فتح فحل

فحل میں رومی سپہ سالار سقلا نامی تھا۔ اس نے فصیل کے گرد اگرد پانی
ڈال کر شہر کو مضبوط کر لیا تھا۔ ابوعبیدہ نے شہر کو محاصرہ میں لے
لیا۔ ایک رات جب سقلا مسلمانوں پر شبخون کی نیت سے باہر نکلا تو مسلمانوں نے
اس پر حملہ کر دیا۔ ساری رات گھمسان کا رن پڑا۔ رومی بہت بڑی تعداد میں
قتل ہوئے۔ جن کی کم از کم تعداد اسی ہزار تھی۔ سقلا خود بھی مارا گیا۔ اس لڑائی
میں بے حد غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔

دیرابی القدس کی جنگ ۱۳ھ، ۶۳۴ء

دمشق سے تیس میل کی مسافت پر
شمال کی طرف ایک شہر دیرابی القدس
تھا، جہاں ہر سال عیسائیوں کا ایک
مذہبی میلہ لگتا تھا۔ طرابلس کا رومی گورنر اپنی بیوی کے ساتھ جو قیصر کی
بیٹی تھی اس میلے کی شمولیت کے لیے آیا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ پانچ
ہزار جنگجوؤں کا لشکر تھا۔ حضرت عبداللہ ابن جعفر پانچ سو کی فوجی جماعت
کے ساتھ اس طرف گشت کر رہے تھے، اس فوج کے ساتھ ان کا مقابلہ ہو گیا

حضرت عبداللہ ابن جعفر نے فوج کی قلت کے احساس پر دمشق سے کمک طلب کی۔ خالد ایک ہزار لشکر لے کر آ پہنچے رومیوں کو شکست دے قیصر کی بیٹی کو گرفتار کر لیا۔ اس سلسلہ میں پادریوں کا ایک وفد خالد کے پاس آ پہنچا اور قیصر کی بیٹی کے لیے استدعا کی۔ خالد نے اس استدعا کو منظور کر لیا۔

ہمارا استعجاب

اس واقعہ نے ہمیں حیرت زدہ کر دیا۔ کلمہ گو، نماز گزار مالک بن نویرہ کے قبیلے کے ساتھ یہ سلوک کہ ان کی عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنایا گیا۔ اور عیسائیوں کے ساتھ یہ سلوک کہ ان کی استدعا پر قیصر کی بیٹی کو بلکہ آزاد قرار دیا گیا۔

فتح مرج روم

فتح فحل کے بعد ابو عبیدہ نے بیسان اور طبریہ کی طرف پیش قدمی کی اور انہیں فتح کر کے حمص کی طرف بڑھ رہے تھے کہ مرج روم کے مقام پر رومیوں کے دو دستوں سے مقابلہ ہو ایک دستہ رومی سردار توذر کے ماتحت تھا تو دوسرا رومی سردار شنس کے کمان میں تھا۔ توذر کو خالد نے شکست دی اور شنس کو ابو عبیدہ نے۔ اس طرح مرج روم فتح ہو گیا۔

فتح حمص
ذیقعدہ ۱۴ھ مطابق جنوری ۶۳۶ء

قیصر ہرقل حمص میں جنگی تیاریوں میں مصروف تھا۔ جب اسے فتح مرج روم کی خبر ملی۔ تو فوراً انطاکیہ چلا گیا۔ ابو عبیدہ نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اہل حمص کو امید تھی

قیصران کے لیے کمک بھیجے گا۔ مگر ایک ماہ کے انتظار کے بعد جب کمک نہ پہنچی تو انہوں نے مجبور ہو کر صلح کر لی۔ ابوعبیدہ نے عبادہ بن صامت کو حمص کا گورنر مقرر کیا اور خود آگے بڑھے۔ حماۃ شیزر، معرہ اور لاذقیہ کو فتح کر کے قبضہ کر لیا۔

حضرت عمرؓ کا فرمان اور شام کے دوسرے شہروں پر قبضہ

حمص کی فتح کے بعد حضرت عمر کا حکم موصول ہوا کہ شمالی شام کے بقیہ شہروں کو فتح کیا جائے چنانچہ خالد نے رومی سردار میناس کو شکست دے کر قنسرین کو فتح کیا۔ اہل حلب نے قلعہ بند ہو کر کچھ دنوں مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ مگر آخر مجبور ہو کر صلح کر لی۔ ابوعبیدہ نے انطاکیہ کو فتح کر کے اسے مسلمانوں کی فوجی چھاؤنی قرار دیا۔ اس کے بعد تواس، منبج اور تل عزاز فتح ہوئے۔ اس کے بعد ابوعبیدہ فلسطین کی طرف چلے گئے اور خالد بن ولید مرعش کی طرف روانہ ہوئے۔ رملہ، غزہ سبطیہ، لد، عمواس، جبرین اور یافہ کو فتح کر کے مسلمان بیت المقدس کی سرزمین میں داخل ہو گئے۔

فتح بیت المقدس

ابوعبیدہ، عمرو بن عاص، خالد بن ولید مختلف مقامات سے اپنی فوجیں بیت المقدس پر لے آئے۔ اہل بیت المقدس نے مناسب سمجھا کہ بغیر لڑے صلح کر لی جائے چنانچہ انہوں نے اس ڈر سے کہ کہیں مسلمان ان کی زیارت گاہیں نہ چھین لیں درخواست کی کہ حضرت عمر خود آکر صلحنامہ مرتب کریں۔ چنانچہ حضرت عمر

نے بیت المقدس پہنچ کر اس صلح نامہ کو مکمل کیا۔ اور صوبہ فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک کا صدر مقام بیت المقدس تھا۔ اس پر علقمہ بن مجزر گورنر مقرر کیے گئے۔ دوسرے کا صدر مقام رملہ تھا جس کے والی علقمہ بن حکیم مقرر ہوئے۔ اس کے بعد حضرت عمر ۱۶ھ میں مدینہ واپس آ گئے۔

حمص کی دوسری لڑائی قیصر ہرقل نے زبردست تیاری کر کے حمص پر دھاوا بول دیا۔ چنانچہ ابو عبیدہ، خالد اور دوسرے مسلمان سرداروں نے زبردست مقابلہ کیا اور رومی افواج کو پسپا کر دیا۔

سوالات

۱۔ دمشق کی زرعی حیثیت کیا تھی اور اس کے فوجی استحکامات کیسے تھے؟

۲۔ حضرت عمر نے فتح دمشق کے لیے کیا کیا انتظامات کیے؟

۳۔ ابو عبیدہ سپہ سالار نے دمشق کے حملہ میں لشکروں کو کس طرح تقسیم کیا اور لشکروں کے سردار کون کون مقرر کیے؟

۴۔ دمشق کی فتح کس طرح ہوئی؟

۵۔ دمشق میں کن شرائط پر صلح ہوئی؟

۶۔ ابوعبیدہ نے دمشق کی حکومت کس کے سپرد کی۔ ابوسفیان کے بیٹوں کی حکومت پر آنے کے بعد فتوحات کیا ہیں؟ اور انہوں نے عیسائی گرجوں سے کیا سلوک کیا؟

۷۔ فحل کس طرح فتح ہوا۔ اس جنگ میں کس قدر خون ریزی ہوئی اور کس قدر مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا؟

۸۔ دیرابی القدوس کی جنگ کو بیان کر کے خالد کا تبصر کی بیٹی سے سلوک بیان کرو۔ اور بتلاؤ کہ یہ سلوک حیرت انگیز کیوں ہے؟

۹۔ بیسان، طبریہ اور مرج روم کی فتوحات کو بیان کیجئے۔

۱۰۔ حمص اور اس کے گرد و نواح کی فتوحات کو بیان کیجئے۔

۱۱۔ فتح حمص کے بعد حضرت عمر نے کیا حکم دیا۔ اور اس حکم کے مطابق شام کے دوسرے شہر کس طرح فتح ہوئے؟

۱۲۔ بیت المقدس کس طرح فتح ہوا۔ حضرت عمر نے بیت المقدس پہنچ کر کیا فیصلے کئے اور حمص کی دوسری لڑائی کا حال بیان کیجیے۔

بائیسواں باب

فتح مصر

مصر رومی سلطنت کی ایک ریاست تھی جس کا بادشاہ مقوقس تھا۔ اسے دنیوی حاکم ہونے کے علاوہ مذہبی منصب بھی حاصل تھا قیصر روم نے اس ریاست کی حفاظت کے لیے قصر شمع اور اسکندریہ کی چھاؤنیوں میں رومی فوجیں متعین کی تھیں۔ مقوقس کی بیٹی ارمانوسہ قیصر ہرقل کے بیٹے قسطنطین کی بیوی تھی۔

حضرت عمر نے عمرو بن عاص کو جو فتح مصر کے بہت خواہشمند تھے چار ہزار فوج کے ساتھ مصر کے حملہ کے لیے مامور فرمایا۔ وہ ۱۸ھ میں حدود مصر میں داخل ہو گئے۔

فتح قصر شمع

قصر شمع دریائے نیل کے مشرقی کنارے پر ایک مضبوط اور مستحکم قلعہ کی صورت میں آباد تھا۔ اس کے مقابل دریا کے مغربی ساحل پر مصر کا قدیمی صدر مقام منف آباد تھا۔ قصر شمع میں رومی لشکر مقیم تھے۔ ان کا سردار عیرج تھا۔ مقوقس خود

منف میں سکونت رکھتا تھا۔ قصرِ شمع کا دوسرا نام بابِ لیون تھا۔ مسلمانوں نے حملہ کر کے اس شہر کو محاصرہ میں لے لیا۔ شہر کے استحکامات کی وجہ سے محاصرہ نے طول پکڑا۔ حضرت عمر نے بارہ ہزار مزید فوج روانہ کی جس میں زبیر، مقداد اور عبادہ بن صامت جیسے بہادر جنگجو بھی تھے۔ کمک پہنچنے پر عمرو بن عاص نے منجنیق لگا کر شہر پر سنگباری شروع کر دی۔ اہلِ شہر دریائے نیل میں کشتیاں ڈال کر بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ عمرو عاص نے قصرِ شمع پر قبضہ کر کے منف پر حملہ کر دیا۔ مقوقس نے ایک وفد عمرو عاص کے پاس بھیج کر صلح کر لی۔ صلح کی شرائط یہ تھیں:

۱۔ ہر مصری مرد، دو دینار سالانہ ادا کرے گا۔

۲۔ مسلمان مصریوں کی جان و مال کی حفاظت کریں گے۔

۳۔ مصری مسلمان فوجوں کی جب ان کے ملک میں سے گزریں گی مدد کریں گے۔

۴۔ مصر میں جو رومی آباد تھے انہیں اجازت دی گئی کہ خواہ وہ مصر میں آباد رہیں یا مصر کو چھوڑ کر چلے جائیں۔

قیصر کو جب اس صلح کی اطلاع ملی تو وہ مقوقس پر بہت ناراض ہوا اور اس نے پیغام بھیجا کہ معاہدہ کو منسوخ کر کے لڑائی جاری رکھو مگر مقوقس نے اسے قابلِ توجہ نہیں سمجھا۔

اس معاہدہ کے بعد عین شمس، فیوم، اشمونین، اخمیم، قریٰ سعید، دمیاط اور شطاء۔ تمام شہروں نے مسلمانوں کی اطاعت اختیار کر لی۔

فتح اسکندریہ سنہ ۲۰ھ، سنہ ۶۴۱ء

معرکا دوسرا فوجی مرکز اسکندریہ تھا، یہ شہر بحیرۂ روم کی بندرگاہ ہے۔ عمرو عاص نے اسکندریہ پر حملہ کر دیا اور چھ ماہ کے محاصرہ کے بعد مسلمانوں نے اسکندریہ کے تمام قلعے فتح کر کے اسکندریہ پر قبضہ کر لیا اسکندریہ کو سر کرنے کے بعد عمرو عاص نے فسطاط کی چھاؤنی قائم کی۔ فتح اسکندریہ کے بعد کچھ مسلمان غبزہ میں آباد ہو گئے۔ یہ وہی مقام ہے، جہاں اب قاہرہ آباد ہے۔ یہاں عمرو عاص نے ایک مسجد بھی تعمیر کی جو آج تک مصر کی تاریخی یادگار ہے۔

اسکندریہ کا کتب خانہ

اسکندریہ علمی جدوجہد کا ہمیشہ مرکز رہا تھا۔ بطلیموسی یونانیوں کے زمانہ میں یہاں ایک بہت بڑا کتب خانہ بنایا گیا، جہاں علمی تحقیقات کی بہت سی کتابیں جمع کی گئیں۔ جب اسکندریہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو ایک پادری نے استدعا کی کہ یہ کتب خانہ اسے بخش دیا جائے۔ عمرو عاص نے اس معاملہ پر حضرت عمر کا فرمان طلب کیا تو حضرت عمر نے عمرو عاص کے جواب میں لکھا۔

"اگر یہ کتابیں اللہ کی کتاب قرآن کے علاوہ مطالب رکھتی ہیں تو ان کا رکھنا درست نہیں۔ اگر وہ قرآن کے مطابق ہیں تو ان کا رکھنا ضروری نہیں، مسلمانوں کو صرف اللہ کی کتاب کافی ہے۔"

گویا انہیں تلف کر دینا چاہیئے۔ اس حکم کے موصول ہونے پر عمرو عاص نے اس کتاب خانہ کے اتلاف کی یہ صورت نکالی کہ کتابوں کا انبار لگا کر

انہیں آگ دکھائی اور خاکستر کے ڈھیروں میں تبدیل کر دیا۔

عام طور پر حزبِ اقتدار کے حامی مورخ اس کا جواب یہی دیتے ہیں کہ یہ روایت درایت سے صحیح معلوم نہیں ہوتی۔

کہنے والے کہتے ہیں کہ روایت درایت کی کسوٹی پر پوری اترتی ہے۔ اس میں ایک جملہ "اللہ کی کتاب کافی ہے" بتلا رہا ہے کہ یہ روایت سولہ آنے صحیح ہے۔ قضیۂ قرطاس میں بھی یہ جملہ ہے۔ حضرت عمر کے یہ الفاظ بالکل صحیح ہیں۔ مگر اس سے دونوں واقعات میں جو مراد لی گئی ہے اسے کوئی صاحبِ عقلِ سلیم تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔

سوالات

۱۔ رومی سلطنت میں مصر کی کیا پوزیشن تھی؟ حضرت عمر نے کسے مصر کے حملے کے لیے مقرر فرمایا اور کیوں؟

۲۔ قصرِ شمع کی فوجی پوزیشن بیان کر کے بتلائیے کہ اس کی فتح میں مسلمانوں کو کیا دقتیں پیش آئیں۔ حضرت عمر نے اس کی فتح کے لیے کیا کچھ کیا۔ اور اس مہم پر کسے مامور فرمایا۔ اور یہ شہر کس طرح فتح ہوا؟

۳۔ مقوقس نے کن شرائط پر مسلمانوں سے صلح کی۔ مصر کے باقی شہر کس طرح مسلمانوں کے قبضہ میں آئے؟

۴۔ فتح اسکندریہ کے حالات بیان کیجئے۔

۵۔ کتب خانہ اسکندریہ کے قضیہ پر تفصیل سے روشنی ڈالیے۔

تیئسواں باب

حضرت عمرؓ کے عہد کی بعض قابلِ ذکر باتیں

اور اہم واقعات و ملکی انتظامات

تقسیمِ دولت اور مسلمانوں میں طبقاتی امتیاز

سرکارِ رسالت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں نیز زمانۂ حضرت ابوبکرؓ میں یہ دستور رہا کہ مالِ غنیمت مسلمانوں میں فی الفور تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اور اس سلسلہ میں نہ ہی مسلمانوں کو مختلف طبقات میں تقسیم کیا گیا تھا اور نہ ہی تقسیمِ دولت میں طبقاتی امتیاز تھی۔ حضرت عمرؓ نے تقسیمِ دولت میں اس مساوات کو ختم کر دیا اور تقسیمِ دولت کا نیا طریقہ اس طرح رائج کیا :-

۱- امہات المومنین یعنی ازواج سرکارِ رسالتؐ	دس دس ہزار درہم سالانہ
۲- غزوۂ بدر میں شریک ہونے والے صحابہ کرام	پانچ پانچ ہزار درہم سالانہ
۳- بیعتِ رضوان والے صحابیوں کے لیے	چار چار ہزار درہم سالانہ

۴۔ ارتدادی لڑائیوں میں لڑنے والوں کے لیے — تین تین ہزار درہم سالانہ
۵۔ عراق و شام کی جنگوں میں لڑنے والوں کو — دو دو ہزار درہم سالانہ
۶۔ قادسیہ اور یرموک کے معرکوں میں شامل ہونے والوں کو — ایک ایک ہزار درہم سالانہ
۷۔ دوسری لڑائیوں میں نمایاں خدمات انجام دینے والوں کو — مزید پانچ پانچ سو درہم سالانہ
۸۔ باقی لوگوں کو خدمات کے لحاظ سے — پانچسو سے سو درہم سالانہ
۹۔ بنی ہاشم میں سے حضرت عباسؓ کو — پانچہزار درہم سالانہ
۱۰۔ اہل بیتؑ کے افراد کو حسب قرابت — مختلف رقمیں۔

قابلِ غور ہے کہ حضرت عباسؓ کو پانچہزار کیوں اور اہل بیت کے افراد کے لیے کسی رقم کا تعین کیوں نہیں۔ حالانکہ اہل بیت میراث رسولؐ سے بھی محروم کر دیے گئے تھے۔ انہیں ہبہ کی ہوئی جائداد سے بھی دست بردار ہونا پڑا تھا۔ خمس میں سے بھی سہم قربیٰ جو از روئے قرآن ان کا حق تھا ختم کر دیا گیا تھا۔ ع بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

عورتوں کو مردوں سے الگ دسواں حصہ دیا جاتا تھا، بیواؤں اور یتیموں کے لیے الگ انتظام تھا۔ نو داردوں کو دس درہم سالانہ دیے جاتے تھے۔ غلاموں کو ان کی خدمت کے لحاظ سے رقم دی جاتی تھی۔

سن ہجری کی ترویج

حضرت عمر کے زمانے میں یہ سوال پیدا ہوا، کہ کاغذات میں تاریخ بندی کے لیے اسلامی کیلنڈر کیا ہے؟ حضرت عمر نے حضرت علی علیہ السلام کے مشورہ سے سن ہجری کو رواج دیا۔

ایک ناکام مہم اور اس میں جانی نقصان

۱۹ سنہ ہجری میں حضرت عمرؓ نے مسلمانوں ایک جمعیت کشتیوں میں سوار کر کے حبشہ روانہ کی۔ ابھی یہ لوگ رستے میں تھے کہ بحیرۂ قلزم میں طوفان آگیا اور بہت سی کشتیاں ڈوب گئیں حادثہ میں بہت سے مسلمانوں کی جانیں ضائع ہوگئیں۔

ملکی اور فوجی انتظامات

چونکہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں عرب سلطنت بہت وسیع ہوگئی تھی۔ اس لیے انہیں ایک مالی حسابات کا محکمہ قائم کرنا پڑا۔ اس میں عام طور پر محاسب (Accountants) اور محرر (Clerks) عراقی اور شامی تھے۔ آپ نے عراق، شام، ایران اور مصر میں فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ حضرت عمر عربوں کو جنگی شغف میں ہی مصروف رکھنا چاہتے تھے اس لیے عربوں کو زراعت اور زمینداری کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے پیادہ فوج کے علاوہ ایک سوار رسالہ بھی مرتب کیا۔ اس رسالہ کے گھوڑوں کی پرورش کے لیے الگ محکمہ قائم کیا گیا۔ یہ رسالہ مختلف چھاؤنیوں میں تقسیم ہوا ہوا تھا۔

پہلا بندوبست اور عثمان بن حنیف

مالیہ اور لگان کے تعین میں حضرت عمرؓ نے تغیر کسریٰ کے طریق کار کو ہی اختیار کیا۔ عراق کی زمینوں کی نئے سرے سے پیمائش کرانا اور اس کے مطابق مالیہ کی نئی شرحیں مقرر کرنا بہت مشکل

کام تھا۔ اور عرب ان چیزوں سے ناآشنا تھے۔ اس لیے صحابہ کے مشورہ سے حضرت علیؓ کے خاص مقرب صحابی حضرت عثمان بن حنیف کو اس عہدہ پر مامور کرنا پڑا۔ انہوں نے نہایت خوبی سے اس کام کو انجام دیا۔ اس سلسلہ میں قاضی یوسف صاحب بیان کرتے ہیں۔ عثمان کو خراج میں پوری واقفیت تھی۔ انہوں نے زمین کو اس اہتمام سے پیمائش کیا جس طرح قیمتی کپڑا ناپا جاتا ہے (کتاب الخراج ص۲۱ و ص۲۲ و سیر الانصار ص۱۰۳) پہاڑ، صحرا، اور دریا کو چھوڑ کر قابل زراعت زمین تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب نکلی۔ یہ ملکی بندوبست کا کام کئی مہینوں میں ختم ہوا۔ یہ بھی حضرت عثمان بن حنیف کی مہارت کی دلیل تھی۔ ورنہ ہم ہندوستان پر انگریزی حکومت میں دیکھتے رہے ہیں کہ ایک ایک ضلع کا بندوبست سالوں میں ختم ہوتا تھا۔ انہوں نے ایک پورے صوبہ کا کام مہینوں میں ختم کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عثمان بن حنیف عراق کے پہلے فنانشل کمشنر مقرر ہوئے اور ریونیو کا کام ان کے سپرد کیا گیا۔ انہیں خراج اور جزیہ کی تشخیص اور وصولی پر مقرر کیا۔ انہوں نے مالگذاری کی تشخیص کی اور حسب ذیل شرح پر لگان مقرر کیا:۔

انگور	فی جریب یعنی پون بگیہ پختہ	۱۰ درہم سالانہ
نخلستان	〃	۸ درہم سالانہ
نیشکر	〃	۶ درہم سالانہ
گیہوں	〃	۴ درہم سالانہ

جَو   فی جریب یعنی پون بیگھہ پختہ   ۲ درہم سالانہ

جزیہ کی شرح حسب ذیل تھی :-

امراء سے ۴۸ درہم سالانہ، متوسط طبقہ سے ۲۴ درہم سالانہ اور ادنیٰ طبقہ سے ۱۲ درہم سالانہ۔ عورتیں اور بچے جزیہ سے مستثنیٰ تھے۔ یہ بندوبست اس اہتمام اور خوبی سے ہوا کہ دوسرے ہی سال خراج کی مقدار ۸ کروڑ سے دس کروڑ بیس ہزار درہم تک پہنچ گئی اور پھر برابر اضافہ ہوتا گیا۔ صرف کوفہ کا خراج حضرت عمرؓ کی وفات سے ایک سال قبل ایک کروڑ درہم تک پہنچ گیا (استیعاب جلد ۲ ص ۴۶۶) حضرت عمرؓ کو خراج اور جزیہ کی یہ تقسیم اس قدر پسند آئی کہ انہوں نے اسے تمام مفتوحہ علاقوں میں رائج کر دیا۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں انصار ذمہ دار عہدوں (KEY POSTS) پر شاذ و نادر ہی نظر آتے ہیں۔ یہ عثمان بن حنیف کی قابلیت اور اہلیت تھی کہ وہ اتنے اہم عہدہ پر فائز ہوئے۔ حضرت عثمان بن حنیف کی تنخواہ ۵ درہم یومیہ اور آٹے کی ایک تھیلی تھی۔ حضرت عثمان بن حنیف نے جزیہ اور مالیہ کی یہ تشخیص اس قدر نرمی اور آسانی سے کی تھی کہ جب عثمان مدینہ آئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا " شاید تم نے زمین پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ لاد دیا ہے" تو انہوں نے جواب میں کہا۔ "میں نے آدھا چھوڑ دیا ہے، آپ چاہیں تو وہ بھی مل سکتا ہے۔" (کتاب الخراج)

وزیروں، قاضیوں اور معلموں کا تقرر، تبادلہ، معزولی

خاندان ابی سفیان سے امتیازی مراعات

حضرت عمر گورنروں قاضیوں بچوں کے معلموں کا تقرر خود فرماتے تھے۔ فتح دمشق کے بعد ابو عبیدہ دمشق کے گورنر مقرر ہوئے۔ شرجیل کو یردن کا والی بنایا۔ اور عمرو عاص کو فلسطین کی گورنری سپرد کی گئی۔ پھر یزید بن ابی سفیان شام کا گورنر مقرر ہوا جب عمرو عاص نے مصر کا ملک فتح کر لیا تو مصر کی حکومت اس کے سپرد کی گئی۔ پھر یزید بن ابی سفیان مر گیا۔ سنہ ۱۹ھ میں یزید کی موت کی خبر حضرت عمر کے پاس ایسے وقت پہنچی جب ابو سفیان دربار میں موجود تھا۔ حضرت عمر نے خط پڑھ کر ابو سفیان سے اظہار رنج و ملال کیا۔ جوان بیٹے کی خبر موت سن کر ابو سفیان کو سب سے پہلے دمشق کی حکومت کا ہی خیال آیا۔ پوچھا کہ آپ یزید کی جگہ پر کس کو مقرر کر رہے ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا اس کے بھائی معاویہ کو۔ ابو سفیان نے خوش ہو کر کہا کہ حضور نے قرابتداری کے حق کا لحاظ رکھا۔ حضرت عمر نے معاویہ کے اس تقرر کے ساتھ ہی ساٹھ ہزار اشرفی ماہوار گورنری کی تنخواہ بھی مقرر فرما دی (استیعاب جلد ا صـ۲۵۳) شرجیل میں چونکہ ظاہری تزک و احتشام آ گیا تھا۔ اور وہ نمائش کو بہت پسند کرتا تھا۔ اس لیے اسے گورنری سے معزول کر کے یہ علاقہ بھی عمرو عاص کے سپرد کر دیا گیا۔ جب عمرو عاص مصر کا حاکم مقرر ہوا تو یردن کا علاقہ بھی اولاد ابی سفیان کو سونپ دیا گیا۔ ابو عبیدہ سنہ ۱۸ھ کی وبائے طاعون میں فوت

ہو گئے۔ انہوں نے اپنا جانشین معاذ کو بنایا تھا، معاذ بھی چند روز کے بعد فوت ہو گئے۔ اس لیے معاویہ بن ابی سفیان شام، اردن اور فلسطین کے گورنر جنرل بنا دیے گئے۔ خالد کو قنسرین کا حاکم بنایا گیا۔ مگر ان کی بڑھتی ہوئی شہرت اور ہر دلعزیزی کے پیش نظر ان کو معزول کر دیا گیا۔

سعد بن ابی وقاص کو عراق کا گورنر مقرر کیا گیا مگر چند سال بعد ۲۱ھ میں انہیں معزول کر دیا گیا۔ ان کی جگہ عمار کا تقرر ہوا مگر کچھ عرصہ بعد ان کی جگہ ابوموسیٰ اشعری کا تقرر ہوا مگر ان کے خلاف شکایات کی بنا پر انہیں واپس بلا لیا گیا۔ ان کی جگہ مغیرہ کو عراق کا گورنر مقرر کیا۔ بصرہ کا گورنر عتبہ تھا مگر آرام طلب ہونے کی وجہ سے اسے معزول کر دیا گیا۔ اور مغیرہ بن شعبہ کو گورنر بنایا گیا۔ بصرہ کے باشندوں نے اس پر زنا کا الزام عائد کیا۔ حضرت عمر نے اسے معزول کر کے ابوموسیٰ کو ان کی جگہ بصرہ کا گورنر بنایا۔ ابوموسیٰ بھی بصرہ کے لوگوں کے الزامات سے نہ بچ سکے۔ حضرت عمر نے انہیں بصرہ سے تبدیل کر کے کوفہ کا گورنر بنا دیا۔ حضرت عمر گورنروں کے معاملے میں بہت سخت گیر تھے۔ ولایت مصر کے ایک حاکم عیاض بن غنم کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ ریشمی لباس پہننے لگے ہیں۔ حضرت عمر نے انہیں ڈانٹا اور ان کا ریشمی لباس اتروا کر اونٹ کی اون کا موٹا عربی لباس پہنوایا اور انہیں عصا دے کر کہا کہ جاؤ بکریاں چراؤ۔ اس نے عذر کیا تو اس کے جواب میں فرمایا "تمہارے باپ دادا یہی کام کیا کرتے تھے پھر اب تمہیں اس کام سے کیوں عار ہے۔"

اولادِ ابی سفیان سے امتیازی سلوک

جب ہم دوسرے گورنروں

سے اس سخت گیرانہ سلوک کو پڑھتے ہیں اور اس کے برخلاف اموی خاندان یعنی
اولاد ابی سفیان سے امتیازی مراعات دیکھتے ہیں تو ہماری حیرت کی کوئی انتہا
نہیں رہتی۔ حضرت عمر کو یقیناً علم تھا کہ یہی وہ خاندان ہے کہ جب تک ان کا
بس چل سکا یہ سرکار رسالتؐ سے برسرِ پیکار رہے۔ یہ وہی ابوسفیان تھے
کہ جب حضرت عباس مکہ کی فتح کے دن اسے ساتھ لیے رسول اللہؐ کے
لشکر میں پہنچے تھے تو حضرت عمر تلوار لے کر جھپٹ پڑے تھے اور کہا تھا
میں اس دشمنِ خدا کو قتل کروں گا۔ حضرت عباس نے منع کیا تھا۔ حضرت عمر
جیسے سیاست دان کو یہ بھی علم تھا کہ یہ لوگ دل سے مسلمان نہیں ہیں حضرت
عمر کو یہ بھی علم تھا کہ جنگِ حنین میں جب مسلمانوں کی اکثریت میدانِ جنگ
سے پسپا ہوئی تو ابوسفیان نے کہا تھا "بس جادو ختم ہوگیا۔ (مدارج النبوۃ)
وہ یہ بھی جانتے تھے کہ حضرت علی جیسے نقاد نے ان کے اسلام کے متعلق
فرمایا ہے۔ ما اسلموا ولکن استسلموا "یہ لوگ حقیقتاً اسلام نہیں لائے
بلکہ اسلام کے سامنے جھک گئے" اور انہیں اس کا بھی علم تھا کہ رسول اللہ
ان کے بارے میں بڑی احتیاط فرماتے تھے۔ ان کو عام مسلمانوں کے ساتھ
خلط ملط ہونے نہیں دیا جاتا تھا۔ اور نہ ان کو مسلمانوں پر حاکم
بنایا جاتا تھا۔ بلکہ اکثر تحفہ تحائف دے کر ان کی دلجوئی کی جاتی تھی تاکہ
یہ لوگ اپنے مخالفِ اسلام انداز بھول جائیں۔ اور اگر یہ نہیں تو ان کی آیندہ
نسلیں اسلام میں رہ کر امن دامان کی زندگی اختیار کرلیں۔ اور سچے
مسلمان بن جائیں۔ حضرت عمر کو یہ بھی علم تھا کہ بیعت خلافت ابی بکر سے

وقت اسی ابی سفیان نے حضرت علی کے جذبات کو ابھارنے کی کوشش کی تھی۔ اور مسلمانوں میں خانہ جنگی چاہتا تھا۔ اگر حضرت علی جذباتی انسان ہوتے مسلمان اسی وقت خانہ جنگی میں مبتلا ہو جاتے اور اسلام کی بنیاد ہل جاتی۔ یہ تھے جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو تباہی سے بچالیا۔ اور اسے ڈانٹ کر کہا تو ہمیشہ اسلام اور اہلِ اسلام کا دشمن رہا (استیعاب جلد ا صفحہ ۳۴۵ جلد ۲ صفحہ ۱ مطبوعہ حیدر آباد دکن، صواعق محرقہ صفحہ ۳۷ مطبوعہ مصر) حضرت عمر کے سیاسی میں یہ بات بھی یقیناً محفوظ ہو گی کہ جنگ یرموک میں جبکہ مسلمانوں کا مقابلہ سلطنت روم کے لشکر سے تھا اور معرکہ کارزار گرم تھا تو اس وقت ابوسفیان دور کھڑا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ جب رومیوں کو غلبہ حاصل ہوتے دیکھتا تو کہتا شاباش اے ملک روم کے بہادرو۔ اور جب مسلمانوں کو ذرا تقویت حاصل ہوتی تھی حسرت و یاس سے کہتا تھا کہ سلطنت روم کے پُرشوکت بادشاہوں کا نام مٹتے ہوئے نظر آتا ہے۔ عبداللہ ابن زبیر نے اس واقعہ کو دیکھ کر اپنے باپ زبیر سے بیان کیا تھا۔ اس پر جب مسلمانوں کو فتح ہوئی تو زبیر نے کہا، خدا اسے غارت کرے، یہ نفاق سے باز نہیں آئے گا۔ کیا ہم اس کے لئے رومیوں سے بہتر نہیں ہیں۔ (استیعاب)

حضرت عمر کا ایک ایسے خاندان کو برسرِ اقتدار لانا، ابوسفیان کے بیٹے یزید کو شام جیسے زرخیز صوبہ کا گورنر مقرر کرنا، اس کے مرنے پر ساٹھ ہزار اشرفی ماہانہ پر اس کے بھائی معاویہ کو اس کی جگہ مقرر کرنا اور اسے برابر ترقی دیتے جانا یہاں تک کہ تین حاصل خیز صوبوں، شام، فلسطین اور یردن کو پورے

طور پر اس کے سپرد کر دینا تاریخ کے طالب علم کے لیے سرمایۂ حیرت ہے اور پھر ہماری حیرت کی انتہا نہیں رہتی جب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر دوسرے گورنروں کو معمولی معمولی باتوں پہ باز پرس کر رہے ہیں۔ ڈانٹ رہے ہیں۔ حتیٰ کہ معزول بھی کر رہے ہیں۔ مگر اس کے برخلاف اس خاندان کی کج رویوں کو برداشت کیا جاتا ہے۔ اور ان کے بارے میں بے بسی کا اظہار کیا جاتا ہے۔

حضرت عمر ملک شام میں تشریف فرما تھے تو صبح شام جب معاویہ ان کی ملاقات کو آتے ہر وقت جدا تازہ جلوس سواری ہوتا۔ حضرت عمر نے اس شان و شکوہ کو مشاہدہ فرما کر صرف اتنا ان سے ارشاد فرمایا کہ صبح کو اور جلوس ہوتا ہے شام کو اور، یہ بھی تذکرہ کیا کہ سنتا ہوں کہ ہر صبح کو تمہارے برآمد ہونے سے پہلے تمہارے دروازہ پہ اہل حاجات کا مجمع تمہارا منتظر رہا کرتا ہے۔ معاویہ نے جواب دیا کہ دشمن یعنی قیصر روم قریب ہے۔ اور اس کے جاسوس یہاں پھیلے ہوئے نگران حال ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ خوب شان و شوکت اسلام دیکھیں۔ حضرت عمر نے فرمایا یہ سمجھ دار آدمی کا دھوکا اور زیرک و ہوش مند کا فریب ہے۔ معاویہ نے کہا۔ آپ جو کچھ فرمائیں اس پہ کاربند ہوں۔ حضرت عمر نے ارشاد کیا کیا خوب؟ حالت تو یہ ہے کہ میں جس امر میں بھی بقصد اعتراض تم سے سلسلۂ کلام شروع کرتا ہوں تم مجھ کو ایسا متحیر بنا دیتے ہو کہ کچھ نہیں سمجھ میں آتا کہ کیا کہوں اور کیا کروں (طبری جلد ۶ صفحہ ۱۸۴) اللہ اللہ یہ ہے بے بسی۔

حضرت عمر کے اس امتیازی رویہ پر دوسرے گورنروں کے ساتھ اتنی سخت گیری پر اور اولادِ ابی سفیان کے مقابلہ میں اتنی بے بسی پر ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہم تو مسلمان ہوتے کیا کہہ سکتے ہیں۔ ع

خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید

اگر کہیں بھی تو صرف اس قدر ؎

گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

رموزِ سلطنت خویش خسرواں دانند

البتہ ان حالات کو پڑھ کر ایک غیر مسلم کے ذہن میں حضرت عمر کے متعلق مختلف احتمالات ہو سکتے ہیں اور وہ اس صورتِ حالات کے پیش نظر کہہ سکتا ہے :-

۱- یا تو حضرت عمر خاص سیاسی مصالح کی وجہ سے اس خاندان کی تالیف قلب کرنا چاہتے تھے۔

۲- یا ان سے خائف تھے اور ایک ایسے خطرناک عنصر کو انہوں نے مرکزی مقاموں سے دور کرنے کی ایک صورت نکال لی تھی۔

۳- یا وہ حزبِ اختلاف کو دبانے کے لیے ایک ایسے گروہ کو برسرِ اقتدار رکھنا چاہتے تھے۔ جس کی بنی ہاشم اور خاندانِ رسالت سے خاندانی عداوت عرب بھر میں مسلمہ تھی۔ خاندانِ ابوسفیان کے اس اقتدار کے جو نتائج اسلام کے لیے، اہلِ اسلام کے لیے اور بالخصوص خاندانِ رسالت کے لیے برآمد ہوئے وہ کروڑہا انسانوں کو خون کے آنسو

رلا رہے ہیں۔ سیاست کی دنیا بھی عجیب ہے۔ بہت سے نتائج توقع کے خلاف بھی برآمد ہوتے ہیں اور توقع سے بڑھ کر بھی اور توقع کے مطابق بھی۔ اس سے زیادہ کیا کہا جا سکتا ہے۔

سوالات

۱۔ سرکار رسالت کے زمانے میں تقسیم دولت کا کیا طریق کار تھا؟ حضرت عمر نے مسلمانوں کو مختلف طبقوں میں تقسیم کرکے اسے کس طرح بدلا؟

۲۔ اس امتیازی تقسیم دولت میں اہل بیتؑ کے لیے کوئی تعین کیوں نہیں؟

۳۔ سرکار رسالت کے بعد اہل بیت کن کن اقتصادی مفادات سے محروم کیے گئے؟

۴۔ حضرت عمر نے سن ہجری کی ترویج کیوں، کس کے مشورہ سے اور کس طرح فرمائی؟

۵۔ حضرت عمر کے زمانہ کی ایک ناکام مہم اور اس میں جانی نقصان کو بیان کیجیے۔

۶۔ حضرت عمر کے ملکی اور فوجی انتظامات کو بیان

کیجئے اور بتلائیے کہ انھوں نے کون کون سے نئے محکمے قائم کیے اور ان محکموں کے انتظامات امتیازی طور پر کن کے سپرد کیے ؟

۷۔ عراق کے زرعی بندوبست کے لیے کیا دقت پیش آئی۔ اور اس دقت کو کس شخص کی فنی قابلیت نے دور کیا ؟

۸۔ بندوبست اور ٹیکسیشن کے سلسلہ میں عثمان بن حنیف کی حسن کارکردگی کو تفصیل سے بیان کیجئے۔

۹۔ حضرت عثمان بن حنیف کے مقرر کردہ جزیہ ٹیکس اور مالیہ کو بیان کرکے تبلائیے کہ ان سے ملکی آمدنی میں کس قدر اضافہ ہوا۔ نیز تبلائیے کہ عثمان بن حنیف کی تنخواہ کیا تھی ؟

۱۰۔ سلطنت کے مختلف عہدوں کے تقرر، تبادلہ اور برطرفی کے متعلق حضرت عمر کے طریق کار کو بیان کیجئے۔

۱۱۔ یزید بن ابی سفیان کی موت کو بیان کرکے اس کی جگہ اس کے بھائی معاویہ کے تقرر اور اس کی امتیازی تنخواہ کو بیان کیجئے۔

۱۲۔ حضرت عمر کے خلاف معمول اولاد

ابی سفیان سے امتیازی سلوک کی ایک غیر مسلم کی نظر میں کیا وجوہات ہو سکتی ہیں؟

۱۳۔ خاندان ابی سفیان کی خلافِ اسلام حرکات کو بیان کر کے ان کے بر سر اقتدار آنے پر جو نتائج برآمد ہوئے انہیں بیان کیجئے۔

چوبیسواں باب

حضرت عمرؓ کا زخمی ہونا

اور انکی علالت، نظام حکومت کے متعلق شوری کمیٹی کا تقرر اور انکی وفات

حضرت عمر کا زخمی ہونا ۲۳ھ ۲۴ ذی الحجہ کو ایک شخص نے جس کا نام ابو لولو فیروز تھا حضرت عمر کو زخمی کر دیا (تاریخ ابوالفدا) حضرت عمر کی فتوحات کے زمانہ میں یہ قاعدہ تھا کہ جنگی قیدیوں کو بطور غلام ان لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا جنہوں نے اس جنگی مہم میں حصہ لیا ہوتا۔ ان غلاموں کے آقا ان کی کمائی کو مالکانہ طور پر سے کچھ حصہ ان کے بیوی بچوں کے اخراجات کے لیے دے دیا کرتے تھے۔ یہ ابو لولو فیروز ایسے ہی غلاموں میں سے ایک تھا۔ اور یہ حضرت عمر کی سلطنت کے ایک رکن مغیرہ بن شعبہ کے حصہ میں آیا تھا۔

بویب کی فتح کے بعد حضرت عمر نے سفیر کے طور پر انہیں ایران بھیجا تھا اور نہاوند کی لڑائی میں جن آدمیوں کو یکے بعد دیگرے سرداری لشکر کے

عہدے کے لیے نامزد کیا تھا۔ ان میں سے ایک مغیرہ بن شعبہ بھی تھے جب عربی لشکر نہاوند پہنچا تو ایرانیوں سے مصالحت کی گفتگو کے لیے مغیرہ پھر سفیر مقرر ہوئے۔ نہاوند کی لڑائی میں مغیرہ میسرہ (LEFT WING) کے سردار تھے۔ ہمدان کی مہم میں مغیرہ سپہ سالار تھے۔ حضرت عمر کے زمانے میں بصرہ اور کوفہ کے گورنر تھے۔ المختصر ابو لولو فیروز مغیرہ بن شعبہ کا غلام تھا۔ اس نے حضرت عمر سے شکایت کی تھی کہ میرا آقا مغیرہ بن شعبہ مجھ سے زیادہ مالکانہ لیتا ہے۔ آپ اسے کم کرا دیجئے۔ حضرت عمر نے دریافت کیا تمہارا مالک کیا لیتا ہے۔ اس نے کہا دو درہم روزانہ۔ آپ نے فرمایا، تم ایک صناع ہو، تمہاری آمدنی کافی ہو گی۔ دو درہم ادا کرنا تمہارے لیے کوئی زیادہ نہیں ہے۔ وہ اس جواب سے رنجیدہ ہو گیا۔ چند روز بعد اس نے اسی رنج میں حضرت عمر پر حملہ کر کے انہیں زخمی کر دیا۔

حضرت عمر کی علالت اور علاج

جب حضرت عمر زخمی ہوئے تو قبیلۂ بنی حارث کا ایک طبیب بلایا گیا۔ اس نے حضرت عمر کو نبیذ پلائی جو کہ بجنسہ خارج ہو گئی۔ پھر دودھ پلایا وہ بھی اسی طرح خارج ہو گیا۔ یہ دیکھ کر اس طبیب نے کہا امیرالمومنین آپ کو جو وصیت کرنا ہو کیجئے۔[1]

حضرت عمر کی وصیت

حضرت عمر نے اپنے بعد خلیفہ کے تقرر کے لیے اس طرح وصیت کی۔ علیؓ[1] عثمانؓ[2]

---

[1] تاریخ کامل، تاریخ احمدی صہ۱۴۳

عبدالرحمٰنؓ بن عوف، سعدؓ بن ابی وقاص۔ زبیرؓ بن العوام، طلحہؓ بن عبیداللہ سے جسے چاہو خلیفہ بنالینا۔ اگر پانچ آدمی متفق ہوں اور ایک مخالف ہو تو اس کو قتل کر دینا اگر چار متفق ہوں اور دو اختلاف کریں تو ان دونوں کو قتل کر دینا۔ اگر تین ایک طرف ہوں اور تین دوسری طرف ہوں تو جس طرف عبدالرحمٰن ہوں اس کو خلیفہ بنانا اور دوسری طرف کے تینوں آدمیوں کو قتل کر دینا[1]۔

آج کل جمہوریت کا زمانہ ہے۔ پنچایت کمیٹیوں، میونسپل کمیٹیوں، ڈسٹرکٹ بورڈوں، اسمبلیوں اور قومی پارلیمنٹوں میں ووٹوں پر فیصلے ہوتے ہیں، مگر ناکامیاب ہونے والوں کو کہیں بھی قتل نہیں کیا جاتا۔ وہ حزب اختلاف میں رہتے ہیں اور نظام ملکی کی اصلاح کے لیے ایک اچھے حزب اختلاف کی اہمیت کو ہر جگہ تسلیم کیا جا رہا ہے۔ حضرت عمر کا یہ حکم آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ جن صحابۂ رسولؐ کو ووٹ کم ملیں وہ سب قتل کر دیے جائیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ووٹ دینا دوسروں کا کام ہے مگر قتل کیے جائیں گے وہ جن کو کم ووٹ ملیں۔ یہ ان بزرگوار کا حکم ہے کہ جو حسبنا کتاب اللہ (کتاب خدا کافی ہے) کے مدعی ہیں۔ خدا معلوم انہوں نے یہ شوریٰ کے متعلق فتویٰ قتل کس آیت قرآنیہ سے استنباط فرمایا ہے۔ اس قرآن میں جس پر ہم سب مسلمانوں کا ایمان ہے۔ کوئی ایسی آیت موجود نہیں ہے۔

شوریٰ کمیٹی پر حضرت علیؑ کا تبصرہ

حضرت عمر کی اس وصیت پر حضرت علیؑ نے حضرت

[1] تاریخ طبری جلد ۵ ص ۳۵

عباس سے فرمایا۔ اس دفعہ بھی سلطنت دوسروں میں گئی۔ حضرت عباس نے پوچھا کیونکر؟ حضرت علیؑ نے فرمایا وصیت کے یہ الفاظ قابل غور ہیں کہ اگر اہل شوریٰ میں دونوں طرف تعداد برابر ہو تو اس کو ترجیح دینا جدھر عبدالرحمٰن ہوں۔ اب عبدالرحمٰن تو عثمان کے نسبتی اور سعد کے چچا زاد بھائی ہیں یہ تینوں ایک طرف ہو جائیں گے۔ جناب عباس بولے ہم نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ یہ لوگ تو خاندان رسولؐ کو سلطنت سے ہمیشہ الگ ہی رکھیں گے۔

اصحاب شوریٰ پر حضرت عمر کا تبصرہ

حضرت عمر نے اپنی وصیت پر لوگوں سے دریافت کیا کہ میرے بعد تم کس کو خلیفہ کرنا چاہتے ہو۔ ایک شخص نے کہا زبیر بن العوام کو۔ حضرت عمر بولے تو کیا ایسے شخص کو خلیفہ کرو گے جو ایک بخیل اور بداخلاق آدمی ہے۔ پھر دوسرے شخص نے کہا ہم طلحہ کو خلیفہ کریں گے حضرت عمر نے فرمایا ایسے آدمی کو کیا خلیفہ کرو گے جس نے رسولؐ کی عطا کی ہوئی زمین کو ایک یہودیہ کے ہاں رہن کر دیا۔ یہ سن کر ایک تیسرے شخص نے عرض کیا کہ ہم علی کو خلیفہ کریں گے۔ حضرت عمر نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے میری جان کی۔ تم علی کو خلیفہ نہ کرو گے۔ بخدا اگر علی کو خلیفہ کرو گے تو چاہے تم ناخوش ہی کیوں نہ ہو وہ تم کو امر حق پر قائم کیے بغیر نہیں رہیں گے۔ یہ سن کر ولید بن عقبہ بولا کہ میں سمجھ گیا کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا؟ حضرت عمر اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور انہوں نے پوچھا کون؟ ولید نے کہا

عثمان۔ اور حذیفہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر سے جب وہ مدینے میں تھے پوچھا گیا کہ آپ کے بعد کون شخص آپ کا خلیفہ ہوگا۔ انہوں نے فرمایا کہ عثمان بن عفان[1]

لوگوں نے کہا، اے امیرالمومنین (عمر) ایسی بات کہو کہ جس سے تمہاری رائے ہم معلوم کریں۔ اور اس کی اقتدا کریں۔ حضرت عمر نے کہا، قسم اللہ کی کوئی چیز مانع نہیں لے سعد کہ میں تجھے خلیفہ کر دل مگر تیری سختی اور بد مزاجی طراتی ہے۔ اور نیز تو جنگ جو شخص ہے۔ اے عبدالرحمٰن کوئی مانع بجز اس کے نہیں کہ تو اس امت کا فرعون ہے۔ اے زبیر تیرے واسطے سوائے اس کے کوئی مانع نہیں کہ تو رضامندی میں مومن اور ناراضگی مین کافر ہوتا ہے۔ اور تیرے واسطے اے طلحہ کوئی امر مانع نہیں سوائے تیرے فخر اور تکبر کے۔ اگر تو خلافت کا مالک ہو جائے تو مہر اپنی زوجہ کی انگلی میں دے دیگا۔ یعنی جو وہ کہے گی تو اسی پر عمل کرے گا۔ اور اے عثمان تجھے تیرے لیے کوئی اور امر مانع نہیں سوائے تیری محبت کے جو تو اپنے قوم و قبیلہ سے رکھتا ہے۔ اور اے علی تیرے واسطے کوئی امر مانع نہیں سوائے اس کے کہ تو اس کی بہت حرص رکھتا ہے اور بتحقیق اگر تو والی ہو جائے تو واقعی تو قوم سے لائق تر ہے (الامامتہ والسیاستہ ج ۱ ص ۲۳)

شوریٰ کے متعلق معاویہ کی رائے

علامہ ابن عبد ربہ نے لکھا ہے کہ ابن حصین سے معاویہ نے کہا تو بڑا ذہین ہے۔ بتا کہ کونسا امر مسلمانوں میں پراگندگی اور اختلاف کا باعث

[1] کنزالعمال، تاریخ احمدی ص ۱۴۳

ہوا کہا لوگوں کا حضرت عثمان کو قتل کرنا معاویہ نے کہا نہیں۔ کہا پھر علی کا خلیفہ ہونا اور آپ سے جنگ کرنا، کہا نہیں۔ کہا جنگ جمل ہونا۔ کہا یہ بھی نہیں۔ سنو یہ سب شوریٰ کی وجہ سے ہوا جو حضرت عمر نے چھ آدمیوں کے درمیان قائم کیا تھا[1]

شوریٰ کے متعلق جسٹس سید امیر علی کی رائے

خلافت کو شوریٰ پر چھوڑنے میں خلیفہ ثانی سے ایسی غلطی سرزد ہوئی جس نے بنی امیہ کی سازشوں کے لیے راستہ صاف کر دیا۔ خاندان بنی امیہ کے ممبر حضرت عثمان خلیفہ ہوئے۔ جن کا انتخاب آخر کو تباہی اسلام کا باعث ہوا[2]

وصیت کو عملی جامہ پہنانے کیلیے حضرت عمر کا فرمان

حضرت عمر نے صہیب (یا ابوطلحہ) سے ارشاد کیا کہ تین دن تک لوگوں کو نماز پڑھائے اور ان چھ آدمیوں کو (جن میں امر امانت منحصر کیا گیا ہے) ایک مکان میں داخل کرکے ان کے سروں پر کھڑا ہو۔ پس اگر ان میں سے پانچ آدمی باہم اتفاق کریں اور ایک شخص اختلاف کرے تو اس کا سر اڑا دے اور اگر چار شخص متفق ہوں اور دو آدمی انکار کریں تو ان دونوں کے سر کاٹ لے۔ اور اگر تین آدمی ایک رائے پر ہوں تو فیصلہ کے لیے عبداللہ بن عمر کو حکم قرار دے

---

[1] عقد فرید جلد ۲ ص ۲۰۳

[2] انگریزی تاریخ اسلام سید امیر علی، تاریخ اسلام جلد ۳ ص ۱۲۳

اور اگر یہ لوگ عبداللہ بن عمر کا حکم ہونا منظور نہ کریں تو جس گروہ میں عبدالرحمن ہوں اس گروہ کو اختیار کر کے باقی اشخاص کو قتل کر دینا۔[1]

حضرت عمر کی وفات

آخر ذی الحجہ شنبہ کے دن حضرت عمر نے وفات پائی[2]۔ اور وہ حضرت ابوبکر کے پہلو میں دفن ہوئے۔

---

[1] تاریخ کامل، تاریخ احمدی صفحہ ۱۳۲ [2] تاریخ ابوالفدا، تاریخ احمدی صفحہ ۱۳۲

سوالات

۱۔ حضرت عمر کے زمانہ میں جنگی قیدیوں کو کس طرح غلام قرار دیا جاتا تھا۔ پھر انہیں کس طرح فوجیوں کے سپرد کیا جاتا تھا اور وہ معاشی طور پر ان سے کیا سلوک کرتے تھے؟

۲۔ ابو لولو فیروز کس کا غلام تھا۔ اس کے آقا کی حکومت میں کیا پوزیشن تھی؟

۳۔ ابولولو فیروز کے قاتلانہ حملہ کی کیا وجہ ہوئی؟

۴۔ حضرت عمر کی علالت، ان کا علاج بیان کیجئے اور طبیب کی آخری رائے بتلایئے۔

۵۔ حضرت عمر نے تقرر حاکم کے متعلق کیا وصیت فرمائی؟

۶۔ اس وصیت کے غیر جمہوری پہلوؤں پر روشنی ڈالیے؟

۷۔ شوریٰ کمیٹی پر حضرت علی کا بافراست تبصرہ بیان کیجئے۔

۸۔ حضرت عمر نے اصحاب شوریٰ کے متعلق جس جس طریق پر ایک ایک شخص کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اسے بیان کرو۔

۹۔ معاویہ کی شوریٰ کے متعلق رائے بیان کرو۔
۱۰۔ شوریٰ کے متعلق جسٹس سید امیر علی کی کیا رائے ہے؟
۱۱۔ حضرت عمرؓ نے شوریٰ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کیا حکم دیا تھا؟
۱۲۔ حضرت عمرؓ نے کب وفات پائی؟

مسلمانوں کی تاریخ

دور خلفائے ثلاثہ

(۳)

حضرت عثمان

محرم ۲۴ھ تا ذی الحجہ ۳۵ھ

نومبر ۶۴۴ء تا ۱۷ جون ۶۵۶ء

۱۲ سال

پچیسواں باب

اسلام مذہبِ مساوات

تقسیمِ دولت اور اسلام

DISTRIBUTION OF WEALTH AND ISLAM.

مذہب کی ضرورت

اس عالم کے نظام کو قائم رکھنے کے لیے دنیا کو مذہب کی ضرورت ہے جتنا دنیا مذہب سے دور ہوتی جائے گی۔ اتنا ہی بےچین و مضطرب ہوتی جائے گی۔ موجودہ زمانہ باوجودیکہ علوم و فنون کا زمانہ ہے ایجادات و انکشافات و اختراعات کا زمانہ ہے۔ مگر پھر بھی جس قدر بے چین مضطرب اور مشکلات میں مبتلا ہے۔ اس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی اس کی صرف یہی وجہ ہے کہ دنیا مذہب سے دور ہو گئی ہے۔ موجودہ زمانے کے حکمائے مادیین اور مفکرین نے اب اسے محسوس کرنا شروع کر دیا ہے کہ سکونِ قلب اور طمانیت نفس کے لیے مذہب کی ضرورت ہے اور

وہ مذہب ایسا ہونا چاہیئے جو انسان کو دنیاوی مسرتوں اور اخروی راحتوں سے مالامال کر سکے۔ چنانچہ ہم اس مقدمہ میں اسی بات کو بیان کریں گے۔ کہ بنی نوع انسان کو مذہب کی ضرورت ہے۔ اور وہ مذہب معاش و معاد کا جامع ہونا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں ایک مغربی شاعر کہتا ہے۔

TIS RELIGION WHICH CAN GIVE SWEATEST PLEASURES WHEN WE LIVE TIS RELIGION WHICH CAN SUPPLY ETERNAL COMFORTS WHEN WEDIE.

"ایسا مذہب کہ جو انسان کو دنیاوی زندگی میں شیریں ترین مسرتیں مہیا کر سکے، ایسا مذہب کہ جو انسان کو مرنے کے بعد ابدی راحتیں دے سکے۔"

ہم اس مقدمہ میں مذہب کی ضرورت کے صرف ایک پہلو پر روشنی ڈالیں گے۔ اس دنیا میں بہترین معاشرت اور بہترین تمدن کے لیے حسن معاشرت اور حسن تمدن کے لیے سکون قلبی اور طمانیت کے لیے مذہب کی ضرورت ہے۔

انسان اور احتیاج

انسانیت اور احتیاج لازم وملزوم ہیں۔ انسان محتاج پیدا ہوتا ہے محتاج جیتا ہے اور محتاج مرتا ہے۔ اور پھر اس کی حاجتیں محدود نہیں بلکہ نامحدود ہیں۔ یہ چاہتا ہے کہ اس کی حاجتیں تمام کی تمام پوری ہوں۔ اور پھر یہ انسان بالفاظ قرآن "عجول"

یعنی جلد باز بھی ہے۔ چاہتا ہے کہ میری حاجتیں جلد سے جلد پوری ہوں اور پھر یہ اپنی خود غرضی سے یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کی حاجتوں کو دوسروں کی حاجتوں پر ترجیح ہو۔ یہ خود غرضی پھر یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ یہ چاہتا ہے کہ دوسرے بنی نوع انسان کے مقابلہ میں اس کی اولاد، اس کے خاندان اور اس کے قبیلہ کی حاجتیں پوری ہوں۔ اگرچہ دوسروں کی حاجتوں کو تلف و تباہ کرنا پڑے۔ اس صورت میں مختلف انسانوں کی حاجتوں میں ٹکراؤ اور تصادم ضروری ہے۔ جو معاشرت و تمدن کی تباہی کا سبب ہے۔ چونکہ حاجات کے ایفا کے لیے مختلف منزلیں ہیں جنکو علمائے معاشیات نے اس طرح بیان کیا ہے:۔

۱۔ احتیاج	WANT
۲۔ خواہش	DESIRE
۳۔ جدوجہد	STRUGGLE
۴۔ اطمینان	SATISFACTION

احتیاج سے اطمینان تک چار درجے ہیں۔ ان میں درمیانی دو منزلیں نہایت طوفان خیز ہیں۔ خواہش اور جدوجہد دنیا کے تمام فتنہ و فساد کا سبب ہے۔ اس سے ہی اختلال معاشرت و اختلال تمدن ہوتا ہے اور دنیا بدترین مشکلات میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اس لیے دنیا میں اطمینان کے لیے ایک قانون کی ضرورت ہے جو تمام بنی نوع انسان کی جائز حاجتوں کے ایفا کا کفیل ہو۔ اسی قانون کو مذہب کہتے ہیں۔

دنیا میں اطمینان کے لیے کیسے مذہب کی ضرورت ہے؟

دنیا میں اطمینان کے لیے حسن معاشرت و حسن تمدن کے لیے قانون کی ضرورت ہے۔ اب یہ قانون اگر کوئی انسان بنائے گا تو وہ اپنی حاجتوں، اپنی خواہشوں کو دوسرے انسانوں کی خواہشوں پر ترجیح دے گا۔ اپنی ذات کی، اپنی اولاد کی، اپنے خاندان کی اپنے ملک کی حاجتوں کو پورا کرنے کی سہولتیں مہیا کرے گا۔ اگرچہ اس سے دوسرے انسانوں کی حاجتوں کو پس پشت ڈالنا پڑے۔ اگرچہ انہیں تباہ و برباد کرنا پڑے۔ اسی طرح اگر یہ قانون کوئی جماعت بنائے گی۔ تو ایسی جماعت بھی تقسیم دولت، تقسیم اقتدار اپنی جماعت کے افراد میں تقسیم کر کے دوسرے گروہوں کی تباہی کا ذریعہ ہو گی۔ جس سے اختلال معاشرت و تمدن لازم آئے گا۔

توحید اس لیے یہ قانون کسی ایسی ذات کی طرف سے واضح ہونا چاہیئے جو خود محتاج نہ ہو۔ اور ماں باپ، اولاد و خاندان کے رشتوں سے بلند و برتر ہو واحد و یگانہ ہو اور وہ صرف اللہ ہے۔ اس لیے کسی انسان کا بنایا ہوا یا کسی دستوریہ کا وضع کیا ہوا قانون امن کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ امن عالم کے لیے الٰہی قانون کی ضرورت ہے۔ اور اسی الٰہی قانون کو مذہب کہتے ہیں اور اس کا پہلا اصول توحید ہے۔

عدل قانون اسی صورت میں امن عالم کا کفیل ہو سکتا ہے جبکہ وہ مبنی لعدل ہو۔ اس لیے قیام امن کے لیے مذہب کا دوسرا اصول عدل

ہونا چاہیئے۔

دنیا میں وہی مذہب بنی نوع البشر کو اطمینان بخش سکتا ہے جس کے عقائد میں عقیدہ عدل موجود ہو۔

نبوّت اب ایسا قانون اللہ کی طرف سے کون لائے۔ اگر عام انسان جو خواہشات کا پتلا ہے لائے گا تو اس قانون کا اللہ کی طرف سے ہونا مبنی بر عدل ہونا بے کار ہو جائے گا۔ کیونکہ ایسا انسان اپنی خواہشات اور اپنے متعلقین کی خواہشات کے پیش نظر الٰہی اور مبنی بر عدل قانون کو صحیح طور پہ پہنچا نہیں سکے گا۔ اس لیے اس قانون کو لانے والا ایسا ہونا چاہیئے جو اپنی خواہش نفس سے لب تک نہ ہلائے، جو کچھ کہے وہ اللہ کی وحی ہو۔ خواہش سے بری ہونے کو عصمت کہتے ہیں اور خواہشات سے بلند انسان کو معصوم اس لیے امن عالم کے لیے ایسے مذہب کی ضرورت ہے جس کا تیسرا اصول معصوم مطلق انسان کی نبوّت ہے۔

امامت و خلافت نبی کے بعد اس قانون کی صحیح ترجمانی کے لیے اس قانون کے رواج کے لیے ایک ایسے انسان کی ضرورت ہے جو نبی کی طرح معصوم ہو۔ کیونکہ اگر وہ اس قانون کی ترجمانی میں اپنی اور اپنے متعلقین کی خواہش کو ترجیح دے گا۔ تقسیم دولت و تقسیم اقتدار میں اپنا، اپنے خاندان کا، اپنی اولاد اور اپنے قبیلہ کی برتری کا سبب ہوگا، تو اس قانون کا خدا کی طرف سے آنا اور اس کا مبنی بر عدل ہونا اور اسے نبی معصوم کا لانا بیکار ہو جائے گا۔ اس لیے قیام امن کے لیے چوتھا عقیدہ

امام معصوم و خلیفہ معصوم کا عقیدہ ہے۔ اگر خلیفہ اور امام معصوم نہ ہو اور خود غرضی یا دوست نوازی اور اقربا پروری اختیار کرے تو قانون الٰہی یعنی اسلام کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

قیامت اس مبنی بر عدل قانون کی نافرمانی کرنیوالوں کے لیے سزا اور فرماں برداری کرنے والوں کی جزا کے لیے ایک دن ہونا چاہیئے۔ یہ اسلام کا پانچواں اصول ہے۔ اس دن کے تصور سے زبردستوں کو ظلم کرنے کی جرأت نہ ہو اور زیردستوں کا حوصلہ پست نہ ہو۔

پس دنیا کے لیے ایک ایسے مذہب کی ضرورت ہے کہ جس کے یہ پانچ امن پرور اصول ہوں۔

الغرض امن عالم کے قیام کے لیے دولت اور اقتدار کی صحیح تقسیم نہایت ضروری ہے اور اسے معصوم اللہ کا نقیب ہی انجام دے سکتا ہے۔ خواہ وہ رسول ہو یا منصوص من اللہ خلیفہ رسول یا منصوص من اللہ امام۔ اگر یہ کام غیر معصوم پبلک کے نمایندہ کے ہاتھ میں چلا جائے گا تو اختلال معاشرت، اختلال تمدن، اختلال سلطنت کا سبب ہوگا اور مملکت میں اسی سے ہی فتنہ و فساد پیدا ہو جائے گا۔ اور دین کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ ہاں معصوم کی عدم موجودگی میں اس کام کو عادل انسان جس کی عدالت سرحد عصمت سے ملی ہوئی ہو انجام دے سکے گا۔

اس غیر معصوم انسان میں چار شرطوں کا ہونا ضروری ہے (۱) اپنے

نفس کی صیانت کرنے والا ہو (۲) دین کی حفاظت کرنے والا (۳)، اپنی خواہشِ نفس کی مخالفت کرنے والا اور (۴)، اللہ کا مطیع و فرماں بردار ہو۔

تقسیمِ دولت اور اسلام

۱۔ رسالت مآبؐ کے پاس جب مال خراج آتا تو آپ اسی دن مسلمانوں میں تقسیم فرما دیتے۔ شادی شدہ کو دُہرا اور کنوارے کو ایک حصہ دیتے تھے[1]

۲۔ اموالِ صدقات و زکوٰۃ میں سرکارِ رسالت کا مقرر کردہ دستور العمل یہ تھا کہ جس شہر سے یا قبیلہ سے یہ اموال وصول کیے جاتے وہ اسی شہر و قبیلہ کے محتاج افراد میں تقسیم کر دیے جاتے۔ جب کوئی محتاج ان میں نہ ملتا تب مرکز کو بھیجے جاتے۔ جو حکام اموال صدقات کی وصولی کے لیے مقرر کیے جاتے، ان کے تقرر کی غرض یہ نہ ہوتی کہ خراج جمع کر کے مرکز کو بھیجیں۔ بلکہ یہ امیروں سے وصول کر کے غریب مستحقین کو دے دیں۔ سرکارِ رسالتؐ نے جب اپنے صحابی معاذ کو یمن بھیجا تھا تاکہ وہ تبلیغ اسلام کریں۔ اور لوگوں کو نماز کی دعوت دیں۔ تو آپ نے انہیں تاکید کی تھی:۔

"جب یہ لوگ اسلام کا اقرار کرلیں تو ان سے یہ بھی کہنا کہ اللہ تعالےٰ نے تمہارے اموال میں زکوٰۃ فرض کی ہے جو

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۵، مسند احمد حنبل جلد ۲ صفحہ ۲۹، سنن بیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۴۶

تمہارے مالداروں سے وصول کی جائے گی اور تمہارے ناداروں کو لوٹا دی جائے گی[1]

حضرت عمر کی تقسیم مال کی پالیسی کو صحابہ نے پسند نہیں کیا۔

جب حضرت عمر نے بیت المال سے مسلمانوں کے مختلف وظیفے مقرر کیے۔ اور کسی خاص فضیلت کے سبب سے کسی کی زیادہ کسی کی کم تنخواہ مقرر کی تو صحابہ نے اس کمی بیشی کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ حضرت عمر نے ازواج پیغمبر کے وظائف برنسبت دیگر خواتین کے زیادہ مقرر کیے۔ پھر ازواج میں بھی تفریق رکھی۔ اسی طرح وہ مسلمان جنہیں جنگ بدر میں شرکت کی فضیلت حاصل تھی۔ ان کے وظائف ان لوگوں سے زیادہ تھے جو بدر میں نہ شریک ہوئے۔ مہاجرین کے وظائف انصار سے زیادہ تھے[2] لیکن پھر بھی اتنا تو تھا کہ حضرت عمر عام طور پر کسی مسلمان کو محروم نہیں کرتے تھے۔ تنخواہیں ہر ہر فرد کی بیت المال سے مقرر تھیں۔ وہ برسر منبر کہا کرتے تھے جسے مال کی ضرورت ہو وہ میرے پاس آئے۔ خداوند عالم نے مجھے خزانچی اور تقسیم کرنے والا قرار دیا ہے۔

تقسیم دولت اور قرآن

اللہ تعالے نے تقسیم دولت کے متعلق ایک واضح نصاب ایک قطعی دستور العمل قرآن حکیم

---

[1] صحیح بخاری جلد ۳ صہ ۲۱۵، الاموال ابی عبید صہ ۵ و صہ ۵۹۵ و صہ ۶۱۲ المحلی جلد ۶ صہ ۱۴۶۔ [2] اموال ابی عبید صہ ۲۲۴ و صہ ۲۲۷ فتوح البلدان بلاذری صہ ۴۵۳ و صہ ۴۶۴ سنن بیہقی جلد ۶ صہ ۳۴۹ و صہ ۳۵۰

میں مقرر کر دیا ہے۔

۱۔ یہ سمجھ رکھو کہ جو کچھ مال غنیمت ہاتھ آئے تو اس کا پانچواں حصہ خدا کے لیے، اس کے رسول کے لیے اور رسول کے قرابتداروں کے لیے اور یتیموں اور فقیروں اور پردیسیوں کے لیے ہے۔ (الانفعال)

۲۔ اموال و زکوٰۃ، فقرا و مساکین کے لیے ہے اور ان لوگوں کی تنخواہیں اس سے دی جائیں گی۔ جو وصولی پر مقرر کیے جائیں۔ مؤلفۃ القلوب لوگوں کے لیے ہے، غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے اور قرضداروں کے قرضے میں اور جہاد میں اور مسافروں میں۔ یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ بڑا علم والا اور بڑی حکمت والا ہے۔ (التوبہ آیت ۶)

۳۔ اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان سے دلوایا، تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ لیکن اللہ تعالےٰ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط فرما دیتا ہے اور اللہ تعالےٰ کو ہر چیز پہ پوری قدرت حاصل ہے جو کچھ اللہ تعالےٰ اپنے رسول کو دوسرے بستیوں کے لوگوں سے دلوائے وہ اللہ کا حق ہے اور رسول کا اور قرابتداروں کا اور یتیموں کا، اور غریبوں کا اور مسافروں کا۔ (سورۂ حشر آیت ۶-۷)

تقسیم دولت روحانی معاشیات کے لحاظ سے | مادی معاشیات

MATERIAL ECNOMICS کے لحاظ سے ذرائع (AGENTS OF PRODUCTION) چار ہیں۔ زمین

(Land) سرمایہ (CAPITAL) مزدوری (LABOUR)
اور تنظیم (ORGANITION) اس لیے مادیات تقسیم
دولت انہی چار حصوں میں تقسیم ہونا چاہیئے۔ مگر روحانی معاشیات۔
(SPIRITUAL ECNOMICS) میں ذرائع پیداوار AGENTS
OF PRODUCTION) تین ہیں:-
اللہ (DIVINE) سوسائٹی (Soceity) اور فرد (INDIVIDUAL)
اللہ تعالے:- پیداوار میں سب سے زیادہ حصہ اللہ تعالے کا ہے۔ روٹی
پیدا کرنے میں کسان تو زمین میں ہل چلاتا اسے صاف کرتا، بیج بوتا اور فصل
کاٹتا ہے مگر اللہ تعالے کا سارا کارخانہ قدرت روٹی پیدا کرنے کے
لیے کام کر رہا ہے۔ سورج بخارات پیدا کرتا اور ان کے بادل بناتا ہے
مون سون ہوائیں انہیں حرکت میں لاتی ہیں اور ان بادلوں کو دور دراز
ممالک میں لے جا کر پانی برساتی ہیں۔ ہوائیں ان کی تربیت کرتی ہیں، دریا
مختلف علاقوں سے گزر کر زرخیز مادے زمین میں ڈالتے ہیں۔ سورج اناج
کو پکاتا ہے اور چاند کی کرنیں اس میں مٹھاس پیدا کرتی ہیں۔ الغرض جب
سارا کارخانہ قدرت حرکت میں آتا ہے تو انسان کو روٹی کی شکل دیکھنا نصیب
ہوتا ہے۔ اسی لیے تو اللہ تعالے نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے۔ ءانتم
تزرعونہ ام نحن الزارعون (کیا تم زراعت کرتے ہو یا ہم زراعت کرتے
ہیں؟) ایک کارخانہ کو چلانے کے لیے کئی لاکھ کیوبک فٹ ہوا کی ضرورت
ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہوا کی سپلائی بند کرلے تو سب کارخانے بند ہو جائیں

سوسائٹی ۔ سوسائٹی پیداوار کو پیداوار بنانے کے لیے ضرورت اور بازار یا منڈی (DEMAND AND MARKET) بہم پہنچاتی ہے ۔ آپ کی پیداوار کی فروخت کے لیے منڈی نہ ہو اور آپ کی پیداوار کی سوسائٹی کو ضرورت نہ ہو تو یہ ساری پیداوار یونہی بے کار رہ جائے ۔

فرد ۔ فرد پیدا کرنے کے لیے اپنی طاقت، اپنا وقت اور اپنی مہارت فن (ENERGY, TIME AND TALENT) کو صرف کرتا ہے ۔ الغرض جب پیداوار کے یہی تین اہم ذرائع ہیں تو قانون عدل کا تقاضا ہے کہ پیداوار تین حصوں میں تقسیم ہو ۔ اسی مبنی بر عدل طریق پر اسلام نے دولت کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے ۔ اللہ کے حصہ کو خمس کہتے ہیں سوسائٹی کے حصہ کو زکوٰۃ اور فرد کے حصہ کو نفقہ کہتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کا حصہ اس کا نمائندہ (REPRESENTATIVE) اللہ کا نقیب جس کا تقرر اس کی طرف سے ہو اور جو معصوم ہو جیسے رسول، امام یا خلیفہ کے معزز القابات سے یاد کیا جائے گا ہو گا ۔ اور اس کی عدم موجودگی میں اس کا نائب جو عدل کی صفت سے موصوف ہو وصول کرے گا ۔ اور سوسائٹی کے حصہ کو بھی وہی وصول کر کے سوسائٹی میں تقسیم کرے گا ۔ اور اللہ کے حصہ کو امور الٰہیہ میں جیسے کہ قرآن مجید نے اس کی توضیح کی ہے صرف کرے گا فرد کا سب (کمانے والا) اپنے حصص کو اپنے پاس رکھ کر باقی دولت کو اللہ کے منصوص اور معصوم نمائندے یا اس کے نائب عادل کے سپرد کرے گا تاکہ تقسیم عادلانہ ہو اور حقداروں کو حق پہنچ جائے ۔

اللہ کے حصۂ خمس کے متعلق توضیحات

قرآن حکیم میں خمس کے متعلق پارہ ۱۰ کے شروع میں صریح حکم اس طرح پر ہے :-

یہ سمجھ لو کہ مالِ غنیمت جو کچھ ہاتھ آئے تو اس کا پانچواں حصہ خدا کے لیے، رسول کے لیے اور رسول کے قرابتداروں کے لیے اور یتیموں پردیسیوں کے لیے ہے۔ اگر تم اللہ پر جو کچھ اللہ کی طرف سے نازل ہوا ایمان رکھتے ہو۔ (الانفال)

اس حکم میں باربار تاکید ہے کہ اگر تمہارا خدا اور قرآن پر ایمان ہے تو خمس کو اس طرح تقسیم کردیعنی ایمان کا تقاضا ہے کہ اسے اس آیت کے مطابق تقسیم کیا جائے۔

ایسے واضح اور تاکیدی حکم پر بھی مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ شہنشاہ عالمگیر اورنگ زیب کے استاد ملّا جیون نے اس موضوع کو صراحت سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد خمس تین گروہوں میں ہی تقسیم کیا جائیگا۔ اس لیے کہ خدا کا ذکر تو تبرکاً ہے اور اسے حصّہ لینے کی ضرورت نہیں (کیا امورِ الٰہیہ جنہیں مذہب کہتے ہیں ان میں اخراجات کی ضرورت نہیں؟) اور نبیِٔ کریم کا حصّہ بھی آپ کی وفات کے ساتھ ساقط ہوگیا۔ (کیوں؟ کیا جن اغراض کے لیے حضورؐ مبعوث ہوئے تھے اور ان میں اخراجات کی ضرورت تھی نہیں رہی؟)

اور اہل بیت نبیؐ کا حصہ بھی نبیؐ کی وفات کے ساتھ ختم ہوگیا۔ اس لیے کہ ذی القربیٰ سے مراد بالاتفاق امت قرابت رسولؐ ہی ہے (لاریب) قریبی صرف نسبی بھی ہوتے ہیں۔ اور قریبی محبت والے بھی مراد ہیں۔ اس دلیل سے کہ نبی کریم صلعم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف ہیں اور حضرت عبدمناف کے چار بیٹے تھے، ہاشم، مطلب، عبدالشمس اور نوفل۔ حضرت عثمان عبدالشمس کی اولاد تھے اور جبیر بن مطعم نوفل کی اولاد تھے۔ پس نبی کریم نے خیبر کا خمس تقسیم فرمایا۔ تو ہاشم اور مطلب کی اولاد کو حصہ دیا۔ حضرت عثمان اور جبیر کو اصلاً کچھ نہ دیا۔ پس ان دونوں نے عرض کی یارسول اللہ آپ کی وجہ سے بنی ہاشم کی فضیلت میں کلام نہیں لیکن ہم اور مطلب کی اولاد برابر ہیں۔ کیا وجہ کہ آپ نے انہیں دیا اور ہمیں محروم رکھا پس نبی کریم نے فرمایا وہ بنی عبدالمطلب ہم سے جاہلیت اور اسلام میں علحدہ نہیں ہوئے۔ اور آپ نے تشبیہہ کے طور پہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں ملائیں۔ پس معلوم ہوا کہ قرابت صرف نسبی مراد نہیں اگر ایسا ہوتا تو آپ حضرت عثمان اور جبیر کو بھی بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کی طرح دیتے۔ پس جب قرابت سے مراد محبت والی قرابت ہے تو بے شک وہ قرابت اور محبت نبی کی وفات کے ساتھ فوت ہو گئی۔[1]

---

[1] تفسیرات احمدیہ ص۳۳۸ و روح المعانی الوسی۔

اس بیان سے دو باتیں ظاہر ہوئیں :۔

۱۔ بنی امیہ اور بنی نوفل کا خمس میں حصہ بالکل نہیں ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ کے الفاظ اور عمل سے ظاہر ہے۔

۲۔ دوسرے یہ عجیب بات ہے کہ کسی کی موت سے قرابت بھی ختم ہو جاتی ہے اور محبت بھی ختم ہو ئی ع

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

شیعہ اور شافعی خمس کو حق اہل بیت قرار دیتے اور حنفی نہیں، اس پر ملا جیون صاحب اس طرح لکھتے ہیں :۔

امام زاہد نے کہا ہے کہ ہمارے اور شافعی کے درمیان بنائے اختلاف یہ ہے کہ خبر متواتر کے ساتھ قرآن کا منسوخ ہونا ہمارے (حنفیوں کے) نزدیک جائز ہے اور شافعیوں کے نزدیک جائز نہیں، بے شک آل رسولؐ کا حصہ قرآن میں از روئے نص صاف مذکور ہے۔ اس پر خلفائے راشدون نے عمل نہیں کیا۔ پس آیۂ مبارکہ ہمارے نزدیک منسوخ ہو گئی اور شافعی کے نزدیک نہیں ہوئی۔[1]

سبحان اللہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ خلفائے ثلاثہ جو باتفاق غیر معصوم ہیں آیات قرآنیہ کو منسوخ کر سکتے ہیں یعنی غیر معصوموں کے فعل سے آیاتِ قرآنیہ منسوخ ہو جاتی ہیں، اس عقیدہ سے امپیریلزم کے لیے قرآن منسوخ کرنے کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔

---

[1] تفسیرات احمدیہ صفحہ ۴۳۷۔

پھر یہی ملا جیون صاحب لکھتے ہیں:۔

بعض کا قول ہے کہ خمس تمام اہل بیت نبیؐ کا حق ہے۔ کیونکہ نبیؐ کا حصہ آپ کی وفات سے ساقط ہو گیا اور یتیم مسکین اور ابن سبیل سے مراد بھی انہی میں سے ہیں۔ اور ان بعض میں سے حضرت علی ابن ابی طالب بھی ہیں[1] (یعنی حضرت علی کا یہ قول ہے کہ رسول اللہ ص کا حصہ ان کی اہل بیت میں جو ان کے وارث ہیں منتقل ہو گیا۔ تاکہ وہ اس سے امور متعلقہ رسالت کو اسی طرح سے انجام دیں) تفسیرات احمدیہ کے حاشیہ پر مولوی رحیم بخش صاحب حضرت علی علیہ السلام کا مذہب نقل کرتے ہیں:۔

"حضرت مولا علیؑ سے پوچھا گیا کہ قرآن میں خمس کے حقدار یتیم اور مسکین بھی مذکور ہیں آپ نے فرمایا کہ وہ یتیم اور مسکین ہمارے ہی مراد ہیں[2]۔"

یہ اس لیے کہ زکوٰۃ اور صدقات میں خاندانِ رسالت کا حصہ نہیں ہے اس لیے عدالتِ الٰہیہ نے خمس یعنی اللہ کے اپنے حصہ سے اس کمی کو پورا کیا ہے۔ بہت تعجب ہے کہ ورثائے سرکارِ رسالت کو ورثۂ رسالت سے بھی محروم قرار دیا گیا۔ ان کی موہوبہ جائداد کو بھی تسلیم نہیں کیا گیا۔ زکوٰۃ و صدقات سے وہ محروم تھے ہی، اس کے معاوضہ میں جو شریعت نے انہیں تقسیم دولت میں حصہ دیا تھا، اربابِ اقتدار نے انہیں اس خمس سے بھی محروم کر دیا

---

[1] تفسیراتِ احمدیہ صفحہ ۴۳۷ [2] حاشیہ تفسیرات احمدیہ صفحہ ۴۳۷

یا معاشی طور پر انہیں کمزور کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ المختصر اسلامی نظام کے لیے ایک ایسی سلطنت قرار دی گئی تھی جس کا صاحبِ اقتدار اعلیٰ خود غرضی اقربا پروری، دوست نوازی سے بلند رہ کر تعیم دولت و تقسیم اقتدار عادلانہ طریق پر کرے۔ جس سے بہترین تمدن کی فضا پیدا ہو۔ بردقلبی و طمانیت نفس سے دنیا جنتِ ارضی ہو جائے۔ اور وہ اغراض و مقاصد پورے ہوں جن کے لیے دنیا کو اسلام جیسے مذہب کی ضرورت ہے۔

سوالات

۱۔ کیا دنیا کو مذہب کی ضرورت ہے؟ دورِ حاضر میں کیسے مذہب کی ضرورت ہے؟

۲۔ جو مذہب بے چین دنیا کو اطمینان دے سکتا ہے اس کے اصول کیا ہونے چاہئیں۔ مدلل طور پر ثابت کرو۔

۳۔ کیا پبلک کا غیر معصوم نمائندہ الٰہی قانون کا نافذ اور ترجمان ہو سکتا ہے؟ اگر نہیں تو اس پر دلائل بیان کرو۔

۴۔ تقسیمِ دولت کے متعلق اسلام کیا چاہتا ہے۔ اور رسول اللہ کا طریقِ کار کیا تھا؟

۵۔ حضرت عمر کی تقسیم مال کی کیا پالیسی تھی؛ کیا

صحابہ نے اسے پسند کیا تھا ؟

۶۔ قرآن سے تقسیم دولت کو بیان کرو۔ اور اس کے متعلق جو تین آیتیں ہیں ان سے توضیح کرو۔

۷۔ مادی معاشیات کے لحاظ سے ذرائع پیداوار کون کون سے ہیں ؟

۸۔ روحانی معاشیات کے لحاظ سے ذرائع پیداوار کون سے ہیں۔ ان کے لحاظ سے تقسیم دولت کے عقلی اصول کو بیان کیجیے۔

۹۔ اللہ کے حصہ خمس کے متعلق کیا اصول ہے۔ اسے رسول اللہ کے بعد کس طرح بدلا گیا ؟ اور اس کے لیے کیا کیا توجیہیں کی گئیں۔ ان توجیہوں کی تردید کر کے بتلاؤ کہ اس اصول کو بدلنے کے کیا اثرات پڑ رہے ہیں ؟

۱۰۔ خمس کے متعلق حضرت علیؓ کا نظریہ بیان کیجیے۔

۱۱۔ اہل بیت کے متعلق صدر اول کی سلطنتوں نے کیا طریق اختیار کیا جس سے انہیں معاشی طور پہ کمزور کرنا مطلوب تھا ؟

۱۲۔ اسلامی نظام کے لیے کیسی سلطنت کی ضرورت ہے ؟

پچیسواں باب

عہد حضرتِ عثمان

شوریٰ کمیٹی کی کارروائی، حضرت عثمان کی بیعت اور احتجاجات

ابو طلحہ کی نگرانی (حضرت عمر نے اپنے آخری وقت) جب چھ آدمیوں کو نامزد فرمایا تو حضرت ابو طلحہ کو بلا کر کہا کہ آپ لوگوں کے سبب سے خدا نے اسلام کو عزت دی۔ آپ انصار کے پچاس آدمی لے کر ان لوگوں پر متعین رہیئے۔ اگر چار آدمی ایک طرف ہوں۔ اور دو مخالفت کریں تو دو کی گردن مار دیجئے اور اگر پلہ برابر ہو تو اس گروہ کو قتل کیجئے جس میں عبدالرحمٰن بن عوف نہ ہوں اور اگر تین دن گزر جائیں اور کوئی فیصلہ نہ ہو تو سب کے سر اڑا دیجئے۔

غرض مسور بن مخرمہ کے گھر میں ان چھ آدمیوں کی مجلس شوریٰ قائم ہوئی۔ اور حضرت ابو طلحہ دروازہ پر حفاظت کے لیے کھڑے ہوئے۔ بنو ہاشم شروع

سے اس مشورے کے خلاف تھے۔ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو چاہتے تھے
اس لیے حضرت عباس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا کہ آپ اپنا معاملہ ان
لوگوں کے ہاتھ میں نہ دیجئے، اپنا خود فیصلہ کیجئے۔ حضرت علیؓ نے اس کا
کچھ جواب نہ دیا۔ حضرت ابوطلحہ پاس کھڑے یہ باتیں سن رہے تھے حضرت
علیؓ کی ان پر نظر پڑی تو کچھ خیال پیدا ہوا۔ حضرت ابوطلحہ نے کہا۔ اے
ابوالحسن خوف نہ کیجئے۔

اس طرح ایک دن جلسہ کے وقت عمرو عاص اور مغیرہ بن شعبہ بھی پہنچے
اور دروازہ پر بیٹھ گئے۔ حضرت ابوطلحہ نے کچھ نہ کہا، حضرت سعد بن ابی
وقاص غصیلے آدمی تھے۔ ان سے نہ رہا گیا۔ کنکری مار کر بولے۔ یہ لوگ اس
لیے آئے ہیں کہ مدینہ میں مشہور کریں کہ ہم بھی اصحاب شوریٰ میں سے تھے۔
کنکری مارنے پر عمرو عاص اور مغیرہ بھی برہم ہوئے۔ اور بات بڑھنے
لگی۔ حضرت ابوطلحہ نے کہا مجھے خوف ہے کہ آپ لوگ ان جھگڑوں میں
الجھ کر اصل مسئلہ کو چھوڑ بیٹھیں اس ذات کی قسم جس نے عمر کو وفات دی، میں
تین دن سے زیادہ کبھی مہلت نہ دوں گا۔ پھر گھر میں بیٹھ کر تماشا دیکھوں
گا کہ آپ لوگ کیا کرتے ہیں[1]

شوریٰ کمیٹی کی کارروائی

شوریٰ کمیٹی کی کارروائی اس طرح شروع ہوئی
۱۔ جب حضرت عبدالرحمٰن بیعت کے
لیے بیٹھے تو خدا کی حمد و صفت کر کے کہا کہ تمام سوا حضرت عثمانؓ کے

---

[1] جبر الانصار جلد ۱ صفحہ ۱۷۹ و صفحہ ۱۸۰۔

اور کسی سے بیعت کرنے میں انکار کرتے ہیں (ابن عساکر نے مسور بن مخرمہ سے یہ روایت کی ہے[1]

۲۔ ایک روایت میں یوں ہے۔ انہوں نے بعد حمد و ثنا کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ میں دیکھتا ہوں کہ تمام لوگ حضرت عثمان پر مائل ہوتے جاتے ہیں۔ اس لیے آپ اپنے لیے کوئی کاروائی نہ کریں[2]

یہ ہے شوریٰ کے پریذیڈنٹ کا ووٹنگ سے پہلے اظہارِ خیال جس میں ایک امیدوار کے لیے حوصلہ افزائی اور دوسرے کے لیے دل شکنی کا پورا سرمایہ موجود ہے۔ کیا جمہوریت میں الیکشن کے کسی صدر کو جس کا کاسٹنگ ووٹ بھی ہو، قبل فیصلہ اظہارِ خیال کا حق ہے؟

جناب امیر علیہ السلام کا اتمامِ حجت

۱۔ دار قطنی نے اپنے اسناد سے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے یومِ شوریٰ ان آدمیوں کے سامنے جن کو حضرت عمر نے فیصلہ کا اختیار دیا تھا۔ ایک طویل کلام کیا۔ اس میں کا ایک فقرہ یہ تھا۔ میں تم کو اللہ کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے درمیان میرے سوا کوئی اور ہے جس کو رسول اللہ نے فرمایا ہو کہ اے علیؑ تم جنت اور دوزخ کے تقسیم کرنے والے ہو سب نے کہا۔ بخدا نہیں[3]

---

[1] تاریخ الخلفاء، صـ۱۰۴، اردو ترجمہ تاریخ الخلفاء صـ۱۰۶ صدیقی پریس لاہور

[2] تاریخ الخلفاء صـ۱۰۴، اردو ترجمہ تاریخ الخلفا صـ۱۰۶۔ صدیقی پریس لاہور

[3] صواعق المحرقہ لابن حجر مکی الباب التاسع

۲۔ دارقطنی نے اپنے اسناد سے روایت کیا ہے کہ شوریٰ والے دن حضرت علیؑ نے اہلِ شوریٰ پر حجت ختم کرنے کے لیے گفتگو کی اور فرمایا تم کو اللہ تعالیٰ کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کہ تمہارے درمیان میرے سوا کوئی دوسرا ہے۔ جو جناب رسالتمآب سے رشتہ میں مجھ سے زیادہ قریب ہو اور جس کو رسول اللہ نے اپنا نفس فرمایا ہو اور جس کی اولاد کو آنحضرتؐ نے اپنی اولاد کہا ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ کے سوا اور کوئی ایسا نہیں [۱]

۳۔ علامہ اخطب خوارزم نے بھی جناب امیرؑ کے اتمامِ حجت کا ذکر کیا ہے :-

عامر بن واثلہ کہتا ہے کہ میں بروز شوریٰ اس مکان کے دروازہ پر تھا پس اندر لوگوں کی آوازیں بلند ہوئیں۔ میں نے حضرت علیؑ کو کہتے سنا۔ آپ فرما رہے تھے۔ لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کر لی درآنحالیکہ قسم بخدا میں ابوبکر کی نسبت خلافت کا زیادہ حقدار تھا۔ مگر میں خاموش رہا، اس ڈر سے کہ لوگ مرتد نہ ہو جائیں اور ایک دوسرے کو قتل نہ کرنے لگیں۔ پھر ابوبکر نے عمر کی بیعت کرائی اور قسم بخدا میں عمر کی نسبت خلافت کا زیادہ حقدار اور اہل تھا، مگر پھر بھی اس ڈر سے خاموش رہا کہ لوگ پھر کافر ہو جائیں۔ اب تم عثمان کی بیعت کرانے کا ارادہ رکھتے ہو۔ اب میں تم کو حق کی باتیں سناؤں گا۔ عمر نے اس کام میں پانچ آدمیوں کو ڈال دیا ہے اور میں ان

---

[۱] صواعق المحرقہ لابن حجر صفحہ ۹۳،

کا چھٹا ہوں، نہ عمر نے میرے شرف و بزرگی کو سمجھا اور نہ یہ لوگ سمجھتے ہیں اور قسم بخدا اگر میں اپنی فضیلتیں بیان کرنی شروع کر دوں تو ان میں سے ایک بھی خواہ عرب ہو یا عجم دشمن ہو یا کافر تردید نہیں کر سکتا پھر فرمایا۔

اے پانچ لوگوں کی جماعت میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میں سے کوئی میرے سوا رسول اللہ کا بھائی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ پھر اسی طرح آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کی نسبت دریافت کرنے لگے۔ حمزہ، جعفر، فاطمہ، حسنین، وہ سب جواب دیتے گئے کہ آپ کے سوا کوئی ایسا نہیں۔

پھر آپ نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے مجھ سے پہلے مشرکین کو قتل کیا ہو، یا مجھ سے پہلے اسلام لایا ہو۔ یا میری طرح دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہو۔ سب نے جواب دیا کہ ہم میں سے آپ کے سوا کوئی ایسا نہیں۔

پھر آپ نے فرمایا کہ تم میں سے میرے سوا کوئی ایسا ہے؟ جس کی محبت اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں پر واجب قرار دی ہو۔ یا جس نے رسول اللہ کو غسل دیا ہو۔ سب نے جواب دیا نہیں۔

پھر آپ نے سدِ باب، ردِ شمس، حدیث طیر کے حوالہ سے اپنی فضیلت بیان کی، سب نے جواب دیا ہم میں سے کوئی ایسا نہیں

پھر آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے میری

طرح رسول اللہ کو ہر جنگ اور شدت میں بچایا ہو اور ان کی حفاظت کی ہو۔ سب نے جواب دیا ایسا کوئی نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے میری طرح اپنی جان رسول اللہ پر قربان کی ہو اور ان کے فرشِ خواب پر سویا ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جن کی طہارت مطلق قرآن شریف سے ثابت ہو۔ سب نے کہا، کوئی ایسا نہیں۔

پھر آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جس سے رسول اللہ نے میری طرح رازگوئی اور رازداری کی ہو اور جو رسول اللہ کے ساتھ سب سے آخر تک رہا ہو اور ان کو قبر میں اتارا ہو، سب نے کہا کہ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں۔ (مناقب اخطب خوارزم)

حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کی شرائط اور فیصلہ

اس پر عبدالرحمٰن ابن عوف نے جنکی ووٹ پر خلافت کا انحصار تھا حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑکر تین بار پوچھا کہ اگر تم کو ہی امر اور امام قرار دیں تو تم کتابِ خدا اور سنتِ رسول پر اور سیرتِ ابوبکر و عمر پر عمل کروگے۔ حضرت علی نے جواب دیا۔ قرآن اور سنت پر تو عمل کروں گا لیکن بجائے سیرتِ شیخین کے اپنی رائے کے مطابق اجتہاد کروں گا۔ یہ سن کر عبدالرحمٰن نے تین دفعہ حضرت عثمان سے پوچھا کہ اگر ہم تم کو امام مقرر کریں تو تم کتاب اللہ اور سنتِ رسول اور سیرت

شیخین پر عمل کرو گے۔ حضرت عثمان نے کہا کہ ہاں ضرور کروں گا۔ پس عبدالرحمٰن بن عوف نے تین بار پوچھنے کے بعد حضرت عثمان کی بیعت کی۔ اور ان کے بعد اور لوگوں نے کی[1]

حضرت علیؑ اور اصول

بلند ہمت اور مستغنی امام نے سلطنت کے اس موقعہ کو اپنے ہاتھ سے دے دیا۔ صرف اتنی سی بات پر کہ وہ کتاب اور سنت کے علاوہ کسی دوسری چیز پر بیعت لینے کے لیے تیار نہ تھے۔ یہ ایک بڑے اصول اور نظریہ کا سنگِ بنیاد تھا اور وہ یہ کہ وہ غیر معصوم سلاطین و حکام کی سیرت کو اس حد تک قابلِ قبول جانتے تھے جس حد تک وہ کتاب اور سنت کے مطابق ہو۔ کتاب اور سنت کے آگے کسی بادشاہ کی سنت پر عمل کی شرط کو وہ منظور نہیں کرتے تھے۔ اس طرح یہ سلطنت سے ایک طویل عرصہ تک کے لیے علیحدہ ہو گئے۔

بیعتِ عثمان پر حضرت علی کا احتجاج

جب حضرت عثمان کی بیعت کی گئی تو حضرت علی نے یہ طرزِ عمل دیکھ کر فرمایا کہ آج یہ پہلا دن نہیں ہے کہ تم لوگوں نے مل کر ہم پر غلبہ حاصل کیا۔ خیر صبر (جمیل) بہتر ہے۔ اے عبدالرحمٰن خدا کی قسم تم نے عثمان کی بیعت اس لیے کی ہے کہ امرِ خلافت تمہاری جانب پھر جائے۔ عبدالرحمٰن ابن عوف بولے کہ اے علی تم اس کا کچھ خیال نہ کرو۔ پس علی یہ فرماتے ہوئے سیبلغ الکتاب اجلہ اس مکان سے

---

[1] شرحِ فقہ اکبر ملا علی قاری صفحہ ۸۰۔ تاریخ احمدی صفحہ ۱۳۴ و ۱۳۵

باہر نکل آئے[۱]

علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ جب عبدالرحمٰن ابن عوف نے حضرت عثمان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ تو حضرت علی نے صبر جمیل کہا اور تن بہ تقدیر راضی ہو گئے[۲]

صبر جمیل اس صبر کو کہتے ہیں جو شدید ظلم پر مظلوم اختیار کرتا ہے۔

حضرت مقداد اور حضرت عمار کے احتجاجات

مقداد نے کہا اے عبدالرحمٰن تم نے علی کو ترک کیا حالانکہ واللہ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو حق کے ساتھ حکم اور عدل کرتے ہیں[۳]

پھر مقداد نے کہا کہ میں نے ایسا برتاؤ کہیں نہیں دیکھا جیسا اہل بیت نبوت کے ساتھ ان کے نبی کے بعد کیا گیا۔ مجھے تعجب ہے کہ قریش نے ایسے شخص کو ترک کیا جس سے بڑھ کر نہ میں کسی کو اعلم جانتا ہوں نہ اقضی بالعدل کہہ سکتا ہوں۔ خدا کی قسم اگر میں ناصر و مددگار پاتا۔ مقداد اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ عبدالرحمٰن نے کہا اے مقداد خدا سے ڈرو۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں تم پر فتنہ برپا نہ ہو[۴]

اس پر عمار یاسر نے مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر کہا کہ اے گروہ قریش جب تم امر خلافت کو اپنے نبی کے اہل بیت سے پھیر کر کبھی یہاں لے گئے

---

[۱] تاریخ طبری جلد ۵ صـ۲۷ مطبوعہ مصر تاریخ کامل، تاریخ ابوالفدا، تاریخ احمدی صـ۱۳۵

[۲] المامون صـ۹ [۳] تاریخ طبری جلد ۵ صـ۲۷، تاریخ ابوالفدا، تاریخ کامل تاریخ احمدی صـ

[۴] تاریخ کامل، تاریخ ابن جریر طبری، تاریخ احمدی صـ۱۳۵ و صـ۱۳۶

اور کبھی وہاں تو ہم کو اس بات سے بھی بے خوف ہونا چاہیئے کہ خدا اس امر کو تم سے لے کر تمہارے غیر کو دیدے جیسا کہ تم نے اس کو اس کے اہل سے لیکر اور اس کے غیر اہل کو دے دیا۔

پھر مقداد نے کھڑے ہوکر کہا رسول مقبول کے بعد جیسی ایذا اہل بیت رسول کو پہنچائی گئی ہے ایسی تو میں نے کبھی نہیں دیکھی۔

عبدالرحمن نے کہا اے مقداد تم یہ کیا کہہ رہے ہو۔

مقداد بولے کیوں نہ کہوں کہ میں اہل بیت رسالت کو محبتِ رسول کی وجہ سے دوست رکھتا ہوں اور بے شک حق ان ہی کے ساتھ ہے اور ان ہی میں ہے اے عبدالرحمن میں تعجب کرتا ہوں۔ قریش سے جنہیں تم غلبہ دلانے کی کوشش کرتے ہو اور جو اس بات پر مجتمع ہوئے ہیں کہ رسول کی حجت اور عظمت کو آنحضرتؐ کے بعد ان کے اہل بیت سے چھین لیں۔ اے عبدالرحمن آگاہ ہو کہ اگر میں انصار و مددگار پاتا تو قسم خدا کی قریش کے ساتھ اسی طرح قتال کرتا جس طرح میں نے جنگ بدر میں کی ہے[1]

عمار یاسر نے کہا۔ ایہا الناس خدائے عزوجل نے اپنے دین کے ساتھ ہم کو عزت دی اور اپنے نبی کے سبب سے ہم کو بزرگی عطا فرمائی پس تم امر خلافت کو اپنے نبی کے اہل بیت سے کہاں پھیر رہے ہو[2]

حضرت عثمان کی بیعت خلافت ۳ محرم ۲۴ھ کو ہوئی[3]

---

[1] مروج الذہب مسعودی تاریخ احمدی ص ۱۳۶ [2] تاریخ ابن جریر تاریخ احمدی ص ۱۳۶، ۱۳۷
[3] تاریخ ابوالفدا تاریخ احمدی ص ۱۳۹۔

وقت بیعت عثمان جناب امیر کا امن پرور اعلان

جب لوگوں نے حضرت عثمان کی بیعت کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا "تم جانتے ہو کہ مجھے اوروں سے زیادہ خلافت کا حق پہنچتا ہے، خدا کی قسم! جب تک مسلمانوں کے امور کا نظم و نسق برقرار رہے گا اور صرف میری ہی ذات ظلم و جور کا نشانہ بنتی رہے گی۔ میں خاموشی اختیار کرتا رہوں گا۔ تاکہ اللہ سے اجر و ثواب طلب کروں اور اس زیب و زینت اور آرائش کو ٹھکرا دوں، جس پر تم مٹے ہوئے ہو"[1]

ابوسفیان کا حضرت عثمان کو مشورہ

حضرت عثمان کے خلیفہ ہونے پر بنی امیہ کو بہت خوشی ہوئی جب ابوسفیان نے یہ خبر سنی تو ابوسفیان حضرت عثمان کے پاس آیا۔ وہ اسوقت بہت بوڑھا تھا اور آنکھوں سے بھی معذور ہو چکا تھا۔ اس نے کہا۔ بڑی مدت کے انتظار کے بعد اب یہ خلافت آپ تک پہنچی ہے۔ اب اس کو گیند کی طرح اپنی مرضی کے مطابق گردش دیجئے اور بنی امیہ کے ذریعہ سے اس کی بنیادوں کو مضبوط کیجئے۔ اس لیے کہ جو کچھ ہے وہ یہی دنیاوی سلطنت ہے۔ رہ گیا بہشت دوزخ اس کو میں کچھ سمجھتا نہیں[2]

شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اس کا مقولہ اپنی زبان میں یوں لکھا ہے "نیست آں گر ملک دمن درنمی یابم جنت را ونہ نار را۔ وہ صرف

---

[1] نہج البلاغہ جلد اول خطبہ ۲۔ [2] استیعاب

سلطنت ہے - دوزخ اور جنت کو تو میں نہیں پاتا۔"[1]

سوالات

۱- ابوطلحہ انصاری کی نگرانی میں شوریٰ کے متعلق کیا کیا واقعات ہوئے؟

۲- شوریٰ کمیٹی کی کارروائی کس طرح شروع ہوئی۔ اس میں صدر کمیٹی عبدالرحمٰن نے ووٹنگ سے پہلے کس طرح اظہار خیال کیا۔ جمہوری قواعد کی بنا پر یہ کہاں تک درست تھا؟

۳- حضرت علی علیہ السلام نے شوریٰ کمیٹی کے سامنے اپنے حقوق کو کس طرح پیش کیا۔ شوریٰ کے ممبروں نے اس کی کس طرح تصدیق کی؟

۴- عبدالرحمٰن نے فیصلہ کے لیے کیا شرائط پیش کیں۔ اور پھر کس طرح فیصلہ کیا؟

۵- حضرت علی نے کس عظیم الشان اصول کے لیے سلطنت کو ہاتھ سے دے دیا۔

---

[1] مدارج النبوۃ

۶۔ خلافت حضرت عثمان پر حضرت علی نے کس طرح صدائے احتجاج بلند فرمائی ۔ نیز "صبرِ جمیل" کی توضیح کیجئے ۔

۷۔ حضرت مقداد نے عبدالرحمٰن بن عوف کے فیصلہ پر کس طرح احتجاج کیا ؟

۸۔ حضرت عمار نے حضرت علی کے خلاف فیصلہ پر کس طرح احتجاج کیا ؟

۹۔ اس سلسلہ میں حضرت مقداد اور عبدالرحمٰن ابن عوف کے درمیان کیا گفتگو ہوئی ؟

۱۰۔ ابوسفیان نے حضرت عثمان کو حکومت کے متعلق کیا مشورہ دیا اور اس مشورہ میں اس کے اسلام پر کیا روشنی پڑتی ہے ؟

چھبیسواں باب

حضرت عثمان، حزبِ اقتدار کے نمائندے کی خصوصیات

۱۔ نام و خاندان عثمان، والد کا نام عفان اور دادا کا نام ابوالعاص اور پردادا کا نام امیہ تھا۔[1]

۲۔ شجرہ نسب۔ آپ کا شجرۂ نسب اس طرح پر ہے:۔

- عبدالشمس
  - امیہ
    - حرب
      - ابوسفیان
        - جبلیہ
        - معاویہ
          - یزید
            - معاویہ ثانی
    - ابوالعاص
      - عفان
        - حضرت عثمان
      - حکم
        - مروان

---

[1] [illegible]
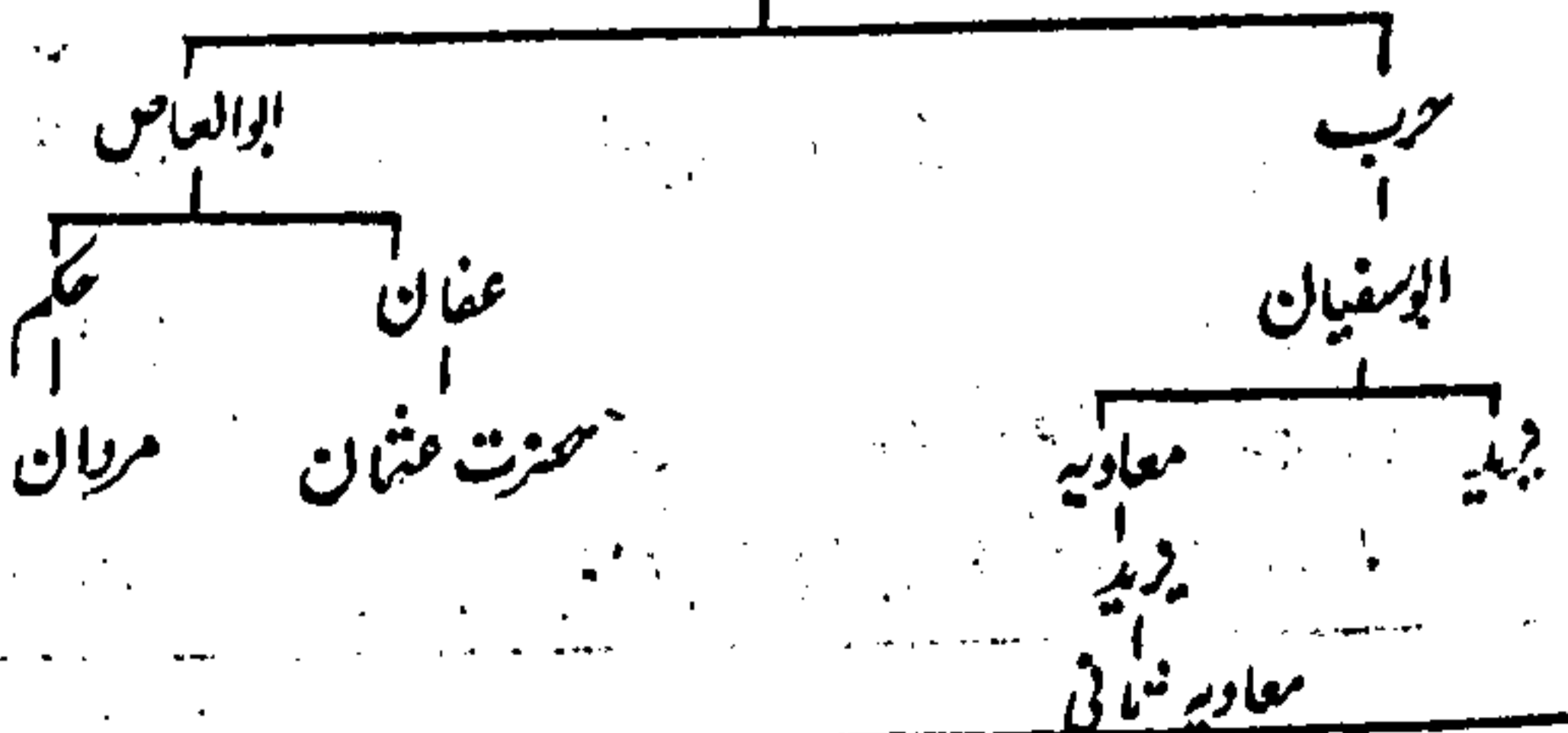
۴- مختصر خاندانی خصوصیت

عبدمناف کے فرزندوں میں ہاشم بڑے صاحبِ دولت اور بااثر تھے۔ اگرچہ ان کے بھائیوں میں عبدالشمس کا بھی شمار تھا۔ مگر اپنے باپ کے اوصاف و مراتب کی پوری شان ہاشم ہی میں نظر آتی تھی۔ اس لیے وہ تمام امتیازات جو عبدمناف کو حاصل تھے وہ ان کے بعد ہاشم کے لیے تسلیم کیے گئے۔ امیہ جو اپنے کو عبدالشمس کا بیٹا کہتا تھا اس نے حضرت ہاشم کا مقابلہ کرنا چاہا۔ اور کوشش کی کہ عزت اور سرداری کا تاج حضرت ہاشم کے سر سے اتار دے۔ مگر نتیجہ میں ناکامی اور رسوائی ہوئی۔ مخالفت کی آگ کے شعلے وقتی طور پر بیٹھ گئے۔ مگر دل میں حسد اور عداوت کی چنگاریاں سلگنے کے لیے رہ گئیں۔ بنی ہاشم اور بنی امیہ کے اختلاف کی ابتدا یہیں سے ہے [۱]

رسول اللہ کے خلاف جو لڑائیاں ہوئیں ان میں مخالف جماعت کا سرگروہ ابوسفیان بن حرب بن امیہ تھا۔ جس میں اسے شکست ہوئی۔ اس سے خاندان ابوسفیان کی قوت بالکل ٹوٹ گئی۔ اب اپنی کمزوری کو چھپانے کے لیے انہوں نے بھی قبولِ اسلام کی نقاب ڈال لی اور وہ موقع کے منتظر رہنے لگے کہ کب اسلام کی طاقت ذرا کمزور ہو اور کب انہیں اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو واپس لانے کا موقع ملے۔

حکم اسلام لانے کے بعد بھی رسول اللہ کا مخالف رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سرکارِ رسالت نے اسے مدینہ سے دس کوس باہر نکال دیا۔ حضرت ابو بکر نے

---

[۱] شہید انسانیت ص۳ و ص۴

اپنے زمانۂ خلافت میں اس کو مدینہ سے اور دس کوس ہٹا دیا۔ حضرت عمر نے اور دس کوس آگے چلتا کیا۔ غرضیکہ وہ تیس میل مدینہ سے دور ہٹا دیا گیا تھا اس سے ظاہر ہے کہ ایسی ہستیوں کو اسلام اور اہل اسلام کے اغراض و مقاصد کے لیے کتنا مضر سمجھا جاتا تھا، اور ان کا میل جول اور رسم و راہ بھی مسلمانوں کے ساتھ مناسب خیال نہیں کی جاتی تھی۔

حضرت عائشہ تو فرماتی ہیں میں اس امر پہ گواہی دیتی ہوں کہ رسول اللہ نے تیرے باپ پر اس وقت لعنت (نفرین) فرمائی جب تو اس کے صلب میں تھا۔[۱]

۴۔ حلیہ حضرت عثمان متوسط القامت تھے[۲] ان کا رنگ گندمی تھا داڑھی لمبی اور گھنی تھی اور بالوں کی کثرت اور داڑھی کی مشابہت سے حضرت عثمان کو ان کے مخالفین نعثل کہا کرتے تھے۔ کیونکہ نعثل ایک لمبی داڑھی والے آدمی کا نام تھا۔[۳]

۵۔ خاندانی مذہب قبل از اسلام آپ کا خاندانی مذہب بت پرستی تھا آپ بھی ایک عرصہ تک بت پرست رہے۔

۶۔ شرف اسلام آپ اس وقت اسلام سے مشرف ہوئے جبکہ بہت سے آدمی اسلام لاچکے تھے۔

---

[۱] تذکرہ خواص الامہ [۲] استیعاب۔ تاریخ احمدی صد ۱۳۹

[۳] تاریخ الخمیس، ریاض النضرہ، تاریخ احمدی صد ۱۳۹

آپ کے نکاح

آپ کا نکاح ام کلثوم اور رقیہ سے ہوا۔ جو پہلے عتبہ اور عتیبہ ابوجہل کے نکاح میں تھیں۔ ان دونوں محترمہ بی بیوں کے متعلق اقوال مختلف ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت خدیجہ کی بھانجیاں تھیں اور انہیں حضرت خدیجہ نے پرورش کیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ان کی اپنی بیٹیاں ان کے پہلے شوہر سے تھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ کی بیٹیاں تھیں۔ ان تین احتمالاتِ مختلفہ کی وجہ سے ان کے متعلق استدلالاً کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ درایۃً کہہ سکتے ہیں کہ اگر یہ رسول اللہ کی بیٹیاں ہوتیں تو ان کے نکاح عتبہ اور عتیبہ سے نہ ہوتے۔ چونکہ رسول اللہؐ نے قرآن کی کسی نہی کا ارتکاب قبل نزول نہی بھی نہیں فرمایا اور مسلمہ عورت کا نکاح مشرک سے نہ کرو کی نہی قرآن میں موجود ہے۔ نیز ان کے متعلق خاص فضائل کی احادیث مناقب اہل بیت کے ابواب میں وارد نہیں ہوئیں۔ نیز یہ مصاحبِ سرکار رسالت میں کہیں سہرردانہ خدمات انجام دیتی نظر نہیں آتیں

۸۔ **بدر**۔ غزوۂ بدر میں شریک ہی نہیں ہوئے۔

۹۔ **اُحد**۔ جنگِ اُحد میں ثابت قدم نہ تھے۔ ایسا بھاگے کہ تیسرے دن واپس آئے۔

۱۰۔ **جنگِ خندق**۔ غزوۂ خندق میں آپ کا ذکر تک نہیں ملتا۔

۱۱۔ **خیبر**۔ غزوۂ خیبر میں خدا معلوم شریک تھے یا نہیں۔ اس امر میں کتبِ تاریخ خاموش ہیں۔

۱۲۔ **سفارت**۔ صلح حدیبیہ کے سلسلے میں بطور سفیر اس لیے بھیجے

گئے تھے ۔ چونکہ حضرت ابو بکر و عمر نے جانے سے انکار کر دیا تھا۔ اور قریش مکہ میں رسول اللہ کی مخالفت میں سرگرم ابوسفیان سے ان کی قرابت تھی۔

۱۳۔ حنین ۔ اس جنگ میں بھی آپ ان لوگوں میں شامل تھے جن کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔

۱۴۔ آپ کو بھی مسجد کے اندر دروازہ کھلا رکھنے کی اجازت نہیں ملی۔

۱۵۔ حضرت عثمان ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے قرآن کو جمع کیا۔ اور ان سے رسول اللہ کی ایک سو چھیالیس حدیثیں مروی ہیں۔
(تاریخ الخلفا ۔ تاریخ احمدی صفحہ ۱۷۱)

سوالات

۱۔ حضرت عثمان کا شجرۂ نسب بیان کیجئے۔

۲۔ حضرت عثمان کی خاندانی خصوصیات بیان کیجئے۔ اور ان کا خاندانی مذہب کیا تھا؟

۳۔ آپ کب مشرف بالاسلام ہوئے۔ اور آپ کے نکاح جو ہوئے ان پر روشنی ڈالیے۔

۴۔ حضرت عثمان نے غزوات میں کس طرح حصہ لیا؟

۵۔ حضرت عثمان کی سفارت کو بیان کیجئے نیز بتلائیے کہ قرآن کے متعلق انہیں کیا خصوصیت حاصل ہے اور ان سے کس قدر احادیث روایت ہوئی ہیں؟

ستائیسواں باب

فتوحات حضرت عثمان

آذربائیجان اور آرمینیا کی بغاوت اور ان پر دوبارہ قبضہ اور گرجستان وغیرہ کی فتح

آذربائیجان اور آرمینیا ولایت کوفہ میں شامل تھے۔ حضرت عثمان نے مغیرہ بن شعبہ کو یہاں کی گورنری سے معزول کر کے سعد بن ابی وقاص کو جو شوریٰ کمیٹی کے ممبر تھے۔ گورنر مقرر کیا مگر دو سال بعد سعد کو بھی برطرف کر دیا۔ اور آذربائیجان کے عامل عقبہ بن فرقد کو بھی برطرف کر دیا۔ اس پر اہل آذربائیجان نے بغاوت کر دی۔ ولید بن عقبہ لشکر لے کر گیا اور اس نے اس بغاوت کو فرو کیا۔ سراقہ اور عبدالرحمٰن کی مدد سے آرمینیا کے فتنہ کو فرو کیا۔ اس نے بحر اخضر کے ساتھ ساتھ باب تک کا کل علاقہ فتح کر لیا۔ اور باب کو اس علاقہ کا صدر مقام بنا کر اس علاقہ کے نظم و نسق کو درست کیا۔ اور فتوحات کو جاری رکھا ان ہی حملوں میں وہ لڑائی میں کام آیا۔ اس پر حضرت عثمان نے سلمان

بن ربیعہ کو آرمینیا بھیجا۔ اس نے آرمینیا اور قفقاز کے علاقے فتح کرکے دوبارہ عربی سلطنت میں شامل کیے۔ حبیب بن مسلمہ نے رومیوں سے لڑکر اران اور گرجستان کے علاقے فتح کیے۔

اناطولیہ اور عموریہ معاویہ بن ابی سفیان نے ۲۶ھ میں اناطولیہ پر حملہ کرکے اسے فتح کیا۔ یہ علاقہ رومی سلطنت کا حصہ تھا اور شام کی سرحد پر واقع تھا۔ اس کے بعد معاویہ نے شہر عموریہ کو فتح کیا۔

بحری بیڑے مصر کے گورنر عبداللہ بن سعد نے سکندریہ کی حفاظت کے لیے ایک بحری بیڑا تیار کیا۔ حضرت عثمان کی اجازت سے معاویہ نے ایک بحری بیڑا تیار کیا۔ اس طرح مسلمانوں کے یہ بیڑے بننے کے بعد سمندر میں بحری تجارت کا کام بھی شروع ہوگیا مسلمانوں کے پہلے امیر البحر عبداللہ بن قیس مقرر ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد سفیان بن عوف امیر البحر مقرر ہوئے۔

بحری فتوحات جزائر پر قبضہ معاویہ بن ابوسفیان نے ۲۸ھ میں عبداللہ بن قیس کی سرکردگی میں ایک بحری بیڑا قبرص کو فتح کرنے کے لیے بھیجا۔ جب حملہ ہوا، تو یہاں کے باشندوں نے گھبرا کر صلح کر لی۔ شرائط صلح یہ تھے کہ وہ رومیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی مدد کریں گے۔ اور سات ہزار دینار ادا کرتے رہیں گے۔ ۳۲ھ میں قبرص کے باشندوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی

ر کے مسلمانوں کے خلاف رومیوں کی مدد کی۔ چنانچہ اس جزیرہ پر دوبارہ فوج کشی
ہوئی اور اسے فتح کر کے مسلمانوں کی نوآبادی قرار دیا گیا۔ قبرص بحیرہ روم کا
نہایت سرسبز و شاداب جزیرہ ہے۔ قبرص پر حملہ مسلمانوں کی پہلی بحری یلغار تھی
اس کے بعد بحیرۂ روم کے کئی اور جزیروں پر بھی قبضہ کیا گیا۔ جن میں سے ارادوس
۶۵۰ء میں اور روڈس ۶۵۴ء میں فتح ہوئے۔ اس طرح شام کی سرحدیں
اس بحری بیڑے اور جزائر کی فتوحات سے مضبوط ہو گئیں۔

رومیوں کا سکندریہ پر حملہ اور شکست

۶۵۵ء میں رومیوں نے سکندریہ پر بحری حملہ کیا۔
اس بیڑے کی قیصر روم کانس ٹینز ثانی (CONSTANS II) خود
سرکردگی کر رہا تھا۔ مسلمانوں کے بحری بیڑے نے مل کر مقابلہ کیا۔ عربی
بیڑے نے رومی بیڑے کو شکست دی۔ اس رومی بیڑے کی شہرت کا خاتمہ
ہو گیا اور مسلمان بحیرہ روم کے دیگر جزائر پر بھی قبضہ کرنے لگے۔ یہ بحری
لڑائی جنگ ذوالصواری (بادبانوں کی جنگ) کہلاتی ہے۔

عمرو عاص کی معزولی، مصر کی بغاوت اور طرابلس وغیرہ کی فتح

مصر کے گورنر عمرو عاص سے حضرت عثمان نے خراج مصر میں اضافہ
چاہا۔ اس نے خراج بڑھانے سے انکار کر دیا۔ حضرت عثمان نے عمرو عاص
کو معزول کر کے عبداللہ بن سعد ابن ابی سرح کو مصر کا گورنر مقرر کر دیا۔ عمرو عاص
کی معزولی پر اہل سکندریہ نے بغاوت کر دی۔ عبداللہ نے اس بغاوت کو

فرد کیا اور خراج میں کافی اضافہ کیا۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مصر کا فوجی
نگران بھی تھا۔ اس نے ۲۷ھ میں طرابلس پر حملہ کیا یہاں کا حاکم جرجیر
(GREGORY) ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر مقابلہ میں آیا
حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن زبیر کی قیادت میں تازہ دم فوج روانہ کی
مقابلہ میں جراجیر (گریگوری) قتل ہوا اور طرابلس فتح ہو گیا۔

فارس، خراسان اور طبرستان

یہ علاقے بصرہ کے صوبہ میں تھے
ابو موسیٰ اشعری وہاں کے گورنر تھے
حضرت عثمان نے انہیں معزول کر کے عبداللہ بن عامر کو گورنر مقرر کر دیا۔ اس
پر اہل فارس نے بغاوت کر دی۔ عبداللہ بن عامر نے بغاوت کو فرو کیا
نیز ۳۰ھ میں جرجان اور طبرستان پر قبضہ کر لیا۔ پھر خراسان کے علاقہ
میں نیشاپور، طوس اور ہرات پر قبضہ کیا۔

ترکستان و سیستان

عبداللہ بن عامر نے مشرقی ترکستان کے صدر
مقام بلخ کو فتح کیا۔ پھر خوارزم پر حملہ کیا۔ مگر
اسے فتح نہ کر سکا۔ ان دنوں شاہِ ایران یزدجرد ترکستان میں قیام پذیر تھا
اس نے چین اور ترکستان کی فوجیں جمع کر کے سیستان پر حملہ کر دیا۔ لیکن
دورانِ جنگ میں وہ خود مارا گیا۔

فتح سجستان، غزنی و کابل

عبداللہ بن عامر نے ربیع بن زیاد کو
سجستان پر حملہ کے لیے مامور کیا۔ اس
نے سجستان کے صدر مقام زرنج کو فتح کر لیا۔ مگر ایک سال کے بعد وہاں

کے باشندوں نے بغاوت کر دی۔ عبداللہ بن عامر نے عبدالرحمٰن بن سمرہ کو ان کے خلاف بھیجا جس نے محاصرہ کے بعد شہر کو فتح کیا۔ پھر عبدالرحمٰن بن سمرہ نے فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا اور اس نے بلوچستان کا مغربی حصہ اور غزنی اور کابل کے علاقے فتح کیے اور عربی سلطنت کی حدود برصغیر پاک و ہند سے آملیں۔

سوالات

۱۔ آذر بائیجان کی بغاوت کی کیا وجہ تھی۔ اور اس بغاوت کو کس طرح فرو کیا گیا۔

۲۔ آرمینیا کی بغاوت کس طرح ختم کی گئی۔ اور پھر وہاں کا نظم و نسق کس طرح قائم کیا گیا؛ اور گرجستان کو کس طرح فتح کیا؟

۳۔ اناطولیہ اور عموریہ کو کس نے فتح کیا اور اناطولیہ کی سیاسی پوزیشن کیا تھی؟

۴۔ مسلمانوں کے بحری بیڑے کس طرح تیار کیے گئے اور ان سے کیا کیا فائدے پہنچے؟

۵۔ مسلمانوں کی بحری فتوحات اور ان کے جزائر پر قبضوں

کو بیان کیجئے۔

۶۔ رومیوں کا سکندریہ پر حملہ بیان کر کے ان کی شکست کو بیان کیجئے۔

۷۔ عمرو عاص کی معزولی پر جو مصر میں بغاوت ہوئی۔ اسے کس طرح فرو کیا گیا۔ نیز طرابلس کی فتح کو بیان کیجئے۔

۸۔ فارس، خراسان اور طبرستان کس طرح فتح ہوئے؟

۹۔ ترکستان اور سیستان کس طرح فتح ہوئے؟

۱۰۔ سجستان، غزنی اور کابل کی فتوحات کس طرح ہوئیں؟

اٹھائیسواں باب

[ح]ضرت عثمان کی اپنے خاندان پر نوازشیں

[ت]قسیم دولت اور تقسیم اقتدار میں خاص مراعات اور اس کا سیاسی پس منظر

[ف]رانسیسی مورخ مسٹر ڈوزی کی رائے (DOZY)

یہ کبیر السن خلیفہ اپنے اقرباء سے بہت زیادہ محبت رکھتا تھا۔ اور یہ لوگ جو مکہ کے امیر کہلاتے تھے اور بیس
[بر]س تک برابر آنحضرت (رسول اللہ) کو ایذا پہنچاتے رہے تھے ان پر ظلم کرتے
[او]ر ان سے لڑتے رہے اب وہ کامل طور پر حضرت عثمان پر قابو پا گئے تھے۔ ان کا
[چچ]یا حکم اور خاص کر اس کا بیٹا مروان اس سلطنت کے اصل فرماں روا تھے
[او]ر خلیفہ کا لقب برائے نام حضرت عثمان کے لیے رہ گیا تھا اور ان کی جوابدہی
[حض]رت عثمان کے متعلق تھی۔ جس کی اصلاح مروان سے ناممکن تھی، بنی امیہ عام طور
[پ]ر ملک پر بھوکی جونکوں کی طرح چمٹے ہوئے تھے۔ مال دنیا سینہ زوری سے جمع

کر رہے تھے۔ مدینہ میں چاروں طرف سے شکایتیں آرہی تھیں لیکن یہ شکایتیں سخت کلامی کرکے ہٹا دی جاتی تھیں[1]

حضرت عثمان اقربا کی بہت پرورش کرتے تھے۔ انہوں نے خزانہ کا دروا اپنے اور اپنے اقربا پر کھول دیا تھا۔ اور انہیں عطایا اور جاگیروں سے مالا مال کر دیا تھا۔ حضرت عثمان کے خلیفہ ہوتے ہی اموی نسل پوری حکومت پر مسلط ہوگئی تھی۔ انہوں نے پبلک مفاد کی چیزیں چراگاہیں وغیرہ بھی امویوں کے لیے مخصوص کردی تھیں۔

چراگاہیں جب حضرت عثمان مسندِ خلافت پر بیٹھے تو انہوں نے ا[پنے] مویشیوں کے لیے چراگاہیں مخصوص کرلیں۔ ان سرسبز زمینو[ں] پر صرف ان ہی کے جانور چر سکتے تھے۔ یا سرکاری تحویل میں زکوٰۃ کے اونٹ جو موجود ہوتے تھے وہ چر سکتے تھے[2]

حضرت عثمان نے مدینہ کے اردگرد کی تمام چراگاہیں اپنے لیے مخصوص کرلیں کسی مسلمان کو اجازت نہیں تھی کہ اپنے جانور چرا سکے۔ سوائے بنی امیہ کے۔

حضرت عثمان نے ربذہ، شرف، نقیع یہ سب مقامات حکوم[ت] کے لیے مخصوص کر لیے تھے۔ ان زمینوں میں نہ ان کے گھوڑے چر سک[تے] تھے نہ بنی امیہ کے۔ کچھ دنوں کے بعد انہوں نے شرف کی زمین اپنے اونٹو[ں] کے لیے جو ہزار کی تعداد میں تھے اور حکم بن العاص کے اونٹوں کے [لیے] مخصوص کرلی اور ربذہ کی زمین زکوٰۃ کے اونٹوں کے لیے اور نقیع کی ز[مین]

---

[1] اسپرٹ آف اسلام صفحہ ۲۷۹۔ [2] کتاب الانساب بلاذری ج ۵ صفحہ ۳۸ سیرۃ حلبیہ ج ۲
[illegible]

لشکرِ اسلام کے گھوڑوں اور بنی امیہ کے گھوڑوں کے لیے[1] حالانکہ رسول اللہؐ نے اس کی ممانعت فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ کوئی شخص زمین کے کسی حصّہ کو اپنے لیے مخصوص نہیں کر سکتا۔ جس طرح جاہلیت والے کرتے تھے۔ زمینیں صرف اللہ اور رسول کے لیے مخصوص ہو سکتی ہیں۔ یعنی جہاد کے گھوڑوں وغیرہ کے لیے کچھ زمینیں مخصوص ہوں گی۔ باقی مفادِ عامہ کیلئے عام چراگاہیں ہوں گی[2] رسول اللہ نے سبزہ و گھاس میں تمام مسلمانوں کو برابر کا حصہ دار قرار دیا تھا۔ جو سبزہ و گھاس بارش سے سیراب ہو اور کسی کی ملکیت نہ ہو اس میں تمام لوگ برابر کے شریک تھے۔ حضرت عثمان نے زمانۂ جاہلیت کی رسوم کو زندہ کر دیا۔ اور چراگاہیں اپنے قبیلہ کے لیے مخصوص کر دیں۔ حضرت عثمان نے اقتدار اور دولت کو کس طرح اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کیا اس کے لیے ہم ان کے رشتہ داروں کا فرداً فرداً تذکرہ کرتے ہیں اور انہیں جو مراعات دی گئیں ان کا بھی تذکرہ کریں گے۔

حکم بن العاص

حکم بن العاص رسالتمآبؐ کا پڑوسی تھا۔ رسول اللہ کے جانی دشمنوں ابوجہل اور ابولہب کی پارٹی سے تعلق رکھتا تھا۔ اور حضور کی عداوت میں ہر وقت

---

[1] واقدی ص ۴۲۵۔ [2] کتاب الام ج ۳ ص ۲۰۸ معجم البلدان ج ۳ ص ۲۴۷ نہایہ ابن اثیر جلد ا ص ۲۹۷ لسان العرب ج ۱۸ ص ۲۱۷، تاج العروس ج ۱۰ ص ۹۹۔

سرگرم جدوجہد تھا اور سخت سے سخت اذیتیں پہنچایا کرتا تھا[1]

حکم رسالتمآبؐ کے پاس آ کر بیٹھا کرتا تھا۔ جب آپ کلام فرماتے، تو نقلیں اتارتا، منہ بناتا تھا۔ ایک دن سرکارِ رسالت کی نظر پڑ گئی۔ آپ نے فرمایا۔ ایسا ہی ہو جا۔ چنانچہ وہ ویسا ہی ہو گیا اور مرتے دم تک ویسا ہی رہا ایک دفعہ سرکارِ رسالت ایک جگہ سے گزر رہے تھے۔ حکم بن عاص اپنی انگلی سے اشارے کر کے رسول اللہ کی تضحیک کرنے لگا۔ حضور کی نظر پڑ گئی اور بددعا فرمائی: بارِ الٰہا اسے رعشہ میں مبتلا کر دے۔ اسی وقت اسے رعشہ کا مرض ہو گیا اور یہ مرتے دم تک اسی میں مبتلا رہا[2]

۸ھ میں مکہ فتح ہوا تو اس نے مجبوراً اسلام قبول کر لیا۔ ایک دفعہ رسول اللہ اپنی کسی زوجہ کے حجرہ میں تشریف فرما تھے حکم جھانک کر دیکھنے لگا۔ رسول اللہ نے پہچان لیا۔ باہر تشریف لائے اور فرمایا۔ اس ملعون مردِ مرتعش سے کون مجھے بچاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ جہاں میں رہوں نہ یہ حکم رہ سکتا ہے اور نہ اس کی اولاد۔ چنانچہ آپ نے اسے اہل و عیال سمیت طائف کی طرف نکال باہر کیا۔ آنحضرت کے ارتحالِ پُرملال پر حضرت عثمان نے حضرت ابوبکر سے اس کی سفارش کی کہ حکم کو مدینہ واپس بلا لیا جائے۔ حضرت ابوبکر نے انکار کر دیا اور کہا کہ رسول اللہ جسے باہر کر چکے ہیں میں اسے پناہ نہیں دے سکتا۔ جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو حضرت عثمان

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۵۔ [2] اصابہ ج ۱ ص ۳۴۵، ۲۴۶، سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۳۳۷، فائق زمخشری ج ۲ ص ۲۰۵ تاج العروس ج ۶ ص ۳۵

نے ان سے بھی یہی درخواست کی انہوں نے بھی حضرت ابوبکر کی طرح جواب دیا جب حضرت عثمان خود خلیفہ ہوئے تو اب کون روکنے والا تھا۔ اسے اہل وعیال سمیت مدینہ واپس بلا لیا اور لوگوں سے یہ کہا کہ میں نے سرکارِ رسالت سے اس کی سفارش کی تھی اور انہوں نے وعدہ فرمایا تھا کہ میں اسے مدینہ میں واپس آنے کی اجازت دے دونگا مگر حضور کا انتقال ہو گیا۔ مسلمانوں نے حضرت عثمان کی بات پر یقین نہیں کیا اور لوگوں کو یہ نہایت ناگوار گزرا[1]

مؤلف استیعاب نے یہ بھی لکھا ہے کہ حکم اور اس کے بیٹے مروان کی طائف کی طرف جلا وطنی کا سبب یہ تھا کہ حکم رسالتمآب کی باتیں چھپ چھپ کر سنتا اور مشرکین و کفار و منافقین کو جاکر بتلا دیتا تھا[2]

حضرت عثمان کی حکم بن عاص پر نوازشیں

حکم بن عاص جسے رسول خدا نے مدینہ سے نکال باہر کیا تھا۔ حضرت عثمان نے نہ صرف یہ کہ اسے مدینہ میں بلا لیا۔ بلکہ اپنا مقرب خاص بنایا بلکہ قبیلہ قضاعہ سے جتنی رقمیں اور مال واسباب وصول ہوئے وہ سب اسے بخش دیے حکم جس وقت مدینہ میں داخل ہوا تو کیفیت یہ تھی کہ بدن پر چیتھڑے تھے۔ تمام لوگ اس کے افلاس اور اس بری حالت کو دیکھ رہے تھے کہ آگے آگے ایک بکرا تھا۔ جسے وہ ہنکاتا ہوا آرہا تھا۔ اسی حالت میں دربار عثمانی میں داخل ہوا جب وہاں سے پلٹا تو خز کی بیش بہا قبا اور ریشمی ردا پہنے ہوا تھا[3]

---

[1] کتاب الانساب ج ۵ ص۲۷، سیرت حلبیہ جلد ا ص۳۳۷، اسد الغابہ جلد ۲ ص۳۴، بالاختصار

[2] استیعاب جلد ا ص۱۱۸ [3] تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص۴۱

حضرت عثمان نے حکم بن عاص کو بنی قضاعہ سے زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور فرمایا جس کی مقدار تین لاکھ درہم تھی۔ جب حکم بن عاص وصول کر کے حضرت عثمان کے پاس آیا تو آپ نے سب کا سب اسے بخش دیا۔[1]

حضرت عثمان نے حکم بن عاص کو ایک لاکھ درہم بخشے۔[2]

عبدالرحمٰن بن لیسار کا بیان ہے کہ بازار مدینہ کے مسلمانوں سے زکوٰۃ و صدقات کی وصولی پر جو شخص مقرر تھا ایک دن میں نے دیکھا کہ جب شام ہوئی تو حضرت عثمان اس کے پاس تشریف لائے اور کہا کہ آج کی جتنی آمدنی آئی ہے وہ سب حکم بن عاص کو دے دو۔ حضرت عثمان کا قاعدہ تھا کہ جب انہیں اپنے اعزہ کو کچھ دنیا دلانا ہوتا تھا تو اپنے پاس سے نہیں دیتے تھے بلکہ مسلمانوں کے بیت المال سے ہی دلوا دیتے تھے۔ خزانچی ٹلنے لگا۔ اور کہا کہ جب روپیہ وصول ہو جائیگا تو میں دے دوں گا۔ حضرت عثمان کا اصرار زیادہ ہوا۔ آپ نے فرمایا تم ہمارے خزانچی ہو۔ ہم جیسا حکم دیں ویسا کرو۔ خزانچی نے کہا یہ غلط ہے۔ بخدا نہ میں آپ کا خزانچی ہوں نہ آپ کے گھر والوں کا میں تو مسلمانوں کا خزانچی ہوں۔ جمعہ کے دن نماز کے وقت حضرت عثمان خطبہ پڑھ رہے تھے۔ وہ خزانچی آیا اور کہنے لگا۔ لوگو! حضرت عثمان مدعی ہیں کہ میں ان کا اور ان کے گھر والوں کا خزانچی ہوں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ میں مسلمانوں کا خزانچی ہوں۔ یہ تمہارے بیت المال کی کنجیاں ہیں۔ یہ کہہ کر

---

[1] تاریخ الانساب بلاذری ج ۵ ص ۲۸ [2] معارف ابن قتیبہ ص ۸۴ عقد الفرید جلد ۲ ص ۲۶۱ مراۃ الجنان یافعی جلد ۱

اس نے وہ کنجیاں پھینک دیں۔ حضرت عثمان نے اٹھا کر زید بن ثابت کے حوالے کر دیں۔[1]

مروان ابن الحکم

مروان حکم کا بیٹا اور حضرت عثمان کا داماد تھا۔ یعنی ان کی بیٹی ام ابان کا شوہر تھا اور ان کا ابن عم، چچا زاد بھی تھا۔

مروان کو وزیر اعظم کا منصب

حضرت عثمان نے مروان کو اپنا وزیر اعظم بنا کر سلطنت کا سارا انتظام اس کے حوالے کر دیا۔ وہ مملکت کے کل سیاہ و سفید کا مالک تھا، جو چاہتا تھا کرتا تھا، جسے چاہتا تھا مال دیتا تھا، جسے چاہتا تھا محروم کرتا تھا۔ حضرت عثمان کی مہر اس کے پاس رہتی تھی۔ جو چاہتا تھا حکم جاری کرتا تھا اور اس پر حضرت عثمان کی مہر ثبت کر دیتا تھا۔

ملازمین شاہی سے جو کام چاہتا تھا لیتا تھا۔ جو وہ رائے دیتا تھا حضرت عثمان اسی پر عمل کرتے تھے۔

مروان پر حضرت عثمان کی خاص عنایات

حضرت عثمان نے افریقہ کی جنگ میں جو مالِ غنیمت ہاتھ آیا اس کا خمس جس کی تعداد پانچ لاکھ اشرفیاں ہوتی تھیں۔

---

[1] تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۴۵

مروان کو بخشدیا۔ علامہ بلاذری نے عبداللہ ابن زبیر سے روایت کی ہے کہ ۲۷ھ میں حضرت عثمان نے ہم لوگوں کو افریقہ کی لڑائی کے لیے بھیجا۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح جو فوج کا سپہ سالار تھا اسے بے شمار مال غنیمت ہاتھ لگا۔ چار حصے اس مال غنیمت کے تو فوج میں تقسیم ہوئے۔ پانچواں حصہ (خمس) حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر کیا گیا وہ سب کا سب آپ نے اٹھا کر مروان کو دے دیا[1]

منجملہ ان باتوں کے جو حضرت عثمان سے لوگوں کی ناراضگی کا سبب ہوئیں یہ بات بھی تھی کہ انہوں نے اپنے چچازاد بھائی مروان کو ایک لاکھ پچاس اوقیہ عنایت کیا[2] ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ یعنی چالیس لاکھ دو ہزار درہم مروان کو عنایت فرمائے۔

جن باتوں سے لوگ ناراض ہوئے ان میں سے یہ بھی تھا کہ انہوں نے فدک مروان کو بطور جاگیر دے دیا[3]

حارث بن الحکم

۱۔ حضرت عثمان نے اپنے دوہرے داماد اپنی بیٹی عائشہ کے شوہر حارث بن حکم کو تین لاکھ درہم عنایت کیے[4]

---

[1] کتاب الانساب ج ۵ ص ۲۷ و ۲۸ [2] سیرت حلبیہ جلد ۲ ص ۸ [3] معارف ابن قتیبہ ص ۸۴

[4] کتاب الانساب بلاذری جلد ۵ ص ۵۲

۲۔ زکوٰۃ میں وصول شدہ اونٹ حضرت عثمان کے پاس لائے گئے آپ نے وہ سب کے سب حارث بن حکم کو دے دیئے[1]

علامہ ابن قتیبہ ابن عبدالربہ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے محضرول جو مدینہ کا بازار تھا تمام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا حضرت عثمان نے حارث بن حکم کو اسے بطور جاگیر عنایت فرما دیا[2]

حضرت عثمان نے بازار مدینہ میں جو مال فروخت ہوتا تھا اس کا دسواں حصہ حارث کو عطا فرما دیا تھا[3]

سعید بن عاص

سعید کا باپ سعید کا باپ عاص سرکار رسالتؐ کے ان ہمسایوں میں سے تھا جو حضور کی ایذا رسانی کے درپے رہتے تھے۔ سرکار ولایت علی ابن ابی طالب نے بروز جنگ بدر اسے قتل کیا تھا۔

سعید کا باپ سعید اسی دشمن اسلام باپ کا بیٹا تھا اور خود مشہور اوباش شخص تھا حضرت عثمان نے اسے اپنی قرابتداری کی وجہ سے کسی خصوصی فضیلت و شرف کے بغیر اقتدار میں حصہ دیا۔ نظام حکومت میں لیا اور کوفہ کا گورنر بنایا۔ کوفہ کی وہ ولایت جس میں اس زمانہ میں ایران جنت نشان

---

[1] کتاب الانساب بلاذری جلد ۵ صفحہ ۲۸ [2] معارف صفحہ ۸۴ عقد الفرید ج ۲ صفحہ ۲۶۱ شرح نہج البلاغہ جلد ۱ صفحہ ۶۷ [3] سیرۃ الحلبیہ ج ۲ صفحہ ۸۷

کا ایک حصہ بھی شامل تھا۔ اس جنت ارضی میں بنی امیہ کے ان نوجوانوں کو حصول حکومت سے کیا غرض تھی۔ اس کو سعید کے ایک مقولہ نے خود بیان کیا ہے وہ اکثر کہا کرتا تھا۔

"ان ھذا السواد بستان الاغیلمۃ القریش" یہ سرزمین قریش (بنی امیہ) کے چھوکروں کے لیے باغ ہے۔ اس سے آپ اس ذہنیت کا اندازہ کر سکتے ہیں جو بنی امیہ کے ان نوجوانوں کی استعمال اقتدار میں تھی چنانچہ اسی ذہنیت کے پیش نظر سعید بن عاص ولایت کوفہ پر حکومت کرتا تھا۔

جناب ہاشم مرقال جو رسول اللہ کے جلیل القدر صحابی تھے، ان کی آنکھ جنگ یرموک میں ضائع ہوگئی تھی، ان کا واقعہ مشہور ہے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ سعید نے جبکہ وہ کوفہ کا حاکم تھا پوچھا کہ تم لوگوں میں سے چاند کس نے دیکھا ہے لوگوں نے کہا ہم نے تو نہیں دیکھا۔ ہاشم نے کہا میں نے دیکھا ہے۔ سعید نے کہا اپنی اس کانی آنکھ سے تم نے چاند دیکھ لیا اور اتنے مجمع میں سے کسی نے نہیں دیکھا۔ ہاشم نے کہا تم مجھے یک چشم ہونے کا عیب لگاتے ہو حالانکہ یہ راہ خدا میں ضائع ہوئی ہے۔

چونکہ رسول اللہ کا حکم ہے۔ اذا رایتم الھلال فصوموا واذا رایتموہ فافطروا (صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

جب رمضان مبارک کا چاند دیکھو تو روزہ رکھو اور جب عید کا چاند دیکھ لو تو روزہ کھول دو۔ چنانچہ اس حکم کے مطابق ہاشم نے دوسرے دن روزہ نہیں

رکھا۔ سعید کو خبر مل گئی آدمی بھیج کر اسے بلوایا۔ خوب پٹوایا اور اس کا گھر جلوا دیا

اہل کوفہ کے ایک وفد نے حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہو کر سعید کی شکایت کی مگر انہوں نے کوئی توجہ نہ دی اور کہا کہ جب تم لوگ اپنے کسی حاکم میں درشتی دیکھتے ہو تو تمہاری خواہش ہوتی ہے کہ اسے معزول کر دیا جائے۔ سعید دوبارہ کوفہ پلٹ آیا۔ اور اب جی کھول کر اس نے اہلِ کوفہ پہ سختی کی۔

(کتاب الانساب بلاذری)

مالی عنایت حضرت عثمان نے سعید بن عاص کو ایک لاکھ درہم عنایت کیے یہ بات لوگوں کو ناگوار گزری چنانچہ اس معاملہ میں حضرت علی، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف یعنی اصحاب شوریٰ نے حضرت عثمان سے گفتگو کی۔ اس پہ آپ نے فرمایا سعید میرا رشتہ دار ہے۔ ذوی الارحام میں سے ہے۔ میں نے صلہ رحم کیا ہے۔ ان لوگوں نے کہا۔ کیا حضرت ابوبکر و عمر کے قرابتدار نہیں تھے۔ کیا انہوں نے ان کو اتنی گرانقدر رقمیں دیں۔ حضرت عثمان نے کہا ابوبکر و عمر اپنے قرابتداروں کو محروم رکھ کر خدا کی خوشنودی چاہتے تھے۔ اور میں صلۂ رحم میں خدا کی خوشنودی کا طلبگار ہوں۔ لوگوں نے کہا آپ کے طرزِ عمل سے وہ طرزِ عمل ہمیں پسند تھا۔ آپ نے فرمایا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ (کتاب الانساب جلد ۵ ص۲۸)

حضرت عثمان کے اس جواب میں غالباً خطائے اجتہادی ہے۔ اس لیے کہ صلہ رحم اس وقت قابل تعریف ہوتا ہے جب انسان خاص اپنے مال سے دے نہ کہ ایسا مال جس میں تمام مسلمانوں کا حق ہو جو سبھی مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت ہو۔

ولید بن عقبہ

حضرت عثمان سے رشتہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط حضرت عثمان کا مادری بھائی تھا۔ یعنی اس کی اور حضرت عثمان کی ماں ایک تھی۔

ولید کا باپ عقبہ ولید کا باپ عقبہ رسول اللہ کا پڑوسی تھا اور حضور کو ایذا پہنچانے میں سب سے پیش پیش تھا۔ علامہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا۔ کہ میں دو بدترین پڑوسیوں کے بیچ میں تھا ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط یہ دونوں جانوروں کی لید لاتے اور میرے دروازے پر ڈال دیتے تھے۔ اسی پہ اکتفا نہیں بلکہ طرح طرح کے سامان اذیت فراہم کرکے میرے دروازے پر چھوڑ جاتے [۱]

علامہ ابن سعد لکھتے ہیں پیغمبر اور صحابہ پیغمبر کے شدید دشمن، مخالف اور ہر وقت جھگڑے پر تیار اور کشت و خون پر آمادہ یہ افراد تھے۔ ابوجہل، ابولہب، عقبہ بن ابی معیط اور حکم بن عاص [۲]

اقتدار میں حصہ اور کردار علامہ مسعودی لکھتے ہیں جو عمال حضرت عثمان نے مقرر کیے ان میں حضرت عثمان کا اخیافی بھائی ولید بن عقبہ بھی تھا۔ جس کے جہنمی ہونے کی خبر جناب رسول خدا نے دی تھی

---

[۱] طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۸۶ طبع مصر [۲] طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۸۵

ولید بن عقبہ تمام رات اپنے مصاحبین اور ارباب نشاط کے ساتھ شراب نوشی میں مصروف رہتا تھا۔ اور جب مؤذن نماز کے لیے ولید کو خبردار کرتے تھے تو وہ (اسی طرح مخمور) مسجد میں جاکر لوگوں کو نماز پڑھاتا تھا اور بجائے دو رکعت کے چار رکعت پڑھا کر کہتا تھا۔ اگر کہو تو رکعتوں کو اور زیادہ کر دوں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ولید مذکور جب سجدہ میں جاتا تھا تو دیر تک پڑا رہتا تھا اور کہتا تھا۔ "پی اور مجھے بھی پلا" چنانچہ ایک بار جو لوگ اس کے پیچھے پہلی صف میں تھے ان میں سے کسی نے کہا کہ ہم تجھ پہ تو تعجب نہیں کرتے لیکن اس پر متعجب ہیں جس نے تجھے ہمارا والی اور امیر کر کے یہاں بھیجا ہے جب ولید بن عقبہ کے فسق اور مداومت شرابخوری کی خبر مشہور ہوئی تو مسلمانوں کے ایک گروہ نے جس میں ابوجندب اور ابوزینب بھی تھے۔ مسجد میں آکر ولید پر ہجوم کیا۔ دیکھا کہ ولید تخت حکومت پر نشۂ شراب سے بے ہوش پڑا ہے۔ انہوں نے اس کی انگلی سے انگشتری جس میں اس کی مہر تھی۔ اتار لی۔ اور فوراً مدینہ آئے۔ حضرت عثمان سے ولید کی شراب نوشی کا ماجرا بیان کیا۔ حضرت عثمان نے ابوجندب اور ابوزینب سے پوچھا کہ تم نے کیونکر جانا کہ ولید نے شراب پی۔ انہوں نے ولید کی مخموری کے ثبوت میں اس کی انگشتری پیش کر کے کہا کہ اس نے وہی شراب پی جو ہم زمانۂ جاہلیت میں پیا کرتے تھے۔ حضرت عثمان نے ان کو ڈانٹا۔ اور ان کے سینہ پہ دھکا دیکر فرمایا۔ میرے پاس سے ہٹ جاؤ۔ یہ سن کر وہ دونوں الٹے پاؤں باہر نکل گئے[1]

---

[1] مروج الذہب علامہ مسعودی، تاریخ احمدی صفحہ ۱۴۰، ۱۴۱

علامہ ابن حجر کی ستر پوشی

ولید کا صحابی رسول اللہ ہونا ثابت ہے اس سے کچھ گناہ بھی سرزد ہوئے۔ جن کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارے لیے بہتر یہی ہے کہ لب کشائی نہ کریں [۱]

تقسیم دولت میں ولید بن عقبہ کا حصہ

حضرت عثمان نے بیت المال کی ایک رقم خطیر ولید بن عقبہ کو ہبہ کر دی۔

جب ولید حاکم کوفہ ہو کر آیا تو اس وقت کوفہ کے بیت المال کے نگران حضرت عبداللہ بن مسعود تھے، ولید نے عبداللہ ابن مسعود سے ایک رقم کثیر قرض کے طور پر مانگی۔ حکام اکثر قرض لیتے۔ اور جب انہیں وظیفے ملتے تو ادا کر دیتے تھے۔ عبداللہ ابن مسعود نے ولید کو بھی قرضہ دے دیا۔ کچھ دنوں کے بعد واپسی کا تقاضا کیا۔ ولید نے ان کی شکایت حضرت عثمان کو لکھ بھیجی۔ حضرت عثمان نے عبداللہ بن مسعود کو لکھا کہ تم فقط خزانچی ہو۔ ولید نے جو کچھ قرضہ لیا ہے۔ اس کا تقاضا نہ کرو۔ اس سے تعرض کرنا مناسب نہیں، عبداللہ بن مسعود نے کنجیاں پھینک دیں۔ اور کہا کہ میں اب تک یہی سمجھا تھا کہ میں مسلمانوں کا خزانچی ہوں۔ تمہارا ہی خزانچی ہونا ہے تو مجھے ملازمت کی حاجت نہیں۔ کنجیاں حوالہ کرنے کے بعد وہ کوفہ میں ہی مقیم رہے [۲]

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۴۲ [۲] کتاب الانساب ج ۵ ص ۳۰

عبداللہ بن سنان بیان کرتے ہیں۔ کہ ہم لوگ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ عبداللہ ابن مسعود ادھر سے گزرے۔ ان دنوں وہ کوفہ کے بیت المال کے نگران تھے اور حاکم کوفہ ولید بن عقبہ تھے۔ عبداللہ بن مسعود نے کہا کوفہ والو! رات کو بیت المال سے ایک لاکھ درہم کم نکلے۔ نہ تو اس کے متعلق خلیفہ وقت کا کوئی فرمان پہنچا نہ مجھے اس سے بری قرار دیا۔ ولید نے یہ واقعہ حضرت عثمان کو لکھ بھیجا۔ انہوں نے عبداللہ بن مسعود کو بیت المال سے معزول کر دیا۔[۱]

عبداللہ بن خالد

عبداللہ بن خالد بن اسید بن ابی العاص بن امیہ حضرت عثمان کے داماد تھے۔ علامہ ابن عبدربہ قرطبی، علامہ ابن قتیبہ اور علامہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان نے عبداللہ ابن خالد ابن اسید ابن ابی العاص ابن امیہ کو چار لاکھ درہم دیئے۔[۲]

حضرت عثمان کے زمانے میں بیت المال کے انچارج عبداللہ ابن ارقم تھے۔ حضرت عثمان نے ایک لاکھ درہم قرض لیے عبداللہ نے اس کے متعلق ایک یادداشت لکھی کہ یہ مسلمانوں کا مال ہے اور حضرت علی وطلحہ و

---

۱ عقد الفرید ج ۲ صہ ۲۷۲

۲ عقد الفرید ج ۲ صہ ۳۶۱، معارف صہ ۸۴، شرح ابن ابی الحدید ج ۱ صہ ۶۶

زبیر سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ ابن عمر سے اس پہ گواہیاں لکھوائیں جب مدت پوری ہوئی تو حضرت عثمان نے وہ ایک لاکھ درہم واپس کر دیئے۔ کچھ ہی دنوں کے بعد عبداللہ ابن خالد بن اسید مکہ سے آیا اور اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ حضرت عثمانؓ عبداللہ کو تین لاکھ درہم دیئے اور ہمراہیوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک لاکھ درہم عنایت کیے اور ابن ارقم کو ایک تحریر لکھی کہ اتنا روپیہ بیت المال سے ادا کر دو۔ ابن ارقم کے نزدیک یہ رقمیں بہت زیادہ تھیں۔ بیت المال متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ انہوں نے حضرت عثمان کا حکم نامہ واپس کر دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان سے خواہش کی کہ سابق کی طرح پھر ایک تحریر لکھ دیں کہ یہ مسلمانوں کا مال ہے۔ حضرت عثمان نے ایسی تحریر دینے سے انکار کر دیا۔ ابن ارقم بھی اڑ گئے۔ کہ بغیر ایسی تحریر لکھے ہوئے ہم ان لوگوں کو روپیہ کسی صورت سے نہ دیں گے۔ حضرت عثمان نے کہا۔ تم ہمارے خزانچی ہو۔ تم کو ایسا کرنے کا کیا حق ہے۔ ابن ارقم نے کہا میں تو یہ سمجھتا تھا کہ میں مسلمانوں کا خزانچی ہوں۔ آپ کا خزانچی آپ کا غلام ہو گا۔ خدا کی قسم آپ کی طرف سے اب کبھی بیت المال کی نگرانی کا فرض انجام نہیں دوں گا۔ اس کے بعد بیت المال کی کنجیاں لائے۔ اور منبر سے لٹکا دیں۔ حضرت عثمان نے پھر زید بن ثابت کو خزانہ کا انچارج مقرر کیا۔ اور کنجیاں ان کے حوالہ کر دیں۔[1]

---

[1] کتاب الانساب بلاذری ج ۵ ص ۵۸۔

حضرت عثمان نے جب عبداللہ بن خالد بن اسید سے اپنی بیٹی کی شادی کی تو اسے چھ لاکھ درہم دیے جانے کا حکم دیا اور عبداللہ ابن عامر کو لکھا کہ بصرہ کے بیت المال سے یہ رقم ادا کر دو۔[1]

ابوسفیان پر عنایت جس دن حضرت عثمان نے مروان بن حکم کو ایک لاکھ درہم بیت المال سے دلوائے تھے۔ اسی دن آپ نے ابوسفیان بن حرب کو دو لاکھ درہم دلوائے تھے۔[2]

مورخ کے لیے سرمایۂ حیرت یہ امر ہے کہ کس سے پوچھا جائے اور کون بتا سکتا ہے کہ بیت المال کے لیے کوئی حساب کتاب بھی مقرر ہے یا جس کو چاہا اور جتنا چاہا اٹھا کر حوالے کر دیا۔

تقسیم اقتدار حضرت عثمان نے حکومت کے عہدوں کی اپنے خاندان اور پارٹی میں اس طرح تقسیم فرمائی تھی:-

مصر۔ گورنر۔ عبداللہ ابن سعد بن ابی سرح۔ یہ وہ شخص تھا جو رسول اللہؐ کے زمانے میں ہی مشرکوں سے مل گیا تھا۔ اور جس کا خون رسول اللہؐ نے حلال فرما دیا تھا۔

کوفہ۔ گورنر۔ حضرت عمار بن یاسر کو معزول کر کے اپنے بھائی ولید بن عقبہ کو مقرر کیا۔ جس کا حال آپ پڑھ چکے ہیں۔

---

[1] تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۴۵ [2] شرح نہج البلاغہ جلد ۱ صفحہ ۶۷

بصرہ۔ گورنر۔ ابوموسیٰ اشعری کو معزول کرکے اپنے خالہ زاد بھائی عبداللہ ابن عامر کو مقرر کیا۔

شام۔ گورنر معاویہ۔ جو ان کا چچازاد بھائی تھا۔

فلسطین گورنر۔ عمرو عاص۔

حضرت عثمان کے زمانے کے

لکھ پتی اور کروڑ پتی

زبیر بن العوام

زبیر نے مرنے کے بعد ۱۱ مکانات مدینہ میں، ۲ مکان بصرہ میں، ایک کوفہ میں، ایک مصر میں چھوڑے۔ ان کی چار بیویاں تھیں۔ ان کے ترکہ سے آٹھواں حصہ پایا اور ہر ایک کو ۱۲ لاکھ ملے۔ اس طرح ان کا کل ترکہ ۵ کروڑ ۹۸ لاکھ تھا[1] صحیح بخاری وغیرہ میں صرف تعداد لکھی ہے۔ درہم و دینار کی صراحت نہیں۔ تاریخ ابن کثیر میں درہم کی تصریح ہے۔

زبیر کی مصر میں بھی جاگیریں تھیں۔ سکندریہ میں بھی کوفہ میں بھی بصرہ میں بھی کئی مکانات تھے۔ اطراف مدینہ سے ان کو آمدنی آتی تھی[2]

زبیر نے مرنے پر ہزار گھوڑے، ہزار غلام کنیزیں اور بہت سے محل و جاگیریں چھوڑیں[3]

---

[1] صحیح بخاری ج ۵ ص ۲۱ [2] طبقات ابن سعد ج ۳ ص [illegible] طبع لیڈن

زبیر بن العوام نے ایک عالیشان محل بصرہ میں ایسا مضبوط بنایا تھا کہ جو مؤرخ مسعودی کے زمانہ (۳۳۸ھ) میں موجود تھا اور اس میں تجار اور اہل دول ٹھہرتے تھے (ہوٹل کے طور پر استعمال ہوتا تھا) ایسے ہی محل انہوں نے مصر، کوفہ اور سکندریہ میں بنوائے تھے۔ اپنی وفات پر انہوں نے پچاس ہزار دینار چھوڑے اور ایک ہزار اونٹ چھوڑے تھے[1] ان کے ایک ہزار غلام تھے جو ان کو خراج دیتے تھے[2]

طلحہ بن عبید اللہ تیمی کوفہ میں انہوں نے ایک عالیشان محل بنوایا۔ انہیں روزانہ ایک ہزار دینار کی آمدنی فقط عراق سے آتی تھی۔ بعض لوگوں نے اس سے بھی زیادہ لکھا ہے۔ سراۃ کے اطراف کی آمدنی ایک ہزار دینار سے بھی زیادہ تھی۔ ایک محل انہوں نے مدینہ میں بنوایا تھا جو پکی اینٹ، چونہ اور نہایت عمدہ ساگوان کی لکڑی سے بنا تھا۔ محمد ابن ابراہیم کا بیان ہے کہ طلحہ کی آمدنی عراق سے چار لاکھ سے ۵ لاکھ تک تھی اور سراۃ کے اطراف سے کم و بیش دس ہزار دینار تھی۔ سفیان بن عیینہ کا بیان ہے کہ ان کی روزانہ آمدنی ہزار وافی تھی۔ یعنی ہزار دینار تھی۔ موسیٰ بن طلحہ کہتے تھے کہ انہوں نے مرنے پر بائیس لاکھ درہم دو لاکھ دینار چھوڑے۔ ابراہیم بن محمد بن طلحہ کا بیان ہے کہ طلحہ نے مال و اسباب، زمین و جائداد، سونا اور چاندی جتنا چھوڑا اس کی مجموعی قیمت تین کروڑ درہم تھی۔ جس میں نقد ۲۲ لاکھ درہم اور دو لاکھ دینار تھے۔ اور باقی جائداد و اسباب تھے۔ عمرو عاص کہتے تھے

---

[1] مروج الذہب مسعودی الجزء الثانی صفحہ ۲۲۲ [2] الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۲۰۳

کہ طلحہ نے مرتے پر سو بہار چھوڑے جس میں سونا بھرا ہوا تھا۔ بہار بیل کی کھال کو کہتے ہیں۔ علامہ ابن عبدربہ نے خشنی سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے تین ہزار بہار سونے چاندی کے چھوڑے۔ سبط ابن جوزی نے لکھا ہے کہ تین سو اونٹوں کا بار سونا چھوڑا۔[1]

طلحہ بن عبید اللہ نے ایک نہایت عالیشان محل کوفہ میں بنوایا تھا۔ جو مسعودی مورخ کے زمانے تک بہت مشہور تھا۔ اور موجود تھا۔ مدینہ میں بھی ایک ایسا ہی محل بنوایا تھا۔ عراق سے ان کی روزانہ آمدنی ایک ہزار دینا تھا۔[2]

عبدالرحمٰن ابن عوف

علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن نے مرنے پر ہزار اونٹ تین ہزار بکریاں اور سو گھوڑے چھوڑے۔ مقام جرف پران کی کاشتکاری ہوتی تھی جس میں بیس اونٹ کام کرتے تھے۔ اور انہوں نے اپنے مرنے پر اتنا سونا چھوڑا کہ ورثہ میں کلہاڑیوں سے کاٹ کر تقسیم کیا گیا۔ چار بیویاں۔ ہر ایک بیوی نے اسی ہزار پائے۔ علامہ مسعودی لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن نے ایک بہت عالیشان وسیع وعریض محل تعمیر کیا تھا جس کے اصطبل میں سو گھوڑے ہزار اونٹ اور دس ہزار بکریاں بندھتی تھیں اور مرنے پر ان کے ترکہ

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۵۸ مروج الذہب جلد ۱ صفحہ ۴۳۴ عقد الفرید جلد ۲ صفحہ ۲۷۹ ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۵۸، دول اسلام ذہبی جلد ۱ صفحہ ۱۸ خلاصہ خزرجی صفحہ ۱۵۲

[2] مروج الذہب مسعودی جلد ۲

کا اٹھواں حصہ ۴۰ ہزار تھا[1] جب مرنے لگے تو بہت روتے تھے۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو بتایا کہ مصعب بن عمیر مجھ سے بہتر تھے۔ ان کا انتقال رسول اللہؐ کے زمانہ میں ہوا تھا اور اتنا بھی نہ چھوڑا کہ ایک کفن کے لیے کافی ہوتا۔ حمزہ بن عبدالمطلب مجھ سے بہتر تھے اور انہوں نے اتنا نہ بھی چھوڑا کہ کفن تو ہو جاتا۔[2]

سعد بن ابی وقاص

سعد نے مرتے پر دولاکھ پچاس ہزار درہم چھوڑے اپنے قصر عقیق میں وفات پائی۔ علامہ مسعودی لکھتے ہیں کہ انہوں نے مقام عقیق میں عالیشان محل بہت بلند طویل و عریض تعمیر کیا تھا اور بلندی پر کنگرے بھی بنوائے تھے۔[3]

حضرت عثمان

حضرت عثمان جو ردا اوڑھتے تھے وہ ایک سو اشرفی کی ہوتی تھی۔[4] علامہ بلاذری لکھتے ہیں کہ مدینہ کے اندر جو بیت المال تھا اس میں ایک چھوٹا سا ڈبہ تھا۔ جس میں ایک زیور اور ایک جوہر تھا۔ حضرت عثمان نے وہ ڈبہ بیت المال سے نکال کر اپنی کسی بیوی کو دے دیا۔ اس پر لوگوں نے ان پر اعتراض کیے اور سخت سست باتیں کیں۔ جس پر حضرت عثمان کو غصہ آ گیا اور آپ نے فرمایا۔ یہ خدا کا

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۹۶ طبع لیڈن، مروج الذہب جلد ا ص ۴۳۴ تاریخ الیعقوبی ج ۲ ص ۴۶ صفۃ الصفوہ ابن جوزی ج ا ص ۱۳۵ ریاض نضرہ ج ۲ ص ۲۹۱ [2] الاستیعاب ج ۲ ص ۴۰۳
[3] طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۰۵، مروج الذہب ج ا ص ۴۳۴ [4] استیعاب ج ۲ ص ۴۷۶ حالات حضرت عثمان، طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۴۰ طبع لیڈن کتاب الانساب بلاذری

مال ہے۔ میں جسے چاہوں دوں۔ جسے نہ چاہوں نہ دوں۔ جو خفا ہوتا ہے ہوا کرے۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ حضرت عثمان نے فرمایا، مال غنیمت سے جتنا ہمیں ضرورت ہو گی لیں گے چاہے لوگوں کو برا ہی کیوں نہ معلوم ہو۔ اس پر حضرت علیؓ نے کہا اس صورت میں آپ روک دیے جائیں گے اور آپ کے اور بیت المال کے درمیان دیوار حائل کر دی جائے گی۔ ابو موسیٰ اشعری بہت سا سونا اور چاندی لے کر آئے۔ حضرت عثمان نے سب کا سب اپنی بیویوں اور لڑکیوں میں تقسیم کر دیا اور بیت المال کا اکثر و بیشتر حصہ اپنے کھیتوں کی آبادی اور اپنے مکانوں کی تعمیر میں صرف کیا[1] علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان جس دن دنیا سے رخصت ہوئے۔ اس دن ان کے خزانچی کے پاس تین کروڑ پچاس لاکھ درہم ایک لاکھ پچاس ہزار دینار تھے۔ وہ سب کے سب لوٹ لیے گئے۔ مرنے پر مقام ربذہ میں تین ہزار اونٹ چھوڑے اور متفرق مقامات پر اتنی جائداد چھوڑی جس کی قیمت دو لاکھ دینار تھی[2]

علامہ مسعودی لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان نے مدینہ میں ایک عالی شان محل چونے اور پتھر سے تعمیر کیا۔ اس کے دروازے ساگوان و عرعر کے بنوائے اور اموال و جائداد، باغات، چشمے مدینہ میں حاصل کیے۔ حضرت عبداللہ ابن عتبہ کہتے ہیں کہ جس دن حضرت عثمان اس دنیا سے رخصت ہوئے ان کے خزانچی کے پاس ایک لاکھ پچاس ہزار دینار اور ایک کروڑ درہم تھے اور

---

[1] صواعق محرقہ صفحہ ۶۸، [2] سیرۃ حلبیہ ج ۲ صفحہ ۸۷

اتنی جائداد چھوڑی جس کی قیمت ایک لاکھ دینار ہوتی تھی۔ اور بے شمار گھوڑے اور اونٹ چھوڑے [1] علامہ ذہبی لکھتے ہیں، بے حد و حساب دولت ان کے پاس تھی اور ہزار غلام تھے [2] حضرت عثمان جس دن دنیا سے رخصت ہوئے اس دن ان کے خزانہ میں ایک صد پچاس ہزار دینار، دس لاکھ درہم تھے اور وادی القریٰ و حنین میں جو ان کی جاگیریں تھیں ان کی قیمت ایک صد ہزار دینار تھی۔ اس کے علاوہ آپ نے بے شمار گھوڑے اور اونٹ چھوڑے [3] یہ ہے شوریٰ کمیٹی کے پانچ ممبروں کا متمول اور علیؑ کے گھر میں وہی فقر و فاقہ وہی مزدورانہ زندگی جس پہ دنیا کے مزدور ہمیشہ فخر کریں گے۔ اور انہیں مزدور تاجدار کے لقب سے یاد کرتے رہیں گے۔ حضرت عمر نے پانچ متمول سرمایہ داروں کو اور ایک مزدور کو حکومت کا امیدوار قرار دیا تھا۔

یعلیٰ ابن امیہ مرنے پر ۵ لاکھ دینار نقد چھوڑے۔ دوسروں کو جو قرضے دیے تھے وہ علیحدہ تھے۔ اس کے علاوہ بہت سی زمینیں چھوڑیں جن کی قیمت ایک لاکھ دینار کے قریب تھی [4]

مغیرہ بن شعبہ ابن نافع کہتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہ نے اسلام میں داخل ہونے کے بعد تین سو عورتوں سے نکاح کیا ابن وضاح کہتا ہے کہ ابن نافع نے کم بیان کیا۔ اس نے ایک ہزار عورتوں سے نکاح کیا [5]

---

[1] مروج الذہب جلد ا صـ۴۳۳ [2] دول اسلام جلد ا صـ۱۲ [3] مروج الذہب مسعودی الجزء الثانی صـ۲۲۲۔ [4] مروج الذہب جلد ا صـ۴۳۴ [5] الاستیعاب الجزء الاول صـ۲۵۹ ترجمہ مغیرہ بن شعبہ

زید بن ثابت خاندانِ انصار کے مشہور سیاسی فرد حضرت زید بن ثابت تھے جو سقیفۂ بنی ساعدہ میں اپنے قبیلہ کے خلاف حضرت ابوبکر سے مل گئے تھے اور انہوں نے انصار میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر کی بیعت کی تھی۔ جس کی وجہ سے ان کی حوصلہ افزائی اس طرح کی گئی کہ باوجود کم سن ہونے کے جمع قرآن کی خدمت انہیں تفویض ہوئی اور وہ جامع القرآن کمیٹی کے صدر بنائے گئے۔ حالانکہ ہجرت کے وقت ان کی عمر صرف گیارہ برس کی تھی۔ نزول قرآن ان کی ولادت سے پہلے شروع ہو چکا تھا۔ اور ابھی وہ بچہ تھے کہ تین چوتھائی قرآن نازل ہو چکا تھا۔ جمع قرآن کی خدمت ان کے سپرد کی جاتی ہے اور حضرت علی کے جمع کیے ہوئے قرآن کو محلِ التفات نہیں سمجھا جاتا، عبداللہ ابن مسعود، ابی ابن کعب جیسے تجربہ کار صحابیوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

جب جامع قرآن کمیٹی مقرر ہوئی تو زید بن ثابت اس کے صدر تھے[1]

حضرت عثمان کو زید بن ثابت سے بہت محبت تھی اور زید حضرت عثمان کی پارٹی میں تھے اور حضرت علی کے ساتھ ایک لڑائی میں بھی شامل نہیں ہوئے[2]

جب دوسرے صحابہ حضرت عثمان کی جود و عطا پر خزانے کی کنجیاں پھینک دیتے تھے تو یہ کنجیاں حضرت عثمان ان ہی کے سپرد فرماتے ہیں۔

زید بن ثابت بہت غریب خاندان سے تھے لیکن جب ان کا انتقال

---

[1] صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن الجزء الثالث ص۵ الاتقان الجزء الاول ص۵۱۔ [2] استیعاب الجزء الاول ص۱۹۲ ترجمہ زید بن ثابت

ہمانوان کی دولت و ثروت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وقت تقسیم ترکہ ان کے پاس اتنی سونے اور چاندی کی اینٹیں تھیں کہ وارثوں میں کلہاڑیوں سے توڑ کر تقسیم کی گئیں۔ اس کے علاوہ بہت کچھ انہوں نے بصورت نقد و جاگیر چھوڑا یہ سب کچھ ملا کر یک صد دینار رہوتا تھا[1]

حضرت عثمان کے عطایا سے سرمایہ داروں کے نمول کا مختصر اندازہ

نام	تعداد دینار
مروان	۵ لاکھ دینار
عبداللہ بن سعد بن ابی سرح	ایک لاکھ دینار
طلحہ	دو لاکھ دینار
عبدالرحمٰن	۲۵ لاکھ ساٹھ ہزار دینار
یعلی بن امیہ	۵ لاکھ دینار
زید بن ثابت	ایک لاکھ دینار
خود حضرت عثمان کے لیے	ایک لاکھ پچاس ہزار دینار
دوبارہ لیے	دو لاکھ دینار
میزان	۴۳ لاکھ دس ہزار دینار

[1] مروج الذہب الجزء الثانی ص۲۲۳

نام	تعداد درہم
حکم بن العاص	۳ لاکھ درہم
آل حکم	۲۰ لاکھ درہم
حارث بن حکم	۳۰ لاکھ درہم
سعید بن عاص	ایک لاکھ درہم
ولید	ایک لاکھ درہم
عبداللہ بن سعد بن ابی سرح	۳۰ لاکھ درہم
ابوسفیان	۲ لاکھ درہم
مروان	۱ لاکھ درہم
طلحہ	۲۲ لاکھ درہم
طلحہ	۳ کروڑ درہم
زبیر	۵ کروڑ ۹۸ لاکھ درہم
سعد بن ابی وقاص	۲ لاکھ پچاس ہزار درہم
حضرت عثمان	۳ کروڑ پچاس ہزار درہم
میزان	۱۲ کروڑ ۹۶ لاکھ ۷۰ ہزار درہم

اس کثرت دولت کے تمدنی اثرات

۱۔ اس ثروت و تمول کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل ثروت کی ایک جماعت بن گئی۔ جنہوں نے بہت جلد حکومت کو

اپنے زیر اثر کرلیا۔

۲۔ مسلمانوں میں تعیش اور استعمالِ دولت کے ایسے طریقے ایجاد ہوئے جو خلافِ شریعتِ اسلام تھے، مکہ مدینہ میں رقص وسرود عام ہوگیا۔ روم اور شام سے شراب امپورٹ ہونے لگی اور ایران سے رقاصہ عورتوں کی درآمد شروع ہوگئی۔ سنگِ مرمر اور سنگِ موسیٰ کے مکان بننے لگے۔ مسلمانوں میں جو سرمایہ صدناز وفخر سادگی تھی رخصت ہوگئی۔

۳۔ سلطنت ایران وروم کے جغرافیائی فاتح اس تہذیب وتمدن کا شکار ہوئے جو اُن سلطنتوں کے زمانۂ انحطاط کی پیداوار تھی یعنی عیش وعشرت ولہو ولعب مسلمانوں میں عام ہوگئے۔

مسٹر فلپ کے ہٹی (MR PHILIPH-K- HITTI) حضرت عمر کے زمانہ کے خراج کی آمدنی بیان کرکے لکھتے ہیں:۔

اردو ترجمہ اس قدر دولت کی فراوانی کی وجہ سے دونوں مقدس شہروں یعنی مکہ ومدینہ کا تقدس بہت کم ہوگیا۔ وہ دنیاوی عیش وعشرت کے مرکز اور عرب کی عشقیہ شاعری کے گھر بن گئے۔ مکہ میں ایک قسم کے کلب گھر بن گئے جہاں شہر کے عمائد آن کر شطرنج جوا کھیلا کرتے تھے اور کتابیں پڑھتے تھے۔ مدینہ میں ایرانی اور رومی لونڈیاں زیادہ سے زیادہ تعداد میں رہنے لگیں، عشقیہ شاعری ان مشاغل کے ساتھ ترقی کرتی گئی، قحبہ خانے کثرت سے قائم ہوگئے جہاں عمائدِ شہر جایا کرتے تھے وہاں یہ حسین اور نوجوان عورتیں زرق برق کے دلا دیز لباس پہن کر اپنے مہمانوں کو گانا سنا

کر اور رقص دکھا کر محظوظ کرتی تھیں اور وہ مہمان مختلف رنگ کے ریشمی کپڑے پہنے ہوئے گاؤ تکیہ سے لگ کر عیش و عشرت کی مسحور فضا میں (دوزخ کو بھولے ہوئے جنت سے بے پرواہ) ان کے حسن و جمال و سریلی آواز کا مزا لیتے تھے، اور شام کی شراب جام و مینا میں چھلکتی ہوئی ان کے آگے آتی تھی اور وہ اس کو پیتے جاتے تھے اور اس کے سرور میں ان کی خوشی کا پیمانہ بہت لبریز ہو جاتا تھا، مکہ و مدینہ اور طائف میں اس قسم کی عورتوں کے بے شمار مکانات تھے[1]

جسٹس امیر علی لکھتے ہیں :-

مدینہ کی عورتیں بہت اچھا گاتی تھیں، مورخین کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر شہر کا گشت کرنے نکلتے تھے اور اکثر ان عورتوں کا گانا سننے کے لیے ٹھہر جاتے تھے[2]

امیر علی صاحب لکھتے ہیں :-

حضرت عثمان کے تخت پر بیٹھتے ہی مکہ میں شراب خوری، جوا بازی اور زنا عام ہو گئے۔ خود ان کے بھتیجے نے مکہ میں ایک قمار خانہ جاری کیا تھا اور اب عورتوں کی محفلیں آراستہ کر کے ان کو عشقیہ گانا سنانا عام ہو گیا تھا[3]

---

[1] HITTI:- HISTORY OF THE ARABS (4th EDITION) CHAPTER XX. PAGE 237.
اردو ترجمہ از سلطان القلم آغا محمد سلطان مرزا دہلوی مدظلہ العالی سیرۃ فاطمہ الزہرا ص۳۸۔ ص۴۹

[2،3] AMIR ALI - HISTORY OF THE SARACEN CHAPTER VI PAGE 67.

رعایا میں معاشی توازن قائم نہیں رہا تھا۔ ساری رعایا دو عظیم الشان طبقوں میں تقسیم ہو گئی تھی امراء و متمول افراد کا طبقہ اور مفلس اور زبوں حال لوگوں کا طبقہ اس معاشی صورت حال کا نتیجہ انقلاب ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ ملک کو انقلاب سے دوچار ہونا پڑا، سواد اعظم کے مؤرخ اس کی ذمہ داری ایک موہوم شخصیت عبداللہ ابن سبا کے سر تھوپ کر ارباب اقتدار کی ستر پوشی کرنا چاہتے ہیں اور ان کی سیاست پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں عبداللہ ابن سبا ایک یہودی تھا۔ جس نے اپنے غلط پراپگنڈہ سے داخلی فتنہ برپا کر دیا۔

عبداللہ ابن سبا

ہمیں ان الزامات میں شبہ ہے جو عبداللہ ابن سبا کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں، اس کے متعلق صرف طبری کی ایک روایت ہے اور وہ یزید الفقعسی کی ہے۔ کہ وہ یہودی تھا حضرت عثمان کے زمانہ میں مسلمان ہوا اور حضرت عثمان کے خلاف پروپیگنڈا کرتا تھا وہ پہلے حجاز گیا، پھر بصرہ اور کوفہ پھر ناکام شام گیا جب کہیں کامیابی نہ ہوئی تو مصر چلا گیا اور وہیں مقیم تھا۔ اور حضرت عثمان کے خلاف پراپگنڈہ کرتا تھا جب حضرت عثمان کو پتہ چلا تو انہوں نے عمار یاسر کو مصر بھیجا اور انہوں نے "سب کچھ ٹھیک" کی رپورٹ بھیج دی۔

جدید ترین تحقیق یہ ہے کہ عبداللہ ابن سبا ایک افسانوی کردار ہے عبداللہ ابن سبا کے متعلق یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کب اور کہاں فوت ہوا جس زمانہ میں عبداللہ ابن سبا کا ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ اس زمانہ کی ایک یہ بھی

خصوصیت تھی کہ اگر کسی مصلحت سے کسی شخص کا نام لینا مناسب نہ سمجھا جاتا تو اس کے افعال و اقوال کو دوسرے کے نام سے بیان کر کے بیان کیا جاتا تھا۔ مثلاً بنو امیہ کے زمانے میں حضرت علیؑ کا نام لینا خطرناک تھا۔ تو ان کے اقوال و افعال کو "رجل من قریش" (قریش کا ایک آدمی) یا ابوزینب کی طرف منسوب کر کے بیان کیا جاتا تھا۔ عبداللہ بن سبا کی اس نامعلوم سی کیفیت کو دیکھ کر ہمارا خیال ہے کہ عبداللہ بن سبا کا نام لے کر کسی مشہور صحابی رسول کے یہ اقوال و افعال بیان کیے جا رہے ہیں اور اس پردہ کو زیادہ گہرا کرنے کے لیے ان میں ایسے اقوال کی آمیزش کر دی گئی۔ جو لوگوں کی نفرت کا باعث ہو۔ یہ کوئی صحابی رسول تھا جو برملا لوگوں میں یہ عقیدہ پھیلاتا تھا کہ خلافت حضرت علی کا حق تھا۔ پہلے خلفاء نے ناحق اس پر قبضہ کر لیا۔ اس صحابی کی عظمت کی وجہ سے اس کا نام لینا مناسب نہ سمجھا گیا۔ اگر اس کا نام لیتے تو اس عظمت کی وجہ سے جو دربار رسول میں حاصل تھی اس دعوے کو بہت تقویت پہنچتی۔ لہٰذا اس کو عبداللہ ابن سبا کا نام دیا گیا۔ اور یہ کہا گیا کہ یہ عبداللہ یہودی تھا۔ ممکن ہے کہ وہ صحابی عمار ابن یاسر ہوں۔ وہ بھی یمنی تھے۔ عبداللہ کو بھی یمنی بنایا گیا۔ اور وہیں اس عقیدہ کی تبلیغ کی۔ (ماخوذ از مسلمانوں کے مذہب پر غیر اسلامی ثقافت کے اثرات)

ایک خبر احاد پر ہم ان حقائق سے کس طرح چشم پوشی کر سکتے ہیں جو مورخوں نے لکھے ہیں۔ ایسے سیاسی حالات میں انقلاب قدرت کا اٹل

تھا۔ جسے روکا نہیں جا سکتا تھا۔

سوالات

۱۔ حضرت عثمان نے کس طرح اقربا پروری کی ابتدا کی۔ اس سلسلہ میں فرانسیسی مؤرخ مسٹر ڈوزی کی رائے بیان کیجئے۔

۲۔ حضرت عثمان نے عوامی چراگاہوں کو اپنے اور اپنے رشتہ داروں کے لیے کس طرح مخصوص کیا۔ تفصیل سے بیان کیجئے۔

۳۔ حکم بن عاص کے حالات ذکر کرکے اس پر حضرت عثمان کی نوازشوں کو بیان کیجئے۔

۴۔ مروان بن الحکم کے حالات بیان کیجئے۔ نیز تبلائیے کہ حضرت عثمان نے اسے کس طرح نوازا؟

۵۔ حارث بن حکم کے حالات بیان کرکے تبلائیے کہ حضرت عثمان نے اس پر کس طرح عنایتوں کی بارش فرمائی؟

۶۔ سعید بن عاص کے حالات بیان کرکے اس پر حضرت عثمان کی مالی نوازشوں کا تذکرہ کیجئے۔

۷۔ ولید بن عقبہ کے حالات بیان کیجئے۔ اس کے برسرِ اقتدار لانے سے حضرت عثمان کو کیا نقصان پہنچا

اس کے کردار کو بیان کیجئے۔

۸۔ عبداللہ بن خالد اور ابوسفیان پر حضرت عثمان کی نوازشوں کو بیان کیجئے۔

۹۔ حضرت عثمان نے اقتدار کو کس طرح تقسیم کیا؟

۱۰۔ زبیر بن العوام کے تموّل کو بیان کیجئے۔

۱۱۔ بتلایئے کہ طلحہ بن عبیداللہ کس قدر دولت مند تھے؟

۱۲۔ عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص کی دولت و ثروت کو بیان کیجئے۔

۱۳۔ حضرت عثمان کے تموّل کو تفصیل سے بیان کیجئے۔

۱۴۔ اصحاب شوریٰ کے مقابلہ میں حضرت علی کی قابل فخر مزدورانہ زندگی کو بیان کیجئے۔

۱۵۔ یعلیٰ بن امیہ اور مغیرہ بن شعبہ کی دولت کو بیان کیجئے۔

۱۶۔ بتلایئے کہ زید بن ثابت باوجود انصاری ہونے کے حکومت کے کیوں منظور نظر تھے۔ انکی پہلی حالت کیا تھی اور پھر ان کی مالداری کہاں تک پہنچی؟

۱۷۔ حضرت عثمان کے عطایا کو دیناروں کے لحاظ سے بیان کیجئے۔

۱۸۔ حضرت عثمان کی بخششوں کو درہموں کے لحاظ سے بیان کیجئے۔

۱۹۔ کثرت دولت کے مسلمانوں پر تمدنی اثرات کیا پڑے۔ اس سلسلہ میں فلپ کے ہٹی کی کیا رائے ہے اور جسٹس سید امیر علی کیا فرماتے ہیں

۲۰۔ عبداللہ بن سبا پر روشنی ڈالیے۔

انتیسواں باب

واقعات مختلفہ

حضرت عثمان اور رائے عامہ

شدید مخالفت

حضرت عثمان کی وفات ۳۵ھ میں حضرت عثمان نے وفات پائی۔ جو حضرت عثمان کی خلافت کا آخری زمانہ تھا۔ اوز جناب رسالتمآبؐ کی حدیث ہے کہ اگر دین ثریا کے قریب ہوتا تب بھی سلمان اس کو پا جاتے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ سلمان ہم اہل بیتؑ سے ہیں اور ان کی مثال حکیم لقمان کی ہے[1]۔ اہل علم کا قول ہے کہ حضرت سلمان کی عمر تین سو برس کی ہوئی۔ دو سو پچاس سال کی عمر ہونے میں تو کسی کو شک ہی نہیں ہے[2]

---

[1] استیعاب، تاریخ احمدی ص۱۵۸ و ص۱۵۹

[2] اصابہ ابن حجر عسقلانی تاریخ احمدی ص۱۵۹

ولادت امام زین العابدین ۳۳ھ میں امام زین العابدین علی ابن الحسینؑ علیہ السلام پیدا ہوئے [1]

اولیات حضرت عثمان ۱۔ سب سے پہلے آپ نے لوگوں کی جاگیریں مقرر کیں اور جانوروں کے لیے چراگاہیں چھوڑیں [2]

۲۔ آپ نے تکبیریں آواز دھیمی کی مسجد میں خوشبو جلوائی [3]

۳۔ آپ نے جمعہ میں اذان اول کا حکم دیا [4]

۴۔ آپ نے موذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ جب آپ نے بعد از بیعت تقریر کرنی چاہی تو آپ سے نہ ہو سکی اور فرمایا کہ تم جانتے ہو، کہ سب سے پہلے گھوڑے پر سوار ہونا مشکل ہوتا ہے۔ اگر میں آج کے بعد زندہ رہا تو تمہیں خطبہ سناؤں گا۔ تم جانتے ہو کہ ہمارا خاندان کبھی خطیب نہیں رہا اور میں جیسا کچھ ہوں وہ خدا تم پر ظاہر کر دے گا (ابن سعد) [5]

۵۔ آپ نے سب سے پہلے نماز عید سے پہلے خطبہ پڑھا [6]

۶۔ لوگوں کو خود زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا [7]

۷۔ پولیس مقرر کی اور حضرت عمر کی حالت دیکھ کر مسجد میں اپنے لیے گوشہ

---

[1] تاریخ خمیس تاریخ احمدی صفحہ ۱۵۲ [2] اردو ترجمہ تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۱۴ [3] اردو ترجمہ تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۱۴ [4] اردو ترجمہ تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۱۴ [5] اردو ترجمہ تاریخ الخلفاء صفحہ [6] اردو ترجمہ تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۱۵ [7] اردو ترجمہ تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۱۴

بنوامیہ

۸۔ سب سے پہلے آپ ہی کے عہدِ خلافت میں اماموں کے درمیان اختلاف پیدا ہوا اور آپ کے زمانہ میں امورات جدیدہ واقعہ شدہ کے احکام کے متعلق ایک نے دوسرے کی رائے کو غلط کہا۔ حالانکہ اس سے پہلے بھی ان کا اختلاف احکام شرعیت میں تھا۔ مگر وہ غلطی پر نہ تھے [۲]

۹۔ آپ ہی کے زمانہ میں سب سے پہلے دنیاوی مال واموال کی کثرت ہوئی اور یہاں تک لوگ مالامال اور بے غم ہو گئے کہ امورات ممنوعہ کیے۔ کبوتر بازی اور غلیل بازی شروع کی۔ آخر آپ کو ان کے انسداد کے لیے ایک حاکم بنی لیث سے دوران ایام خلافت خود مقرر کرنا پڑا۔ اس نے کبوتروں کے پر قینچ کر دیے اور غلیلیں توڑ ڈالیں [۳]

۱۰۔ حضرت عثمان ان صحابہ میں سے ہیں، جنہوں نے قرآن کو جمع کیا اور ان سے رسول اللہ کی ایک سو چھیالیس حدیثیں مروی ہیں [۴]

حج اور اختلاف

مروان بن الحکم سے مروی ہے کہ میں نے (حج کے موقعہ پر) عثمان اور علی کو دیکھا۔ عثمان لوگوں کو متعۃ الحج سے منع کر رہے تھے۔ جب یہ حال علیؑ نے مشاہدہ کیا تو

---

[۱] تاریخ الخلفا اردو ترجمہ صفحہ ۱۱۴ [۲] اردو ترجمہ تاریخ الخلفا صفحہ ۱۱۴ [۳] اردو ترجمہ تاریخ الخلفا صفحہ ۱۱۶ [۴] تاریخ الخلفا تاریخ احمدی صفحہ ۱۴۱

حج اور عمرہ کی تہلیل ایک ساتھ ادا کی اور فرمایا۔ لبیک بحجۃ وعمرۃ معاً
عثمان نے کہا کہ میں لوگوں کو جس بات سے منع کرتا ہوں تم وہی کرتے ہو
علیؑ نے جواب دیا کہ میں کسی کے کہنے سے سنتِ رسولؐ کو ترک نہ
کروں گا۔[1]

یزدجرد اور ابوسفیان کی موت

۳۱ھ میں یزدجرد بن شہریار بن پرویز جو فارس کا آخری بادشاہ تھا فوت
ہوا۔ اور اسی سال معاویہ کے باپ ابوسفیان مرے۔[2]

رائے عامہ اور حضرت عثمان کی مخالفت

عام طور پر تقسیم دولت و
تقسیم اقتدار میں اپنے قبیلہ کو خاص مراعات دینے پر لوگ حضرت عثمان کے
بہت مخالف ہو گئے تھے۔ ہم مخالفین حضرت عثمان میں
سے بعض کا ذکر کرتے ہیں :۔

حضرت ام المومنین عائشہ

حضرت عثمان نے حضرت ام المومنین عائشہ کی تنخواہ کم کر دی تھی علامہ
ابن عبدہ شارح نہج البلاغہ امیر المومنین کے ایک نامہ کی شرح میں

---

[1] مسند ابوداؤد طیالسی و تاریخ احمدی ص ۱۴۲
[2] تاریخ ابوالفدا و تاریخ احمدی ص ۱۴۵

لکھتے ہیں:۔

"حضرت عائشہ نے جبکہ حضرت عثمان منبر پر تھے رسول کی نعلین اور قمیص نکالی اور پکار کے کہا کہ یہ دونوں رسول کی جوتیاں اور انکی قمیص ہے جو ابھی پرانی نہیں ہوئی اور تم نے اے عثمان رسول کے دین کو بدل دیا اور ان کی سنت کو متغیر کر دیا۔ حضرت عثمان اور حضرت عائشہ میں اس وقت بہت سخت کلامی ہوئی۔ آخر حضرت عائشہ نے کہا اس "نعثل کو قتل بھی کر ڈالو" نعثل کہہ کر حضرت عائشہ نے حضرت عثمان کو ایک معروف شخص سے تشبیہہ دی ہے۔"

نہایۃ میں ابن اثیر نے اس کی توضیح کی ہے۔ نہایۃ باب النون مع العین میں ہے۔ کان اعداء عثمان یسمونہ نعثلاً تشبیھا برجل من مصر کان طویل اللحیۃ اسمہ نعثل ۔ ۔ ۔ ومنہ حدیث عائشہ اقتلوا نعثلاً قتل اللہ نعثلاً تعنی عثمان وھذا انما کان منھا غاضبۃ وذھبت الیٰ مکۃ۔

نعثل مصر میں ایک لمبی داڑھی والے شخص کا نام تھا۔ اس سے تشبیہہ دے کر حضرت عثمان کے دشمن انہیں نعثل کہا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ام المومنین بی بی عائشہ نے فرمایا تھا کہ اس نعثل کو قتل کرو اسے اللہ قتل کرے۔ یعنی حضرت عثمان کو اور وہ غصہ ہو کر مکہ چلی گئی تھیں [۱]

---

[۱] مجمع البحار و تاریخ احمدی صفحہ ۱۵۴

عبداللہ ابن مسعود صحابئ رسول

حضرت عثمان نے قرآن کو جمع کیا اور تالیف کیا اور اس کی ترتیب اس طرح رکھی کہ بڑی سورتوں کو بڑی سورتوں کے ساتھ اور چھوٹی سورتوں کو چھوٹی سورتوں کے ساتھ مرتب کیا۔ اور ہر طرف سے مصاحف طلب کر کے گرم پانی اور سرکہ سے دھلوا ڈالے اور بقول بعض ان سب کو جلوا دیا۔ چنانچہ سوا مصحف ابن مسعود کے جو ان کے پاس کوفہ میں تھا اور کوئی مصحف باقی نہ رہا۔ عبداللہ ابن عامر عامل کوفہ نے ابن مسعود سے ان کا مصحف مانگا۔ تو انہوں نے دینے سے انکار کیا یہ خبر پاکر حضرت عثمان نے عامل کوفہ کو لکھا کہ ابن مسعود کو گرفتار کر کے یہاں بھیج دے۔ جب عبداللہ ابن مسعود حاضر ہو کر مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت عثمان خطبہ میں مصروف تھے۔ ابن مسعود کو دیکھ کر کہنے لگے اک حیوان زشت آگیا۔ ابن مسعود نے بھی اس کے جواب میں کچھ سخت کلامی کی۔ حضرت عثمان کے حکم سے لوگوں نے ابن مسعود کی ٹانگ پکڑ کر ایسا گھسیٹا کہ ان کی دو پسلیاں ٹوٹ گئیں [1]

۳۲ھ میں عبداللہ بن مسعود نے مدینہ میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئے۔ حضرت عثمان نے ان پر نماز پڑھی اور بعض روایتوں میں ہے کہ عمار بن یاسر نے نماز پڑھی اور ایک قول یہ بھی ہے کہ زبیر نے ان پر نماز پڑھی

[1] تاریخ ابن واضح تاریخ احمدی صفحہ ۱۵۰

اداان کی وصیت کے موافق رات ہی کو انہیں دفن کر دیا۔ حضرت عثمان کو ان کے دفن کی اطلاع نہیں دی جس پر مورد عتاب ہوئے۔[1]

اس طرح بھی منقول ہے کہ ابن مسعود حضرت عثمان سے رنجیدہ مدینہ میں مقیم رہے۔ حتیٰ کہ یہیں ان کا انتقال ہوا اور عمار یاسر نے ان پر نماز پڑھی۔ حضرت عثمان سے یہ حال پوشیدہ رہا۔ اتفاقاً انہوں نے قبر دیکھ کر پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے۔ لوگوں نے کہا کہ عبداللہ ابن مسعود کی۔ حضرت عثمان نے کہا کہ بغیر میری اطلاع کے ان کو کیوں دفن کیا گیا۔ سب نے بتلایا کہ ان کی تجہیز و تکفین کے متولی عمار بن یاسر تھے۔ جن سے ابن مسعود نے وصیت کی تھی کہ وہ کسی کو اطلاع نہ دیں۔ پھر بعد چند روز کے مقداد نے وفات پائی۔ تو ان کی وصیت کے موافق عمار یاسر نے ان کی تجہیز و تکفین کی اور حضرت عثمان کو اطلاع نہیں دی۔ جب حضرت عثمان کو یہ معلوم ہوا تو وہ عمار سے بہت ناخوش ہوئے۔[2]

جبلہ بن عمرو ساعدی

ایک روز حضرت عثمان جبلہ بن عمرو ساعدی کی طرف سے ہو کر گزرے جو اپنے صحن میں مع ایک جماعت کے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے

---

[1] اسد الغابہ لابن اثیر، تاریخ احمدی ص۱۵۰ و ۱۵۱۔

[2] تاریخ ابن واضح، تاریخ احمدی ص۱۵۱۔

حضرت عثمان کو دیکھ کر کہا، اے نعثل واللہ میں تجھے قتل کروں گا[1]

حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف

صدر بزم شوریٰ

جب حضرت عثمان سے اس قسم کے ناشدنی امور سرزد ہوئے تو لوگوں نے عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا کہ یہ سب تمہارا کیا کرایا ہے۔ عبدالرحمٰن بولے کہ میں ایسا گمان نہ کرتا تھا۔ لیکن اب خدا کو درمیان دے کر کہتا ہوں کہ زندگی بھر عثمان سے بات نہ کروں گا[2]

جب عبدالرحمٰن ابن عوف نے حضرت عثمان کی شکایتیں حضرت علیؑ سے کیں اور تلوار اٹھانے کے لیے کہا اڑتی ہوئی خبر جب حضرت عثمان تک پہنچی تو انہیں منافق کہا[3]

عمار بن یاسر

جب زیادتیاں حد سے بڑھ گئیں تو صحابہ نے مل کر ایک محضر نامہ تیار کیا۔ اس میں تمام شکایتیں درج کیں۔ اور حضرت عمار یاسر کے ہاتھ چند

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری د تاریخ احمدی صفحہ ۱۵۴ [2] عقد الفرید تاریخ احمدی صفحہ ۱۵۴
[3] اسلامی سیاست کا ابتدائی مطالعہ صفحہ ۹۱

غلاموں کے ساتھ حضرت عثمان کے پاس روانہ کیا۔ عمار پہنچے اور کہا کہ ایک تحریر اصحاب رسول کی طرف سے لایا ہوں۔ جس میں وہ افعال درج ہیں، جو شریعت محمدیہ کے خلاف ہیں۔ اس پر حضرت عثمان بگڑے اور مع غلاموں کے ان کو زدوکوب کرنے کا حکم دیا۔ اتنا مارا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ غش کھا کر زمین پر گر پڑے۔ بنی مغیرہ یہ حال سن کر بہت غضبناک ہوئے کہ اگر عمار فوت ہو گئے تو عثمان کو زندہ نہیں چھوڑیں گے[1]

عمرو بن عاص

عبداللہ بن ابی سرح نے عمرو بن عاص گورنر مصر کی نسبت یہ نعرہ لگایا تھا کہ اس نے رقم خراج گھٹا دی۔ حضرت عثمان نے فوراً عمرو کو معزول کر کے عبداللہ بن ابی سرح کو ان کی جگہ بھیج دیا۔ عبداللہ نے دکھانے کو جس طرح بنا خوب خراج حاصل کیا۔ حضرت عثمان نے تعریضاً عمرو سے کہا۔ دیکھو اب وہ اونٹنی خوب دودھ دینے لگی ہے۔ عمرو نے برجستہ کہا کہ جی ہاں اس کا بچہ بھی تو مر گیا۔ یعنی خراج زیادہ وصول ہوا تو کیا رعایا تباہ اور ملک کی سرسبزی بھی رخصت ہو گئی۔

حضرت عثمان نے ۲۷ھ میں عمرو بن عاص کو حکومت مصر سے معزول کیا تھا اس وقت سے وہ جب موقع اور محل پاتے حضرت عثمان

---

[1] تاریخ خمیس دیار بکری جلد ۲ صہ ۲۹۲ اسلامی سیاست کا ابتدائی مطالعہ صہ ۹۱

پر طعن و تشنیع کرتے رہتے تھے اور مدینہ چھوڑ کر فلسطین جا بیٹھے اور حضرت خلیفہ ثالث کے خلاف سازشیں کرتے رہتے۔ یہاں تک کہ ممالک محروسہ کی رعایا بگڑ کھڑی ہوئی اور حضرت عثمان پر چڑھائی کر دی جب آپ کے قتل کی خبر عمرو بن عاص کو پہنچی تو بفخر کہا میں ابو عبداللہ ہوں۔ جو ٹھان لیتا ہوں بغیر کر گزرے نہیں رہتا۔[1]

مسلمانوں کی شکایتیں سن کر عمرو بن عاص نے حضرت عثمان سے جا کر کہا کہ مسلمان جو عیوب آپ میں تجویز کرتے ہیں ان سے توبہ کیجئے۔ انہوں نے بگڑ کر کہا میں نے کوئی خطا نہیں کی ہے۔ اس پر عمرو عاص نے کہا کہ آپ نے مجھے مقبول رسول و ابوبکر و عمر ہوتے ہوئے معزول کیا۔ کافی دیر بحث رہی۔ عمرو عاص یہ کہتے ہوئے اٹھے کہ عثمان کو قتل کر ڈالو۔ ان کا خون مباح ہے۔[2]

حضرت ابوذر غفاری

لوگوں نے حضرت عثمان کو اطلاع دی کہ حضرت ابوذر غفاری مسجد نبوی میں بیٹھ کر آپ پر طعن کیا کرتے ہیں۔ نیز انہوں نے باب مسجد پر توقف کرکے یہ تقریر کی ہے۔

---

[1] شہید انسانیت ص۱۴۷ [2] روضۃ الصفا جلد ۲ ص۲۷۳ اسلامی سیاست کا ابتدائی مطالعہ ص۹۴۔

"ایہاالناس جو شخص مجھے جانتا ہے وہ جانتا ہے اور جو نہ جانتا ہو وہ جانے کہ میں ابوذر غفاری ہوں۔ میرا ہی نام جندب بن جنادہ ربذی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے آدم اور نوح اور آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو اہلِ عالم پر برگزیدہ کیا ہے۔ جناب محمد مصطفےٰ علم حضرت آدم اور ان تمام فضائل کے وارث ہیں جن سے انبیاء کو فضیلت حاصل ہوئی ہے اور علی ابن ابی طالب رسول مقبول کے وصی اور وارث علم ہیں۔ اسے امت حیران اگر تم اپنے نبی کے بعد اس کو مقدم کرتے جسے خدا نے مقدم کیا ہے۔ اور اس کو موخر کرتے جسے خدا نے موخر کیا ہے اور حکومت اور وراثت کو اپنے نبی کے اہل بیت میں قرار دیتے تو تم کو اپنے سروں کے اوپر اور اپنے قدموں کے نیچے سے بے شمار نعمتیں حاصل ہوتیں اور کوئی خدا کا دوست فقیر و محتاج نہ ہوتا۔ اور کوئی حصہ فرائض خدا کا بیکار نہ جاتا اور کبھی دو شخص حکمِ خدا میں اس وجہ سے اختلاف نہ کرتے۔ کہ اس حکم کا علم اپنے نبی کے اہل بیت کے پاس مطابق کتاب خدا و سنت رسول موجود پاتے۔ لیکن جب کہ تم نے کیا جو کچھ کیا سو اب اپنے کردار کے وبال کا مزا چکھو اور قریب ہے کہ جن لوگوں نے ظلم کیا وہ جان لیں گے کہ ان کی جائے بازگشت کس طرف ہے۔"

نیز حضرت عثمان کو یہ خبر بھی پہنچائی گئی۔ کہ انہوں نے سنتِ رسول اور سنت ابوبکر و عمر میں جو تغیر و تبدل کیا ہے۔ ابوذر اس کا شکایت آمیز ذکر لوگوں سے کیا کرتے ہیں۔ ان اخبار کو سن کر حضرت عثمان نے ابوذر کو شام میں معاویہ کے پاس بھیج دیا[1]

شام میں حضرت ابوذر کی زندگی

سلطنت دمشق نے اتنے عرصہ میں پوری قوت حاصل کر لی تھی اور انہوں نے جس نیت سے بھی ہو اسلامی تمدن کی بجائے دنیادارانہ تمدن کی بنیادیں قائم کر دی تھیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد اپنی کتاب "الحریت والاسلام" ص۲۶ میں لکھتے ہیں:۔

"خلافتِ راشدہ کے بعد بنی امیہ کا دورِ فتن و بدعات شروع ہوتا ہے جنہوں نے نظامِ حکومت اسلامی کی بنیادیں متزلزل کر دیں۔"

اسی تمدن کا نتیجہ تھا کہ اسلامی قدر و قیمت کے معیار نظر انداز ہو گئے اور وہ امتیازات ختم ہو گئے جو اسلام کے سادہ اور غربا پرور اصول نے قائم کیے تھے۔ اس کا ایک نمونہ ہے حضرت ابوذر غفاری کا جلاوطن کیا جانا۔ ان کا قصور یہ تھا کہ وہ اس سرمایہ پرستی کی مذمت کرتے تھے جو انہیں اس وقت اسلامی ملک میں نظر آ رہی تھی۔ حالت یہ تھی کہ قبرص اور صقلیہ کی دولت قصرِ دمشق کی زینت بنی ہوئی تھی۔ افریقہ کی لوٹ مار

---

[1] تاریخ یعقوبی مورخ ابن واضح، تاریخ احمدی ص۱۴۳ و ص۱۴۱

کا سامان نذرِ تعیش ہو رہا تھا۔ اور بنی امیہ میں سے غیر ذمہ دار افراد خدا کے مال کو (حضرت علیؑ کے لفظوں میں) اس طرح کھا رہے تھے جیسے اونٹ فصلِ بہار کی گھاس کھاتا ہے۔ رسول کا بڑھا صحابی ابو ذر غریب مسلمانوں کو بھوکا مرتا دیکھتا تو کیا کرتا۔ دمشق کی گلیوں میں وہ آیتیں قرآن کی پڑھتا پھرتا تھا جو سرمایہ پرستی کے خلاف ہیں۔ والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔ لوگ جو سونے چاندی کو خزانوں میں سمیٹ کر رکھتے ہیں اور راہِ خدا میں صرف نہیں کرتے انہیں عذابِ دردناک کی مبارکباد دو۔ ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتاھم اللہ من فضلہ ھو خیراً لھم بل ھو شر لھم سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیامۃ۔ نہ خیال کریں وہ لوگ جو خدا کی عطا کی ہوئی دولت کے ساتھ بخل کرتے ہیں کہ وہ ان کے لیے کچھ اچھی بات ہی نہیں بلکہ وہ ان کے لیے بہت برا ہے بہت جلد وہ وقت آئے گا۔ کہ اس بخل کی ہوئی دولت کے طوق ان کے گلوں میں ڈالے جائیں گے[1]

یہ بھی تھا کہ حضرت ابو ذر حکومت کی خوشامد نہیں کرتے تھے۔ بلکہ موقعہ پر سچی بات کہہ گزرتے تھے، چنانچہ جب امیر معاویہ نے قصر خضرا کی تعمیر کی تو ابو ذر سے پوچھا کیوں اسے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

---

[1] شہید انسانیت ص۱۴۷ و ص۱۴۸

ابوذر نے فرمایا اگر تم نے اسے خدا کے مال سے بنوایا ہے تو تم نے خیانت کی اور اگر خود اپنے ذاتی مال سے بنایا ہے تو اسراف کیا ہے[1] آپ سمجھ سکتے ہیں کہ مزاج قیصریت اس کا کہاں تحمل کر سکتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ ابوذر شام سے مدینہ بھیج دیے گئے اور وہاں سے جلاوطن کر دیے گئے۔

معاویہ نے حضرت عثمان کو لکھا کہ ابوذر کے یہاں اکثر لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اور مجھے اندیشہ ہے کہ ابوذر ان لوگوں کو آپ کی مخالفت پر برانگیختہ کریں گے۔ لہٰذا اگر آپ کو قوم کا انقیاد مطلوب ہو تو ابوذر کو وہیں بلا لیجئے حضرت عثمان نے معاویہ کو لکھا کہ بہتر ہے کہ ابوذر کو یہاں پہنچا دے۔ معاویہ نے حضرت ابوذر کو ایک ایسے اونٹ پر سوار کر کے روانہ کیا جس کا پالان بالکل کھرا اور تکلیف دہ تھا[2]

حضرت ابوذر مدینہ میں اس حالت سے پہنچے کہ ان کی دونوں رانوں کا گوشت نکل گیا تھا۔ جب ابوذر حضرت عثمان کے دربار میں حاضر کیے گئے۔ تو حضرت عثمان نے ان سے کہا کہ مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ تم نے لوگوں سے رسول اللہ کی یہ حدیث بیان کی ہے۔ کہ جس وقت بنی امیہ کے مردوں کی تعداد تیس پوری ہو گئی۔ اس وقت وہ خدا کے

---

[1] کتاب البلدان ابی بکر احمد بن محمد ہمدانی معروف بہ ابن الفقیہ مطبوعہ لیدن ۱۳۰۲ھ ص ۱۵۶۔ شہید انسانیت ص ۱۴۸

[2] تاریخ مروج الذہب و تاریخ احمدی ص ۱۴۴

دین کو مکاری کے طور پر اختیار کریں گے۔ ابوذر نے جواب دیا کہ ہاں میں نے رسول اللہؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے حضرت عثمان نے حضار دربار سے پوچھا کہ آیا تم نے رسول اللہ کو یہ کہتے سنا ہے؟ اس کے بعد حضرت علیؑ کو بلا کر ان سے دریافت کیا کہ اے ابوالحسن تم اس حدیث کی تصدیق کرتے ہو؟ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ہاں، حضرت عثمان نے کہا کہ اس کی شہادت کیا ہے۔ حضرت علیؑ نے کہا رسول اللہؐ کا یہ قول "کہ زیر فلک اور بالائے زمین ایسا کوئی ذی نطق نہیں ہے جو ابوذر سے زیادہ صادق القول اور حق گو ہو" اس واقعہ کے بعد ابوذر چند روز ہی مدینہ میں رہنے پائے تھے کہ حضرت عثمان نے انہیں کہلا بھیجا کہ خدا کی قسم تم مدینہ سے نکال دیئے جاؤ گے انہوں نے کہا کہ کیا تم مجھے حرم رسول سے خارج کرو گے۔ حضرت عثمان نے جواب دیا کہ ہاں ابوذر نے دریافت کیا کہ کیا مجھے مکہ بھیجو گے؟ کہا نہیں پوچھا بصرہ بھیجو گے۔ کہا نہیں۔ پوچھا کہ کوفہ بھیجو گے؟ کہا نہیں بلکہ تم کو صحرائے ربذہ بھیجوں گا جہاں سے تم مر کر نکلو گے۔ پھر مروان کو ابوذر کے نکالنے کا حکم دیا۔ اور تاکید کی کہ کوئی شخص ان کے قریب نہ آئے۔ اور ان سے کلام نہ کرے پس مروان نے ابوذر اور ان کی لڑکی کو ایک اونٹ پر سوار کر کے مدینہ سے باہر کیا۔[1]

جب ابوذر اس حالت سے مروان کی سپردگی میں مدینہ سے نکالے گئے تو ان کے پاس علی معہ فرزندان و عقیل و عبداللہ بن جعفر

---

[1] تاریخ ابن واضح، تاریخ مسعودی، تاریخ احمدی صفحہ ۱۲۵، ۱۲۶

تشریف لائے مروان نے ان کو روکا اور کہا اے علیؓ! اگر تم ناواقف ہو تو میں واقف کرتا ہوں۔ کہ حضرت عثمان نے لوگوں کو ابوذر کی مصاحبت اور مشایعت سے منع کیا ہے۔ یہ سن کر حضرت علیؓ نے مروان کی سواری کے جانور کو ایک چابک رسید کیا۔ اور مروان سے کہا دور ہو۔ خدا تیرا بھلا نہ کرے تجھے جہنم کی طرف لے جائے۔ یہ کہہ کر حضرت علی حضرت ابوذر کے ساتھ ہو لیے رہ[1]

وہ حسرتناک منظر تھا۔ جب علی اپنے برسوں کے مصاحب اور جاں نثار کو ہمیشہ کے لیے رخصت کر رہے تھے۔ گریہ گلوگیر ہو رہا تھا۔ آواز بمشکل نکلتی تھی، پھر بھی حضرت نے اپنے آپ کو سنبھالا اور فرمایا:۔

"اے ابوذر! تم ان لوگوں سے خدا کے لیے ناراض ہوئے تھے۔ پس اسی سے معاوضہ کی امید رکھو۔ یہ لوگ تم سے اس لیے ڈرتے تھے کہ کہیں تمہاری باتوں کی وجہ سے دنیا ان کے ہاتھوں سے نہ نکل جائے۔ اور تم اپنے دین کے بچانے کی خاطر ان سے خائف تھے۔ پس تم اس چیز کو جس کی وجہ سے یہ تم سے خائف تھے (یعنی دنیا) انہی کے ہاتھ میں چھوڑ دو۔ اور دین لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔ اگر تم بھی ان کی طرح دنیا دار ہو جاتے تو وہ بھی تمہارے دوست

---

[1] مروج الذہب، تاریخ احمدی صد ۱۷۶۔

بن جاتے اور اگر تم بھی ان کے ساتھ اس دنیا کے حصہ دار ہو جاتے
تو وہ تم سے مطمئن ہو جاتے۔[1]

اس کے بعد دھڑکتے ہوئے دل اور ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے کے
ساتھ امام حسین علیہ السلام بڑھے اور آپ نے ان سے فرمایا:۔

"چچا جان! خداوندِ عالم ان حالات کو جنھیں آپ جھیل رہے
ہیں، بدلنے پر قادر ہے۔ ہر دن اس کی نت نئی شان ہے
لوگوں نے اپنی دنیا کو آپ کے ہاتھ سے بچایا ہے اور آپ نے
ان سے اپنے دین کو بچایا۔ جب ان لوگوں نے آپ سے
بچایا اس سے آپ کی بے نیازی ظاہر ہے۔ لیکن آپ نے
جس چیز سے انہیں محروم کیا وہ اس کے بہت ہی محتاج ہیں۔
آپ خدا سے صبر و کامیابی کی دعا کیجئے اور فریاد و واویلا کرنے
سے پناہ مانگیے۔ کیونکہ صبر دین کا رکن اور بزرگی کی علامت
ہے اور طمع رزق کو آگے نہیں لا سکتی۔ اور نہ فریاد موت کو
ٹال سکتی ہے۔"[2]

یہ فرما کر علیؑ اور حسنین علیہم السلام ابوذر کے ساتھ ہو لیے اور جس وقت
ان کو وداع کر کے لوٹے تو انہوں نے رو کر کہا:۔

"اے اہل بیتِ نبوت! خدا تم پر رحمتِ کاملہ نازل فرمائے

---

[1] شہید انسانیت صفحہ ۱۴۸ و صفحہ ۱۴۹

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، بلاغۃ الحسین صفحہ ۱۸ و صفحہ ۱۹

اے ابوالحسن! میں جب تم کو اور تمہارے فرزندوں کو دیکھتا ہوں
تو مجھے جناب رسول مقبول یاد آجاتے ہیں۔

جب مروان ابوذر کو نکال کر واپس آیا تو اس نے حضرت عثمان سے حضرت علی کی شکایت کی حضرت عثمان نے اس پر فرمایا:

"اے گروہ مسلمین! کون شخص علی کی جانب سے اس کے متعلق معذرت کرے گا کہ انہوں نے مروان کو میرے حکم سے باز رکھا اور ایسا برتاؤ کیا جیسا مروان بیان کرتا ہے قسم خدا کی میں بھی علی کے ساتھ وہی کروں گا جس کے وہ مستحق ہیں۔"

جب علی ابوذر کو رخصت کر کے مکان واپس آئے تو لوگوں نے ان سے کہا کہ حضرت عثمان آپ پر غضبناک ہیں کہ آپ نے ابوذر کی مشایعت کی حضرت علی نے کہا ان کا غضبناک ہونا "غضب الخیل علی اللجم" کا مصداق ہے۔ جب شب کو حضرت علی کی حضرت عثمان سے ملاقات ہوئی تو حضرت عثمان نے ان سے کہا کہ آپ نے کس وجہ سے مروان شکایت کا موقعہ دیا اور اس بات کی جرأت کی کہ میرے قاصد اور حکم روکا۔ حضرت علی نے کہا کہ جب مروان نے میرے روکنے کا ارادہ کیا تو نے بھی اس کو اس کے ارادہ سے روکا۔ تمہارے حکم کو نہیں روکا حضرت عثمان نے کہا کہ کیا تمہیں یہ خبر نہ تھی کہ میں نے لوگوں کو ابوذر کی ملاقات اور مشایعت سے ممانعت کی ہے۔ حضرت علی نے کہا کہ اگر تمہارا حکم اطاعت خدا اور امر حق کے خلاف ہو تو کیا میں اس کا بھی اتباع کروں؟ واللہ میں

ہرگز نہیں کروں گا۔ حضرت عثمان نے کہا کہ تم نے مروان کے اونٹ کے سر پہ چابک مارا حضرت علی بولے کہ یہ میرا اونٹ موجود ہے۔ اگر مروان چاہے تو اس کے سر پہ چابک لگائے۔ لیکن دیکھو واللہ میری نسبت کوئی ثقیل کلمہ زبان سے نکالے گا تو میں ویسا ہی کلمہ تمہاری نسبت استعمال کروں گا اور وہ جھوٹ بھی نہ ہوگا بلکہ حق ہوگا۔ حضرت عثمان بولے کہ جب تم مروان کو برا کہو گے تو وہ بھی تم کو برا کہے گا۔ میرے نزدیک تم اس سے افضل نہیں ہو۔ یہ سن کر حضرت علی نے غیظ میں آکر فرمایا کہ تم مجھے ایسا کہتے ہو۔ اور میرا مقابلہ مروان سے کرتے ہو۔ خدا کی قسم میں تم سے افضل ہوں اور میرے باپ تمہارے باپ سے افضل ہیں اور میری ماں تمہاری ماں سے افضل ہے۔ اس بات پر حضرت عثمان خشمگین اور لال ہو کر گھر کے اندر چلے گئے اور حضرت علی واپس آئے۔ دوسرے دن جب لوگ حضرت عثمان کے پاس جمع ہوئے تو حضرت عثمان نے ان سے حضرت علی کی شکایت کی کہ میری عیب گیری کرتے ہیں اور میرے عیب گیروں یعنی ابوذر و عمار یاسر وغیرہما کے مددگار رہیں ہیں۔[1]

حضرت ابوذر کی حسرتناک موت

جب حضرت ابوذر صحرائے ربذہ میں بھیجے گئے وہیں رہے اور وہیں انہوں نے وفات پائی۔ جب وقت وفات قریب ہوا تو ان کی لڑکی نے کہا۔ اے باپ میں اس مقام پر اکیلی ہوں اور ڈرتی ہوں کہ

---

[1] تاریخ مروج الذہب و تاریخ احمدی صـ۱۴۷ و صـ۱۴۸

تمہاری حفاظت درندوں سے نہ کرسکوں گی۔ ابوذر نے کہا، خوف نہ کر عنقریب چند مرد دیندار یہاں آیا چاہتے ہیں۔ ذرا دیکھ تو کوئی ادھر آرہا ہے۔ لڑکی نے کہا کہ نہیں، ابوذر بولے کہ شاید ابھی میرا وقت نہیں آیا تھوڑی دیر کے بعد پھر پوچھا کہ کوئی دکھائی دیا۔ لڑکی نے کہا کہ ہاں کچھ سوار آرہے ہیں۔ ابوذر نے فرمایا۔ اللہ اکبر۔ خدا اور اس کا رسول سچا ہے۔ اب میرا منہ قبلہ کی جانب پھیر دے اور جب وہ سوار یہاں پہنچیں اور ان سے میرا سلام کہنا اور جس وقت وہ میری تجہیز و دفن سے فارغ ہوں تو ان کے لیے یہ بکری ذبح کرانا اور انہیں میری جانب سے قسم دے کر کہنا کہ بغیر کھانا کھائے ہوئے تم لوگ یہاں سے نہ جاؤ۔ اتنا کہہ کر ابوذر راہیٔ خلد بریں ہوئے[1]

ربذہ کی ویران بستی میں ایک لاش پڑی تھی جس کے سرہانے ایک عورت اور ایک لڑکی بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔ اشکبار بیوی کفن کی فکر میں اپنی جھونپڑی سے اٹھی اور سرِ راہ آکر بیٹھ گئی۔ مالک اشتر ایک قافلہ کے ہمراہ اتفاقاً ادھر سے گزر رہے تھے، روتی ہوئی عورت کو دیکھ کر ٹھہر گئے اور دریافت حال کیا۔ مصیبت زدہ عورت نے کہا:۔

"لوگو! رسولؐ کے صحابی ابوذر نے غربت کے عالم میں وفات کی۔ وہ دیکھو ان کا لاشہ بے گور و کفن پڑا ہے"۔

مالک اشتر اور ان کے ساتھی چیخیں مار مار کر رونے لگے۔ ان کی نگاہ

---

[1] تاریخ ابن واضح و تاریخ احمدی ص۱۴۸ و ص۱۴۹

کے سامنے ابوذر کی مظلومی کا نقشہ پھر گیا۔ کفن و دفن کے بعد مالک اشتر نے یہ دعا مانگی :۔

خدایا! ابوذر تیرے رسولؐ کا صحابی تھا۔ اور تیری کتاب اور تیرے رسولوں پر ایمان لایا تھا۔ اس نے تیری راہ میں جہاد کیا اور مرتے دم تک جادۂ اسلام سے نہ ہٹا [1]

اس قافلہ میں حذیفہ بن الیمان صحابی رسول بھی تھے۔ جب یہ لوگ تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو لڑکی نے کہا کہ میرے باپ نے آپ کو قسم دلائی ہے کہ بغیر کھانا کھائے یہاں سے نہ جائیں ان لوگوں نے بکری ذبح کی اور کھانا کھانے کے بعد اس لڑکی اور عورت کو ساتھ لے کر مدینہ کی جانب کوچ کیا [2]

مدینہ سے تھوڑی دور پر ربذہ کے کھنڈرات میں اب تک ابوذر کی قبر موجود ہے۔ جس پر حسرت ویاس نوحہ خوانی کرتی ہے۔ اور خلوت و تنہائی پاسبانی۔ کوئی بھولا بھٹکا مسافر یا تھکا ماندہ زائر جب ادھر سے نکلتا ہے تو بدو عربوں کے بچے اپنی چھوٹی چھوٹی انگلیوں سے مٹی کے اس ڈھیر کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔ جہاں دنیائے اسلام کا وہ سادات پسند اور حریت کا علمبردار آرام کی میٹھی نیند سو رہا ہے۔

یہ سیاست ملوکانہ کے خلاف پہلی قربانی تھی جو رسولؐ کے مقدس صحابی حضرت ابوذر غفاری نے پیش کی [3]

---

[1] تمہید انسانیت ص۱۲۹ [2] تاریخ یعقوبی ابن واضح و تاریخ احمدی ص۱۲۹ و ص۱۵۰
[3] تمہید انسانیت ص۱۲۹

سوالات

۱۔ حضرت سلمان کے حالات اور ان کی وفات کو بیان کیجیے

۲۔ جناب سید الساجدین علی ابن الحسینؑ کی ولادت کو بیان کیجیے

۳۔ حضرت عثمان کی اولیات کیا ہیں؟ یعنی وہ کون کون سی باتیں ہیں جو حضرت عثمان نے سب سے پہلے رواج دیں

۴۔ حج کے متعلق حضرت علی اور حضرت عثمان کے اختلاف کو بیان کیجیے

۵۔ ابو سفیان کی موت کو بیان کیجیے

۶۔ ثابت کیجیے کہ ابتدا سے عامہ حضرت عثمان کے خلاف ہو گئی تھی

۷۔ حضرت ام المومنین عائشہ کی حضرت عثمان سے مخالفت کو بیان کیجیے

۸۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود سے حضرت عثمان کی مخالفت کا تذکرہ کیجیے

۹۔ جبلہ بن عمرو ساعدی اور عبدالرحمٰن ابن عوف کی حضرت عثمان سے مخالفت بیان کیجیے۔

۱۰۔ حضرت عمار یاسر کو حضرت عثمان نے کس طرح پٹوایا؟

۱۱۔ عمرو عاص سے حضرت عثمان کی مخالفت کو بیان کیجیے۔

۱۲۔ حضرت ابوذر غفاری نے مسجد کے دروازہ پر کیا تقریر کی اور اس کا کیا نتیجہ ہوا؟

۱۳۔ حضرت ابوذر غفاری کی شام کی زندگی کو بیان کیجیے۔ اور بتلایئے کہ وہ اموی سرمایہ دارانہ نظام کی کس طرح مخالفت کر رہے تھے اور اس کا اثر کیا ہوا؟

۱۴۔ حضرت ابوذر کس حال میں مدینہ واپس آئے ان کی اور حضرت عثمان کی گفتگو لکھ کر بتلایئے۔ کہ انہیں کس طرح مدینہ سے جلا وطن کیا گیا؟

۱۵۔ حضرت ابوذر کو حضرت علیؑ اور حضرت امام حسینؑ نے کس طرح رخصت کیا اور اس پر حضرت علیؑ، حضرت امام حسینؑ اور حضرت

ابوذر کے مخاطبات کو بیان کیجیے۔

۱۶۔ حضرت ابوذر کی حسرتناک موت، ان کی تجہیز و تکفین کو بیان کرکے ربذہ میں ان کی قبر مطہر کی تصویر کشی کیجیے۔

* * *

تیسواں باب

حضرت عثمانؓ اور انکے قتل کے اسباب

اُن کے مکان کا محاصرہ اور ان کی افسوسناک موت

حضرت عثمانؓ کی مخالفت کے اسباب

۱۔ ملکی فتوحات کی وجہ سے غیر اسلامی تہذیب و تمدن مسلمانوں میں سرایت کر گیا۔ مسلمان رئیسانہ زندگی اور عیش و طرب کے دلدادہ ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ کی خود اپنی زندگی رئیسانہ ٹھاٹھ کی تھی۔ اس لیے وہ اس نوزائیدہ جذبہ کو کنٹرول نہ کر سکے۔ لہٰذا مسلمانوں میں رئیسانہ شان و شوکت کو برقرار رکھنے کے لیئے جنگ اقتدار شروع ہو گئی۔
۲۔ ملکی فتوحات کی وجہ سے مسلمانوں میں تمول آ گیا۔ انہوں نے بڑی بڑی جائیدادیں بنا لیں۔ ان میں غرور و نخوت آ گیا۔
۳۔ دولت کی غلط تقسیم سے ملک میں بدانتظامی پھیل گئی۔

۴۔ بنی امیہ کی بے جا حرکات اور بیت المال پر بے جا تصرف نے عوام کو مشتعل کر دیا۔ چاروں طرف مخالفتیں شروع ہو گئیں۔

۵۔ حضرت عثمان نے تخت حکومت پر بیٹھ کر جو تغیرات کیے وہ لوگوں کو بے حد ناگوار گزرے۔ سابقہ عمال کو برطرف کر کے بنی امیہ کو مقرر کیا۔

۶۔ عثمانی زمانے کے عمال کی عملی حالت اچھی نہیں تھی۔ ان کی بداعمالیوں سے مسلمان تنگ آ گئے۔ اور ان کی آہ و فریاد کی شنوائی بھی نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے وہ مشتعل ہو گئے۔

۷۔ مروان کو وزیر اعظم کے منصب پر مقرر کیا گیا۔ وہ جو چاہتا تھا کرتا تھا۔ اس سے کوئی باز پرس نہیں تھی۔ لوگ اس کی زیادتیوں سے تنگ آ گئے۔ قوم مروان کو حضرت عثمان سے طلب کرتی تھی۔ انہوں نے اپنا قتل ہونا گوارا کیا۔ مگر مروان کو قوم کے حوالے نہ کیا۔

۸۔ اصحاب رسول پر اور ملک کے بڑے بڑے آدمیوں پر تشدد کیا گیا۔ اس نے عوام کو بھڑکا دیا۔ ابوذر کی توہین اور جلاوطنی کی وجہ سے بنو غفار اور ان کے حلیف قبیلے مخالف ہو گئے عبداللہ بن مسعود کو پٹوانے کی وجہ سے بنی ہذیل اور ان کے حلیف بنی زہرہ نے مخالفت شروع کر دی۔ عمار ابن یاسر کی پسلیاں توڑنے کے باعث بنی مخزوم اور ان کے حلیفوں

نے علمِ مخالفت بلند کر دیا۔ محمد بن ابی بکر کے قتل کا سر و سامان کرنے کی وجہ سے بنی تیم بھڑک اٹھے۔

۹۔ مسلمانوں میں بعض ممتاز شخصیتوں سے برا سلوک کیا گیا۔ اور انہوں نے کھلم کھلا مخالفت شروع کر دی۔ اور ان مخالفت کرنے والوں میں حضرت عائشہؓ، ابوذرؓ، عمار یاسرؓ، عبداللہ ابن مسعود ابی ابن کعب وغیرہ بھی تھے۔

۱۰۔ قرآنِ مجید کے وہ نسخے جو حضرت عثمان کے علاوہ دوسرے مشاہیر صحابہ نے مرتب کیے تھے جلا دیئے گئے۔ جس سے وہ مسلمان جن کے دل میں قرآن کا وقار تھا بگڑ گئے۔

۱۱۔ کوفہ کے مسلمانوں کی ایک جماعت کو حضرت عثمان کے اس طرزِ عمل پر نکتہ چینی اور شکایت کا موقعہ ملا۔ کہ انہوں نے اپنے خاندانی لوگوں کو جو کسی طرح حکومت کی قابلیت اور صلاحیت نہیں رکھتے تھے حاکم مقرر کیا ہے۔ چنانچہ حاکم کوفہ کے اطلاع دینے پر حضرت عثمان نے حکم دیا کہ جو لوگ ایسی نکتہ چینی کرتے ہیں ان کو معاویہ کے پاس شام بھیج دے۔ پس والیٔ کوفہ نے اس گروہ کو جس میں اشتر نخعی اور ثابت بن قیس اور کمیل بن زیاد اور زید ابن صوحان اور صعصعہ بن صوحان اور جندب بن زہیر اور عروہ بن الجعد اور عمرو بن الحمق بھی تھے معاویہ کے پاس بھیج دیا۔ جب یہ اشخاص وہاں پہنچے تو

ان میں اور معاویہ میں ایسی بات بڑھی کہ یہ لوگ حملہ کرکے معاویہ
پر ٹوٹ پڑے۔ اور ان کی داڑھی پکڑ لی۔ معاویہ نے یہ حال
حضرت عثمان کو لکھا۔ حضرت عثمان نے تحریر کیا کہ ان لوگوں
کو سعید بن العاص کے پاس بھیج دے۔ چنانچہ وہ سب ان
کے پاس بھیج دیے گئے۔ وہاں پہنچ کر وہ حضرت عثمان
کے حق میں اور زیادہ تیز بیانی کرنے لگے۔ دیگر اشخاص بھی
ان کے پاس جمع ہونے لگے۔[1]

۱۲۔ عقد الفرید میں لکھا ہے کہ جن باتوں نے مسلمانوں کے دلوں میں
حضرت عثمان کی جانب سے کینہ اور کدورت پیدا کر دی ان میں
سے بعض یہ ہیں:۔ کہ حضرت عثمان نے حکم بن العاص مردودِ
بارگاہِ نبوی کو پناہ دی۔ حالانکہ اس شخص کو حضرت ابوبکر، اور
حضرت عمر نے بھی اپنے عہد میں پناہ نہیں دی تھی اور ابو ذر
غفاری کو صحرائے ربذہ میں نظر بند کیا۔ نیز بازار مہزور (جسے
رسول اللہؐ نے مسلمانوں پر صدقہ کیا تھا) حارث بن حکم برادر مروان
کو بخشا اور مروان کو فدک عطا کیا۔[2]

تاریخ ابوالفدا میں ہے کہ جن باتوں نے لوگوں کو حضرت عثمان
پر برانگیختہ کیا، وہ یہ ہیں کہ انہوں نے حکم بن العاص کو بلوا لیا۔

---

[1] تاریخ ابوالفدا، تاریخ احمدی ص۱۵۱ و ص۱۵۲

[2] عقد الفرید، تاریخ احمدی ص۱۵۲ و ص۱۵۳

جسے رسول اللہؐ نے مردود کرکے نکلوا دیا تھا۔ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے زمانہ میں بھی یہ مردود رہا۔ نیز یہ کہ حضرت عثمان نے مروان کو خمس غنائم افریقیہ عطا کیا۔ جس کی آمدنی پانچ لاکھ دینار تھی اور اسی کو فدک بھی عنایت کیا۔[1] ۳۵ھ میں حضرت عثمان پر کثرت سے اعتراض ہونے لگے جو ناپسندیدہ امور حضرت عثمان کی طرف منسوب کیے جاتے تھے وہ علی الاعلان بیان ہونے لگے۔ ازانجملہ وہ واقعۂ نامرضیہ ہے جو حضرت عثمان اور عبداللہ ابن مسعود میں پیش آیا۔ جس کی وجہ سے بنی ہذیل منحرف ہو گئے اور وہ تکلیف دہ سلوک جو عمار بن یاسر سے کیا گیا اور وہ فعل ناشائستہ جو ولید بن عقبہ سے مسجد کوفہ میں وقوع پذیر ہوا اور وہ ناگوار برتاؤ جو ابوذر سے کیا گیا۔[2]

مورخ ابوالفدا لکھتا ہے کہ ۳۵ھ میں ایک گروہ ہزار یا سات سو آدمیوں کا مصر سے اور ایسا ہی ایک گروہ کوفہ سے اور ایک بصرہ سے مدینہ میں وارد ہوا۔ جب جمعہ کا دن آیا تو حضرت عثمان نے مسجد میں تشریف لاکر نماز پڑھائی اور منبر پر جاکر متذکرہ بالا گروہوں سے فرمایا کہ خدا جانتا ہے اور مدینہ والے بھی واقف ہیں کہ تم لوگوں پر رسول اللہؐ نے لعنت کی ہے۔

---

[1] تاریخ ابوالفدا، تاریخ احمدی صہ ۱۵۲

[2] تاریخ مروج الذہب مسعودی و تاریخ احمدی صہ ۱۵۳

محمد بن مسلمہ نے کھڑے ہو کر اس کی گواہی دی۔ حضرت عثمان کی تقریر سن کر وہ تینوں گروہ اہل مسجد پر ٹوٹ پڑے اور انہوں نے سنگریزوں کی بوچھاڑ کر کے لوگوں کو مسجد سے نکال دیا نیز ایک سنگریزہ حضرت عثمان کو ایسا مارا کہ وہ بے ہوش ہو کر منبر پر گر پڑے اور لوگ ان کو ان کے گھر اٹھا کر لے گئے۔[۱]

تاریخ ابن الوردی میں ہے کہ بلوائیوں کے وارد مدینہ ہونے کے بعد حضرت عثمانؓ نے تیس دن مسجد میں نماز پڑھی۔ پھر ان لوگوں نے حضرت عثمان کو مسجد میں نماز پڑھنے سے روک دیا۔ اور غافقی امیر جماعت مصر کو امام نماز مقرر کیا۔ مدینے والوں نے گھر سے نکلنا بند کر دیا اور حضرت عثمان چالیس دن تک اپنے گھر میں محصور رہے۔ بعد ازاں اس جماعت کی خواہش کے موافق حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تم مروان کو عہدہ کتابت سے اور عبداللہ ابن ابی سرح کو حکومت مصر سے معزول کر دو۔ حضرت عثمان نے اس درخواست کو منظور کیا اور ان کے منظور کر لینے پر حضرت علیؓ نے بلوائیوں کو اسی وقت متفرق کر دیا۔ لیکن مروان نے حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہو کر ایسی باتیں کیں کہ حضرت عثمان نے مروان کی معزولی کا حکم منسوخ کر دیا۔ البتہ عبداللہ ابن ابی سرح کو مصر سے معزول کر کے انکی

---

[۱] تاریخ الالفی ۱، تاریخ احمدی صفحہ ۱۵۴، ۱۵۵

جگہ محمد بن ابی بکر کو مقرر کیا [1]

تاریخ ابوالفدا میں ہے کہ جب حضرت عثمان نے محمد بن ابی بکر کو عامل مصر معین کیا تو وہ مع ایک جماعت مہاجرین و انصار کے مصر کی جانب روانہ ہوئے۔ ہنوز یہ لوگ راہ میں تھے، کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شتر سوار اونٹ کو تیز ہانکتا ہوا آ رہا ہے۔ محمد بن ابی بکر کے قافلہ والوں نے اس سے پوچھا کہ تو کہاں جاتا ہے۔ اس نے کہا کہ عامل مصر کے پاس۔ لوگوں نے کہا کہ عامل مصر (محمد بن ابی بکر) تو یہیں ہیں۔ اس غلام شتر سوار نے کہا کہ میں دوسرے عامل (ابن ابی سرح) کے پاس جاتا ہوں۔ یہ سنکر لوگوں نے اسے پکڑا اور تلاشی لی تو اس کے پاس سے ایک نامہ نکلا، جس پر حضرت عثمان کی مہر تھی اور اس میں لکھا تھا کہ "جس وقت محمد بن ابی بکر اور ان کے ساتھ والے وہاں پہنچ کر تیری معزولی کا حکم دیں تو قبول نہ کرنا، بلکہ محمد بن ابی بکر اور ان کے ساتھ والوں کو کسی حیلے سے قتل کرنا۔ ان کے پاس جو نامہ ہے اس کو باطل سمجھنا اور اپنے منصب پر بدستور قائم رہنا" یہ حکم دیکھتے ہی محمد بن ابی بکر اور ان کے ساتھ والے مدینہ واپس آ گئے [2]

---

[1] تاریخ ابن الوردی، تاریخ احمدی صفحہ ۱۵۵
[2] تاریخ ابوالفدا و تاریخ احمدی صفحہ ۱۵۶

یہ لوگ حضرت علیؓ کے پاس پہنچے کہ یہ خط ہے۔ اور
آپ حضرت عثمان کے پاس چلیے۔ حضرت علی گئے،
کافی دیر بحث رہی۔ حضرت عثمان نے کہا کہ یہ میرا خط
نہیں ہے۔ اس وقت کہا گیا کہ غلام آپ کا، ناقہ
آپ کا اور پھر اس پر آپ کی مہر۔ یہ کیسے ممکن ہوسکتا
ہے کہ خط آپ کا نہیں۔ اس وقت انہوں نے مروان کی
سازش بتلائی۔ مروان کو مانگا گیا۔ لیکن انہوں نے دینے سے
انکار کر دیا۔ تو کہا گیا کہ خلافت چھوڑ دیجئے۔ اس سے بھی
انکار ہوا تو اہل مصر، اہل بصرہ اور اہل کوفہ نے مکان کو چاروں
طرف سے گھیر لیا۔ حضرت علیؓ نے جو بگڑی حالت دیکھی
شہر سے باہر سکونت اختیار کی۔ جب واپس آئے معلوم
ہوا کہ شورش اور بڑھ گئی۔ اس کے بعد حضرت پھر مہاجرین
کی جماعت کے ساتھ حضرت عثمان کے پاس گئے۔ اور
بہت نصیحت کی لیکن بے کار۔ جب محاصرہ بہت سخت
ہو گیا تو حضرت علیؓ کو بلوایا۔ آپ نے یہ مشورہ دیا کہ
توبہ اور استغفار کا اعلان کر دیں۔ اعلان کیا۔ لوگ جمع
ہوئے۔ حضرت عثمان بہت روئے۔ توبہ اور استغفار
کرلی اور حضرت علیؓ نے اہل مصر کو سمجھایا۔ لیکن مروان
نے کہا کہ اس طرح لوگ تمہیں کمزور خیال کرتے ہیں۔ تو

پھر حضرت عثمان نے سخت لہجہ میں لوگوں کو ڈانٹا۔ دو تین مرتبہ حضرت علیؓ نے سمجھایا اور مروان کے کہنے پر حضرت عثمان توبہ سے باز رہے۔ آخر حضرت علی نے قسم کھائی کہ وہ اب کبھی نصیحت نہیں کریں گے اور نہ آئیں گے۔ [1]

ادھر حضرت عثمان نے حاکم شام معاویہ اور دیگر امرا کو نصرت کے لیے بلایا، کوئی نہ آیا۔ حضرت عثمان نے جو خط معاویہ کو لکھا تھا اس کے الفاظ یہ تھے:۔

"واضح ہو کہ اہلِ مدینہ کافر ہو گئے ہیں اور اطاعت سے منہ پھیر لیا ہے۔ اور بیعت توڑ ڈالی ہے۔ تم شام کے لڑنے بھڑنے والوں کو تند و تیز سواریوں پر میری طرف بھیجو۔"

(طبری جلد ۳ صہ ۴۰۲)

جب معاویہ کو یہ خط ملا تو اس نے توقف کیا۔ اور اصحاب پیغمبرؐ کی کھلم کھلا مخالفت کو برا جانا۔ کیونکہ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ وہ ان کی مخالفت پر یک جہتی سے متفق ہیں بلکہ معاویہ نے کہا۔ جس وقت تک حضرت عثمان شریعت

---

[1] اسلامی سیاست کا ابتدائی مطالعہ صہ ۹۵ و صہ ۹۶

پر عمل کرتے رہے ان کا کام درست رہا۔ اور جب خلاف
کرنا شروع کیا خدا اپنی نعمتیں واپس لے رہا ہے۔
ادھر محاصرہ سخت ہو گیا، پانی بند ہو گیا۔ حضرت علی
کو یہ اطلاع ملی تو پانی بھجوایا۔ اور مقابلہ کو چالیسواں دن
تھا کہ لوگ تنگ آ گئے تھے۔ اس وقت محمد بن ابی بکر
اور ان کے دو ساتھی رومان وغیرہ پیچھے سے گھر
میں داخل ہوئے اور حضرت عثمان قتل کر دیے گئے[1]

حضرت عثمان کی اولاد

حضرت عثمان کے آٹھ بیٹے
تھے۔ عبداللہ[1]، عمرو[2]، ابان[3]
خالد[4]، سعید[5]، ولید[6]، مغیرہ[7]، عبدالملک[8][2]

حضرت عثمان کی تجہیز و تکفین

مورخ ابوالفداء لکھتے
ہیں کہ حضرت عثمان
۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو مقتول ہوئے۔ ان کی مدت خلافت
بارہ دن بارہ سال تھی۔ اور وہ تین دن تک بلا دفن و کفن پڑے
رہے۔ کیونکہ ان کے دشمن ان کی تجہیز و تکفین سے مانع تھے[3]

---

[1] اسلامی سیاست کا ابتدائی مطالعہ ص ۹۶ و ص ۹۷۔ تاریخ طبری و
تاریخ احمدی ص ۱۵۷ و ص ۱۵۸

[2] تاریخ مروج الذہب و تاریخ احمدی ص ۱۳۹

[3] تاریخ ابوالفداء، تاریخ احمدی ص ۱۵۸

تاریخ کبیر ابن جریر میں ہے کہ حضرت عثمان قتل ہونے کے بعد دو دن پڑے رہے اور کسی شخص کو ان کے دفن کی قدرت نہ ہوئی بالآخر حکیم بن حزام، جبیر بن مطعم اور نیار بن مکرم اور ابوجہم بن حذیفہ حضرت عثمان کی نعش اٹھا لے گئے۔ لیکن جب انہوں نے چاہا کہ جنازہ کی نماز پڑھیں تو انصار کے چند لوگ آ کر مانع ہوئے۔ نیز بقیع میں دفن ہونے سے روکا۔ ابوجہم نے کہا، ان کو اسی طرح دفن کر دو۔ ان پر اللہ اور اس کے ملائکہ نے نماز پڑھی ہے۔ مخالفین نے کہا کہ خدا کی قسم یہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے نہیں پائیں گے۔ مجبوراً لوگوں نے حضرت عثمان کو حش کوکب میں دفن کیا۔ اور جب بنی امیہ کی سلطنت ہوئی تو انہوں نے اس مقام کو بقیع میں شامل کر لیا۔ جو آج تک بنی امیہ کا قبرستان ہے[1]

---

[1] تاریخ کبیر [illegible]

سوالات

- حضرت عثمان کی خلافت کے اسباب بیان کیجئے۔
- مخالف گروہ کس طرح مدینہ میں آئے اور ان کا حضرت عثمان سے کس طرح جھگڑا ہوا؟
- مصری وفد کے حضرت عثمان سے کیا مطالبات تھے؛ حضرت عثمان نے ان مطالبات کو جب منظور کر لیا تو حضرت علیؑ نے انہیں کس طرح منتشر کر دیا؟
- حضرت عثمان نے ان شرائط میں سے کسے پھر مسترد کر دیا، اور کسے بحال رکھا؟
- مروان نے محمد بن ابی بکر کے پیچھے قاصد روانہ کر کے کس طرح فتنہ و فساد کی آگ کو روشن کیا؟
- مصریوں نے لوٹ کر کیا کیا؟ حضرت علیؑ نے فتنہ کو فرو کرنے کے لیے کیا کوشش کی اور وہ کس طرح ناکام رہی؟
- کیا صوبائی گورنروں میں سے کسی نے حضرت عثمان کی مدد کیلئے کمک بھیجی؟
- کیا معاویہ سے حضرت عثمان نے مدد طلب کی تھی اور اس نے مدد کی؟
- حضرت عثمان کا قتل کس طرح ہوا؟
- حضرت عثمان کی تجہیز و تکفین کو بیان کیجئے۔
- حضرت عثمان کے کتنے بیٹے تھے! ان کے نام بتائیے۔

ضبط کن تاریخ را پائندہ شو
از نفسہائے رمیدہ زندہ شو
اقبال

اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ

جلد دوم

خلفائے ثلاثہ

شیعہ نقطۂ نظر سے

سنہ ۱۳۷۶ھ ، سنہ ۱۹۵۷ء

تالیف

پروفیسر خواجہ محمد لطیف انصاری

ناشر

رضاکار بک ڈپو لاہور